اسلامی حکمرانی کی جانب

مُصنف
آیت اللہ سید محمد شیرازی

اسلامی حکمرانی کی جانب

مُصنّف

آیت اللہ سیّد محمد شیرازی

ترجمہ

محمد اسحاق نجفی

ناشر

مسلم سلمان مشن محمود آباد ۵ کراچی
پاکستان

قیمت:

نام کتاب ــــــــــ "اسلامی حکمرانی کی جانب"

مولف ــــــــــ آیت اللہ سید محمد شیرازی

ترجمہ ــــــــــ جناب اسحٰق نجفی

مصحح ــــــــــ جناب مرزا محمد جعفر صاحب

کتابت ــــــــــ جناب داور علیخاں رضوی

مطبع ــــــــــ خرم پرنٹرز
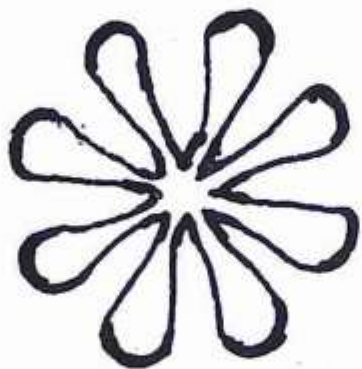
پیش لفظ

شگفتہ و دلکش پھولوں سے مہکتا ہوا باغ، جس کی روش روش میں پنہائیت ہو، جاذبیت ہو، کشش ہو، جس کی ہر شاخ دلربا اور جس کا ہر پھول فرحت بخش اور روح افزا۔ "اسلامی حکمرانی کی جانب" کتاب دیکھ کر میں تحیّر و تعجب اور مسرت و شادمانی کے ملے جلے کیفیات سے دوچار ہوا۔ ایک عالمِ دین کی عربی تحریر جس کا ہر ہر لفظ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح رہنما اور جس کا ایک ایک جملہ ہر ظلمت کدہ قلب کے لئے روشن چراغ ثابت ہوا۔ خدا توفیقات میں اضافہ فرمائے مسلم سلمان مشن کے چیرمین جناب مولانا شیخ اسحاق نجفی کا جنھوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ اپنی انتھک کوشش و محنت سے سرانجام دے کر اردو داں قارئین کے لئے ایک لائق ستائش و قابل قدر خدمت انجام دی ہے

تم سلامت رہو ہزار برس ۞ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یہ اردو ترجمہ ان مفاہیم و مطالب کا آئینہ دار ہے جنھیں علامہ آیت اللہ سید محمد شیرازی مدظلہ العالی نے مسلمانوں کی رہنمائی میں اور معلومات میں اضافے کے لئے عربی زبان میں پیش فرمایا اور اب آپ کی اپنی زبان میں آپ کے پیش نظر ہے۔ امید کہ افراد ملت

امید کہ ہے کہ افراد ملت اسے پسند فرمائیں گے۔

مرزا محمد جعفر صاحب

(لائبریرین۔ مکتبہ العلوم لائبریری کراچی)

فہرستِ مضامین

(ختم شد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کی سعادت اور خوشبختی اسی میں مضمر ہے کہ وہ انسانی خودساختہ نظام کو ترک کرکے الٰہی نظام کو اپنائیں۔ یقیناً ایک دور ایسا بھی آئے گا جب دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوگا ہر طرف عدل وصداقت وشرافت کا دور دورہ ہوگا۔ اور یہ اللہ کا وعدہ بھی ہے کہ اُسے اور اس کے رسولؐ کا غلبہ ہوکر رہے گا۔ یقیناً ایسا دور حکم الٰہی سے آئے گا مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم نظام اسلامؑ کے نفاذ کے سلسلہ میں کوشش کریں اس سلسلہ میں خود اسلام پر عمل کریں اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کے لئے رغبت دلائیں چونکہ عمل سے پہلے فکر مقدّم ہے۔ اس لئے ایسے ذرائع کو فروغ دیں جس سے نوجوان فکری طور پر اسلام کو سمجھیں اور اپنائیں۔

سب سے بہتر ذریعہ وہ کتابیں ہیں جو اسلامی موضوعات پر آسان اور زودفہم اسلوب پر تحریر کی گئی ہیں ان کتابوں نے دنیا کے مختلف گوشوں میں انقلاب برپا کردیا۔ اسلامی موضوعات پر قلم اٹھانے والے حضرات کی تعداد بہت ہے مگر جو اسلوب تحریر حضرت آیۃ اللہ سید محمد شیرازی دام ظلہ کا ہے وہ کچھ اور ہے۔ جب میں نجف اشرف کے حوزہ علمیہ میں مصروفِ تحصیل تھا کربلا معلیٰ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور ان کی تحریر کردہ کتابوں سے استفادہ کرتا تھا ذہنی اعتبار سے میں ان سے بہت متاثر تھا ان کی سعی سے عراق میں اسلامی نظام کے فروغ کے لئے بہت کچھ ہورہا تھا۔

آیۃ اللہ سید محمد شیرازی اس صدی کے اسلامی انقلابی فکر کے رہنماؤں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں ان کی تقریر اور تحریر دونوں میں ایک ولولہ ایک جوش ہے جس سے جوان ذہن متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

یہ کتاب (اسلامی حکمرانی کی جانب) جو ترجمہ ہے عربی کا (الی حکم الاسلام) ایک عظیم کتاب ہے جو نوجوانوں کے لئے ہر مقام پر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے مشعلِ راہ ہے اس کتاب سے سامراجی نظام کی فرسودگی اور اسلامی نظام کی برتری کا پتہ چلتا ہے۔

ہمارے ملک پاکستان میں نفاذ اسلام کی کوششیں جاری ہیں۔ صدرِ مملکت جناب ضیاء الحق صاحب خود فرض منصبی سمجھ کر کوشاں ہیں! ایسے دور میں تمام اسلامی فرقوں کو چاہیئے کہ جزوی و فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے نفاذ اسلام کے لئے انتھک کوشش کریں۔ اور نوجوان نسل کو گمراہ ہونے سے بچائیں ورنہ .... ہمیں بھی وہی ندامت حاصل ہوگی جو بعض اسلامی ملکوں کے علماء کو حاصل ہوئی۔

چونکہ ملک کے نوجوانوں کی اکثریت اسلام کے سمجھنے کی طرف رغبت رکھتی ہے میں نے ان کے لئے یہ کتاب پسند کر کے ترجمہ کر دی ہے تاکہ ان کے ذہن سے شک و شبہات دور ہوں اور ان کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا جواب اس کتاب میں انھیں مل جائے ۔ ارباب علم و دانش سے یہی گذارش .... وہ اس کتاب کی اصل روح کی طرف توجہ فرمائیں۔ ترجمہ کی خامی کو درگذر فرمائیں۔ اس کتاب کی طبع میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ان سب کا شکر گزار ہوں اور خصوصیت سے جناب حجۃ الاسلام شیخ ابراہیم صاحب اور دانشمند بزرگ جناب مرزا محمد جعفر صاحب لائبریرین مکتبۃ العلوم

لائبریری کراچی جنھوں نے نظر ثانی فرمائی اور مسلسل میری رہنمائی فرماتے رہے
اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ مسلم سلمان مشن پاکستان
کی طرف سے یہ پیشکش اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل بیت پسند فرمائیں
آمین ——

محمد اسحٰق نجفی
چیرمین مسلم سلمان مشن
۲۳۵ بی گلی ۱۹/ اے
محمود آباد ۵ کراچی ۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ محمد وآلہ الطاہرین ولعنۃ اللہ علیٰ
اعدائھم الیٰ یوم الدین

اسلامی حکمرانی کی جانب

یہ چند سطریں موجودہ دور کی مشکلات، ان کے حل کے طریقۂ کار اور ہمارے ملکوں میں رائج مغربی طرزِ حکومت اور اسلامی طریقۂ حکمرانی کے درمیان تقابلی مطالعہ پر لکھی گئی ہیں۔

اگرچہ اپنے بعض مؤلفات میں ان موضوعات پر پہلے بھی کچھ تحریر کرچکا ہوں۔ لیکن میری اس کتاب (اسلامی حکمرانی کی جانب) اور میری دیگر مؤلفات کے درمیان، قارئین کرام کو فرق صرف ٹکنیکی اور ظاہری نظر آئے گا ورنہ جوہری اور حقیقی اعتبار سے وہ اُسے یکساں پائیں گے۔

کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہیں:

کیا آپ اسلام کو ضابطۂ حیات کے اعتبار سے مکمل طور پر جانتے ہیں؟

کیا آپ ملک میں رائج نظام سے واقف ہیں؟

ان کے جواب میں، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ۔ جی ہاں! میں جس طرح موجودہ رائج نظامِ قانون کے بارے میں مکمل علم رکھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اسی طرح اسلامی نظامِ حیات کے تمام پہلوؤں پر مکمل تخصص وعلم رکھنے کا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے باوجود دونوں نظاموں کے درمیان

موازنہ کر سکتا ہوں - ایک تقابلی جائزہ پیش کر سکتا ہوں۔ میرا یہ عمل بالکل اس شخص کی طرح ہو گا جو دو بلند عمارتوں کو دیکھ کر ایک کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا قرار دیتا ہے یا کوئی شخص دو چمن دیکھ کر ایک کو خوبصورت تر قرار دیتا ہے اگرچہ وہ کوئی بڑا انجینئر نہیں اور یہ کوئی ماہر باغبان نہیں، اس کے باوجود وہ موازنہ کر کے ایک دوسرے پر ترجیح دے کر برتری کا احساس دلاتا ہے۔

ہم جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے ابتدائی دور میں پلٹ جاتے ہیں، جہاں مختصر حدود رکھنے والی حکومت اور اس میں بسنے والے لوگوں پر اسلام کی حاکمیت نظر آتی ہے۔ پھر ہم پلٹ کر اس دور کے مغربی طرز پر آباد شہروں کی جانب رُخ کرتے ہیں جو ہمارے اطراف و جوانب میں دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ ان دونوں طرح کے طرز حکومت میں کون سا بشر کے لئے مفید ہے۔ ان دونوں نظاموں میں کون سا معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے بہتر ہے۔ اور انسانی سعادت کس میں مضمر ہے؟ یہ بیان ہم اس حالت میں کر رہے ہیں جبکہ ہم اسلام کے بارے میں سطحی معلومات اور مغربی طرز حکومت کے بارے میں بھی مختصر معلومات رکھتے ہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ علم اجتماع کے علماء مدنیّت پر قلم اٹھانے والے مفکرین اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں، وہ اس سلسلہ میں کچھ امور کا حکم دیتے ہیں اور کچھ سے منع کرتے ہیں (وہ ابھی تک ایک ڈاکٹر یا انجینئر کے مانند اس موضوع پر کلی طور پہ حاوی نہیں ہوئے ہیں۔

حالانکہ وہ فوجی نظام یا مکمل اقتضا دیات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ لوگ سیاست کے دھارے کی سمت سے واقف نہیں) باوجود اس کے یہ علماء اجتماع، حکم دیتے ہیں اور ان کے احکام کی پیروی کی جاتی ہے۔

دراصل ہمارے حواس کا تعلق ظاہر سے ہے۔ ہم حواس کے ذریعہ کسی چیز کے درست یا غلط ہونے، ترقی یا پستی کی طرف مائل ہونے کا فیصلہ فوراً کر لیتے ہیں اگرچہ خود صاحب حواس زیادہ علم نہ رکھتا ہو، معلومات کم رکھتا ہو لیکن وہ ایک سرسری نظر سے فیصلہ کر لیتا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں:

آپ جو اسلامی معاشرہ کا، مغربی طرز زندگی سے تقابل کرنے کی زحمت گوارا کر رہے ہیں تو اس سے فائدہ کیا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ:

اس میں بہت سے فوائد ہیں۔

اول:۔ یہودیوں کا اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہے، اس تقابل سے فنا ہو جائے گا۔

دوم:۔ اسلام جس طرح خدا کی جانب سے نازل ہوا۔ لوگوں کو اس کا علم ہوگا اور وہ اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں کوشاں ہوں گے اور اسی میں ان کی دنیوی اور اخروی سعادت پوشیدہ ہے۔

انسان خود اپنا دشمن نہیں ہوتا۔ دراصل یہ بیچارے چند لوگوں میں گرفتار ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو اسلامی تہذیب و ثقافت سے بے خبر ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس سے باخبر ہیں اور سمجھتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو مغربی ممالک کے آلہ کار ہیں۔ ہر گروہ بہت کم ہے۔ اگر پہلا گروہ دوسرے سمجھدار گروہ سے مل جائے تو ان مغربی آلہ کاروں اور استعمار کے ایجنٹوں کی تعمیر کردہ عمارت زمین بوس ہو جائے۔ عوام، قدیم اور جدید، دونوں دور میں عظیم طاقت رہی ہے جس کے بازؤوں نے قوموں کی تقدیر بدل ڈالی ہے لیکن وہ حکومت اور اقتدار، جو گولی اور ڈنڈے کے سہارے چلائی جاتی ہے وہ صرف چند دن کے لئے ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے نیزہ کا مالک اس کی انی سے ہر کام درست کر سکتا ہے مگر اس پر بیٹھ نہیں سکتا۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں۔

یہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں، صحیح ہے۔ لیکن جیسا کہ وحی اور الہام سے، اور حدیثوں سے ظاہر ہے کہ یہ دنیا زوال کی طرف جا رہی ہے اور یہ سلسلۂ انحطاط اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہدایت کا سورج امامِ منتظر مہدیؑ کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا اس بناء پر یہ عام لوگوں کو راہِ راست دکھانا اور بنیادی اصلاحات کا نفاذ بے کار ہے۔

عرض ہے کہ: صرف اس بناء پر کہ، امامِ منتظر مہدیؑ کا ظہور ہوگا اور وہ ہدایت دیں گے ایک شخص مسلم کو زیب نہیں دیتا کہ اسلام کے دفاع اور لوگوں کو ہدایت کرنا چھوڑ دے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ذاتی واجبات نماز روزہ، صدقہ، امانت، صلۂ رحم، امر بالمعروف وغیرہ اس بات پر نہیں چھوڑ سکتے کہ یہ آخر زمانہ ہے جس کا ہم سے اور ہمارے آبا و اجداد سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم آپ سے سوال کرتے ہیں:

آپ کہاں سے اس بات کو ثابت کریں گے کہ دنیا انحطاط کی طرف جا رہی ہے۔

بعض اسلامی حکومتوں نے انحطاط کی جانب مائل ہو کر پھر دوبارہ ترقی کی طرف پیش رفت کی ہے، کیا یہ ہمارے سوچنے کے لئے کافی نہیں کہ ہم حکومتوں کا قرآن اور ہدایت سُنّت نبویؐ کی حکومت کی جانب پلٹ جانا ممکن سمجھیں۔

یہاں ایک اور سوال فرض کیا جا سکتا ہے

اسلام کس زمانہ میں نافذ ہوا جو آج آپ اس کی دوبارہ تطبیق، اور اُسے دوبارہ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تطبیق سے مراد کیا ہے؟۔ اگر اس سے مراد سو فیصد ہے تو یہ بات ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ہر شخص پر تطبیق نہیں ہو سکی یہ تو خود عصرِ پیغمبرؐ میں بھی نافذ نہ ہو سکا جسے ہم نفاذِ کلی کہیں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی

ہے (تو صرف یاد دہانی کرنے والا ہے۔ تو ان پر چھا جانے والا نہیں ہو) اس کے باوجود رسول اکرمؐ نے بڑی محنت سے کام کیا۔ ان کی وہ کوشش رائیگاں نہ گئی بلکہ اسلام پورے جزیرہ نمائے عرب پر پھیل گیا۔

اگر انکار کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسلامی رنگ میں رنگے نہیں جا سکتے اور یہ بھی کہہ دیا کہ سابقہ ادوار میں اسلام کا رنگ حکومتوں نے نہیں اپنایا۔

اس نظریہ کے خلاف تاریخ اور ضمیر گواہی دیتے ہیں۔ سرور دو عالمؐ جب حاکم اسلام کے عنوان سے اٹھے تو انہوں نے تمام ممالک اسلامیہ میں منفرد حاکم کی حیثیت سے فرمانروائی کی اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ان کی حکومت نصف صدی تک موجود رہی۔ پھر زوال پذیر ہوئی۔ یہ بات صحیح ہے کہ اسلام ہر زمانہ میں بادشاہوں کے محلات اور امیروں کی عالیشان عمارتوں میں اسیر رہا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام عام معاشرہ میں نافذ نہ ہوا۔

ہر زمانہ میں اسلام کے نفاذ سے انکار کرنے والے دریافت کرتے ہیں۔

آغاز اسلام میں محکمہ عدلیہ کیا تھا؟ آیا وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں فیصلہ کرتے یا فرانس اور امریکہ کے قوانین پر؟

سیاست (ملکی) کیسی تھی؟ آیا اسلام سے غیر مربوط ڈیموکریسی کا رواج تھا۔ کیا وہاں پارٹیاں تھیں؟ کیا وہاں الیکشن ہوتے تھے؟ کیا وہاں مجلس شوریٰ تھی؟ کیا وہاں مجلس اعیان تھی؟ کیا آج جیسے مغربی طرز پر ووٹ ڈالے جاتے تھے؟

اقتصادیات Economy: اس کا اقتصادی ڈھانچہ کیا تھا؟ کیا ذخیرہ اندوزی کی جاتی تھی؟ انشورنس ہوتا تھا؟

سود لینے والے بینک موجود تھے؟ کیا ایکسپورٹ اور امپورٹ لائسنس لینا ضروری تھا۔ کیا تجارت آزاد تھی؟ اس زمانہ میں ٹیکس کے حصول کا طریق کار کیا

تھا؟ آیا خمس، زکوٰۃ، خراج، مقاسمہ، جزیہ تھا۔ یا آج کی طرح پانی پرٹیکس گھر پر ٹیکس، زمین، پودوں، جانور اور انسان پر ٹیکس تھا۔

اس زمانہ میں کونسی ثقافت تھی؟ ڈارون، فرائڈ، مارکس، انجلز و سنجر میکافیل کی پیش کردہ یا قرآن پاک کی سنت مطہرہ کی پیش کردہ۔ اس زمانہ میں (آغاز اسلام میں) صحت عامہ کی کیا صورت حال تھی؟ کیا اکثر لوگ بیمار رہتے تھے، کوئی پیٹ کا اور کوئی ہیٹھ کا مریض۔ کسی کے گردے میں درد، کسی کے مثانہ میں تکلیف، کوئی دل اور پھیپھڑے کا مریض، کوئی آنکھوں کی بینائی کی شکایت لئے ہوئے، کوئی گٹھیا کی تکلیف میں مبتلا۔ یا اکثر لوگ صحت مند تھے اور بیمار اس طرح کم تھے جیسا کہ آج کل صحت مند کم ہیں۔

راحت و سکون کے لحاظ سے اس زمانے کے لوگوں کی حالت کیا تھی؟ کیا اکثر لوگ اضطراب اور بے چینی کا شکار تھے، جن کے اعصاب شکستہ، افکار پریشان، اذہان مضطرب ہوں۔ یا لوگوں میں سکون اور راحت اور اطمینان کا دور دورہ تھا۔ اس طرح کہ وہ اعصابی بیماری کے نام تک کو نہیں جانتے تھے۔ بے چینی اور اضطراب سے واقف ہی نہ تھے۔

اس زمانے میں طرز حکومت کیا تھا؟ (آج کل کی طرح) محکمہ سراغرسانی محکمہ بلدیہ، محکمہ افواج، محکمہ انصاف اور کمشنری نظام، پیچیدہ حالات، فائلوں کا ڈھیر یا ولایت، قضاوت، کچھ لوگوں پر مشتمل محکمہ سراغ رسانی ان معنوں میں جو آج کل رائج ہے۔

اس زمانے میں زراعت کی کیا پوزیشن تھی۔ اور زراعت کرنے کے لئے لائسنس کی ضرورت، قوانین اصلاح اراضی زراعت جو مغرب اور مشرق میں اس وقت رائج ہیں، یا زمین خدا کی ملکیت تھی جو چاہے زراعت کرے بغیر کسی شرط اور

جبر کے۔ کثرت سے بند باندھے گئے؟ کثرت سے نہریں نکالی گئیں؟ کیا زمین پر زراعت کا یہ عالم تھا کہ ایک بالشت زمین بھی خالی نظر نہ آتی تھی؟ اس زمانہ میں (صدر اسلام) میں سفر کا طریق کار کیا تھا۔ (ذرا جائزہ لیجئے۔ اپنے زمانہ سے موازنہ کیجئے) کیا اس وقت لوگ پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور اقامہ کے محتاج تھے۔ کیا اس زمانہ میں ملازمت پیشہ اور کاریگروں کا محکمہ جدا تھا۔ کیا انٹری ویزا اور خروج لازمی تھے۔ کیا انسان ان چیزوں سے آزاد تھا؟

اس وقت تو انسان جہاں چاہے ٹھہر سکتا تھا اور جہاں چاہے سفر کر سکتا تھا۔ کوئی پابندی نہیں تھی۔ نہ اجازت لینی پڑتی تھی اور نہ کوئی اعتراض کرتا تھا۔

اس زمانے میں (اسلام میں) مرنا جینا کیسا تھا۔ (آج کل سے موازنہ کیجئے) کیا اس وقت مرنے اور حوادث پر حکومت وقت کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ کیا اس وقت مرنے اور پیدا ہونے پر ٹیکس لگتا تھا۔ مردہ کو نہلانے کے لئے حکومت سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ کیا قبروں پر ٹیکس ہوتا تھا۔ کیا اس زمانے میں مرنے والوں کا پوسٹ مارٹم ہوتا تھا۔ گھر والوں پر ایک شخص کے مرنے کے غم کے ساتھ ان کے عزیز کا پیٹ چاک کر کے غم پر غم بڑھایا جاتا تھا (جیسا کہ آج کل ہوتا ہے) یا پیدا ہونے پر خوش آمدید کہا جاتا ہے اور مرنے کے اس کے عزیزوں کو اس کے بارے میں ویسی آزادی ہے جیسے کہ خود جیتے وقت تھی (یہی صورت حال آجکل ہے)

عدالتوں اور احکام کی اس زمانہ میں کیا صورت حال تھی؟ کیا اس وقت متعدد جج ہوتے تھے؟

کیا اس وقت فاسق گواہوں کا گروہ ہوتا تھا جو جھوٹی گواہی کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہوں۔ کیا وکیلوں کا مجمع موجود تھا جو ہمیشہ دفاع کے لئے تیار ہوں

کیا اس وقت بھی ایسے احکامات تھے۔ کیا تاریخ پر تاریخ بڑھائی جاتی تھی۔ مجرموں کی سزا کے لئے مغربی طریقہ کار تھا؟ کیا اس زمانے میں خود ساختہ قوانین ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ جیلوں کا سلسلہ اور انھیں طرح طرح کی سزائیں جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوں۔ رائج تھیں

خود سمجھئے۔ دیکھئے۔ کیا اس زمانے میں رشوت کا دور دورہ تھا یا اس زمانے میں ایک قاضی ہوتا تھا جو فیصلہ دیتا ۔ گواہ عادل ہوتے اور فیصلہ ایک ہی نشست میں ہو جاتا تھا۔ جس پر کسی قسم کے ٹیکس کا لین دین نہیں ہوتا تھا۔ کوئی مال صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور فیصلہ کتاب اور سُنت کے مطابق ہوتا تھا۔ وہاں اس طرح کی جیلوں کا رواج نہ تھا۔

قیمتوں کی صورت حال کیا تھی؟

کیا اشیائے صرف کی قیمتیں آگ کے شعلوں کی طرح بلند ہوتی رہتی تھیں یا اشیاء سستے داموں حدود مملکت میں مل جایا کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں لوگ بھروسہ اور اطمینان کو جانتے تھے یا نہیں؟

کیا لوگ ایک دوسرے سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کیا حکومتوں کے درمیان بھروسہ ختم ہو چکا تھا یا لوگ اطمینان کی زندگی گزارتے تھے اور حکومتوں میں اتفاق تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے تھے۔

اس زمانے میں شرافت اور فضیلت کی کیا حالت تھی؟

کیا اس دور میں اخلاقی انحطاط موجود تھا۔ ذرا غور سے اس زمانے کا جائزہ لیجئے۔ کیا آجکل کی طرح جُوئے خانے کُھلے تھے، بدکاری کے اڈے

عام تھے۔ کیا شراب کی دکانیں سرِعام کھلی تھیں۔ کیا ہر گھر، مدرسہ اور بازار لڑائی جھگڑے کا میدان بنا ہوا تھا۔ کیا اس دور میں ہر جگہ قتل، چوری، ڈکیتی، اغوا کا رواج تھا؟ یا شرافت اپنے تمام معنوں کے ساتھ حکومت کرتی تھی۔ اس دور میں اس طرح کی شراب خوری، جوئے بازی، بدکردار عورتیں موجود نہ تھیں

عام لوگوں کی کیا حالت تھی؟

کیا زمانۂ رسول اکرمؐ میں لوگ صرف مادہ پرست تھے؟ یا روحانی اقدار کا غلبہ تھا؟ روحانیت، ان لوگوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں مادہ کو روحانیت پر فوقیت نہ تھی جو روحانیت کو تباہ کر دیتی۔

آخر میں ہم سوال کرتے ہیں۔ زندگی کیسی تھی۔ زندگی جنت تھی یا جہنم۔ زندگی بدبختی تھی یا نیک بختی۔؟

تاریخ کی شہادت اور ہمارے اجداد کے کہنے کے مطابق اس زمانے میں لوگوں کی حالت، ہمارے سوال کی دوسری شق پر مبنی تھی۔

(کیا ایسا تھا یا ویسا تھا)

اور ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ نصف صدی سے انسانی زندگی ہمارے قائم کردہ سوال کی پہلی شق سے متعلق رہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حکومت اسلامی کے نفاذ کے بارے میں اگر کوئی گفتگو ہو تو وہ فوراً بول اٹھتے ہیں۔ کیا تم گھڑی کی سوئی کو الٹا گھمانا پسند کرتے ہو۔ کیا ہماری ترقی یافتہ زندگی کو رجعت پسندی کی طرف لے جاؤ گے۔

ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم ان لوگوں سے کچھ سوال کریں۔

لوگوں کو قید و بند سے آزاد کرنا۔ بنجر زمینوں کو آباد کرنا۔ زمین سے فقر، مرض اور جہل کو ختم کرنا۔ شرافت کا بول بالا کرنا۔ بھائی چارہ کو بحال کرنا، وغیرہ۔ کیا یہ

رجعت پسندی ہے کیا گھڑی کی سوئی کو برعکس گھمانا ہے۔؟
ایک نیک بخت زندگی ترقی ہے اور ایک بدبخت زندگی۔ رجعت پسندی اور عقب نشینی ہے۔
پہلی شق، سوائے نظام اسلام کے کہیں میسر نہیں ہے اور دوسری شق، ہماری زمین کے خود ساختہ نظام کے تحت ہے۔ تو اسلام اگرچہ اس کی بنیاد ۱۴۱ سو سال پہلے پڑی۔ ترقی پسندی ہے اور اس کے علاوہ نظام اگرچہ اس کا تعلق بیسویں صدی سے ہو ارجعت پسند ہے۔
ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ان لوگوں سے کچھ سوال کریں۔
یہ ڈیموکریسی کے دونوں حصے جو اس وقت زمین پر حکمرانی کر رہے ہیں کیا مغربی ذہنوں کی پیدا وار ہے۔ یا بیسویں صدی یا اس سے پہلے اسے یونان نے پیش کیا تھا۔ تو کیونکر اسلام، جس کی عمر کم ہے وہ رجعت پسند ٹھہرا اور ڈیموکریسی جس کی عمر طویل ہے ترقی پسند قرار پائی۔ یہ سب کچھ اجنبی افراد کا پروپیگنڈہ ہے جس کی کچھ مسلمان لوگوں نے طوطے کی طرح رٹ لگائی ہے۔
ایک پروپیگنڈہ یہ بھی ہے۔
اسلام جدید ٹکنالوجی (صناعت حدیث) کے موافق نہیں ہے۔ اسلام جدید زندگی سے دور ہے۔ موجودہ تمدّن ختم کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کیا آپ بجلیوں اور روشنیوں کے دور کو چھوڑ کر عمر خیام اور جمال کے دور کو واپس لانا چاہتے ہیں۔
کیا ہم ان کہنے والوں کا محاسبہ کر سکتے ہیں۔؟
کیا سرحدوں کا ختم کرنا، الیکٹریشن کی ایجاد کے منافی ہے۔ صحیح انصاف کو بحال کرنے سے۔ سیاروں کی ایجاد سے کیا تعلق ہے۔ ہماری عدالتوں میں سے

اسلامی نظام کے رواج کو ایٹم سے کیا تعلق ہے۔ پاسپورٹ ختم کرنے کا ہوائی جہاز سے کیا مسابقت؟

مغربی تمدن کی ایک خوبی ہے وہ جدید ٹکنالوجی۔ اور ایک برائی ہے وہ روحانی پستی۔ کچھ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ترقی کے لئے ان آلات جدید کی ایجاد ضروری ہے۔ اس گمان نے انسان کو اسلام سے دور کر دیا۔ وہ یہ سوچتا ہے کیا جدید تمدّن اور اسلام یک جا ہو سکتے ہیں؟ لیکن یہ گمان فقط اجنبیوں کا خود ساختہ ہے تاکہ ان کو اسلامی حکومتوں میں ان کے اعمال کا جواز مل جائے۔ ورنہ آپ خود سوچئے، انسان کا ریل میں سفر کرنا سچائی اور امانتداری کی صفات سے کیا منافات ہے۔ بجلی سے روشنی حاصل کرنے کا قاتل سے قصاص لینے کا کیا ربط ہے؟

ریڈیو یا دیگر وسائل ابلاغ سے خبریں سننا اور اچھی باتوں کی نشریات سے کیا تصادم ہے۔ ایٹم کی ایجاد کا سرحدوں اور کسٹم کے نظام کو ختم کرنے سے کیا تعلق ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہاں ایک مصنوعی خوف اسلامی نظام سے پایا جاتا ہے۔

سنّی، اسلامی نظام سے اس لئے ڈرتا ہے کہ اگر شیعہ برسر اقتدار آ گئے تو ہمارا کیا ہوگا؟

اور شیعہ اسلامی نظام کے نفاذ سے اس لئے ڈرتا ہے کہ اگر یہ نافذ ہو گیا تو صلاح الدین ایوبی کا دور لوٹ آئے گا جس نے شیعوں کی اکثریت کو تہہ تیغ کیا۔ یا یزید اور ہارون رشید کا دور واپس آئے گا جس میں امام حسینؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کو شہید کر دیا گیا۔

یہ خوف کا غبارہ مسلم افراد میں موجود ہے۔ وہاں ان کے قریب رہنے والے اقلیت غیر مسلم گروہ، یہودی اور مسیحی اس خوف کے غبارے میں مزید ہوا بھرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کیسے اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہے؟ اس سے تو آزادی سلب ہو جائے گی۔ عزت ختم ہو جائے گی۔

اسلام کیا چاہتا ہے........؟

لیکن ہم اس خوف کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا واقعی خوف صحیح ہے۔ ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ یہ مغربی ملکوں کا پروپیگنڈہ ہے، یہ دیکھنا چاہیں گے۔ یزید اور ہارون رشید کا زمانہ، سو اس کے پلٹ آنے کا کوئی امکان نہیں اس لئے کہ امام ظاہر موجود نہیں جس سے مقابلہ کریں۔ دور صلاح الدین پلٹ آنے کا خوف۔ یہ عقلاً ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ دور واپس آئے۔ اس لئے ایسے لوگ ہیں جو خود کو اہل سنت کہتے ہیں مگر بدترین تعصب کا شکار ہیں۔ اسلئے ایسے دور سے خوف سو فیصد درست ہے۔

ان باتوں کو تسلیم کرنے کے بعد ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

صحیح ہے شیعہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر اہل سنت کا غلبہ ہوا تو اکثریت کو قتل کر دیں گے اور سنی کے دل میں اسی طرح کا خوف ہے۔ جبکہ دونوں مسلمان ہیں مگر ایک دوسرے سے خائف۔ ان کے خوف نے اسلامی نظام کے نفاذ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ دونوں، ایک برٹش حکمراں سے کیوں نہیں ڈرتے جو بم گرا کر ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

کیوں دونوں، کمیونسٹوں کی یلغار سے نہیں ڈرتے جو بے دردی سے ہزاروں لوگوں کو ذبح کرتے ہیں۔ ان کی لاشوں کو گلی کوچوں میں کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہ دونوں کام عراق کی سرزمین پر دیکھے گئے جبکہ انگریز عراق میں داخل ہوئے ہیں اور جیسا کہ عبدالکریم قاسم کے زمانہ میں کمیونسٹوں کا رویہ تھا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ کچھ متعصب اہل سنت نے جب اقتدار حاصل کیا تو بے گناہ شیعوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے مگر کیا یہ خوف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم احکام اسلامی کے نفاذ کے عمل کو چھوڑ دیں اور اسلام سے گریز کر کے شرقی یا غربی نظام کو اپنا لیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سانپوں سے بچ کر شیر کی کچھار میں پناہ لے لی جائے۔

کیا ہم اس دور کو فراموش کر سکتے ہیں جبکہ حکومت عثمانیہ کا بعض کافر حکومتوں سے مقابلہ ہوا تو اس دور کے شیعہ حضرات نے اس زمانے کے مرجع وقت جناب سید اسماعیل صدر مرحوم کی سرپرستی میں صحن امام حسینؑ میں جمع ہو کر حکومت عثمانیہ کی حمایت کا اعلان کیا اور "حفظ کلمۂ اسلام کے لئے"۔ اور کفر کے بلاد اسلامیہ پر غلبہ کو روکنے کے لئے جہاد دفاعی کے وجوب کا اعلان کیا۔

دوسری بار کیا ہم اس دور کو بھول سکتے ہیں جبکہ اس وقت کے زعیم و مرجع شیعہ شیخ مرزا محمد تقی (امام شیرازی) نے اپنے مشہور انقلاب میں انگریزوں کے تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی۔ ان کا یہ دفاع اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مجتہدِ وقت، حاکمِ اسلامی کی حکومت کے حامی تھے۔ اس بات کا قطعاً کوئی خیال نہ تھا کہ وہ کس عقیدے کا ہے۔ صرف یہ دیکھنا تھا کہ مقابلہ کس سے ہے اور انگریز کی غیر اسلامی حکومت کے تسلط کو قبول نہ کرنا تھا۔

یہاں ایک مضحکہ خیز بات ہے جو کہی جاتی ہے۔

اگر اسلامی حکومت نافذ ہو جائے تو حکومت کا مذہب کیا ہوگا۔ حنفی ہوگا یا شافعی۔ مذاہب اربعہ سے یا جعفری، اگر جعفری فقہ رائج ہو جاتے تو بھی علمائے جعفری

کے مرجع وقت سے فتوی میں اختلاف ہے۔ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے کیسے حکومت قائم ہو سکتی ہے؟

یہی وہ خام خیالات ہیں جو استعماری ایجنٹ اسلامی ملکوں میں پرچار کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کو روکنے کا جو ہتھکنڈہ وہ استعمال کر رہے ہیں اس میں وہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس فکر کو بعض کاہل سستی پسند لوگوں نے پھیلایا ہے جو اسلامی نظام کے نفاذ کے عدم امکان کے سلسلہ میں ان باتوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم یہاں ٹھہر کر معترض سے کچھ سوال کرتے ہیں۔

آج کل اسلامی حکومتوں میں کون سا مذہب رائج ہے؟

جواب یہ ہے کہ: بعض ملکوں میں حنفی، بعض جگہ جعفری اور بعض جگہ زیدی۔ آج کے اس دور میں ان حکومتوں میں یہ مذاہب برقرار رکھ سکتے ہیں تو پھر اسلامی حکومت کے پوری طور پر غالب ہونے کی صورت میں یہ مذاہب کیوں برقرار نہیں رہ سکتے۔

صرف فرق یہ ہے کہ آج کل مذہب کا نفاذ صرف نکاح، طلاق... وغیرہ تک منحصر ہے اور مکمل اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں آنے کی صورت میں اسلام حکومت کے ہر شعبہ میں عیاں نظر آئے گا۔

اور جب ایسا ہو جائے تو فقہ جعفری والوں کا قول یہ ہے کہ اہل سنت کے بارے میں قانون کا وہی لحاظ رکھو جو ان کا عقیدہ ہے یہی قول بعینہ چہار مذاہب کا جعفری کی نسبت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب اپنے عمل میں اپنے فقہ کے مطابق زندگی گزارنے کے سلسلے میں آزاد ہے۔

کون سا ایسا مذہب ہے جو برسر اقتدار آکر ہر فرقہ کو موجودہ حکومت کی رائے سے متفق نہ ہونے کی صورت اسے آزادی مطلق دے۔ عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی بات طے ہو تو اکثریت کی آراء کا خیال کرنا چاہیئے۔

اب رہ گیا علماء شیعہ کے متعلق۔

آج کل باوجود مراجع کے کثرت کے آج بھی مقلدین عمل کرتے ہیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کی صورت میں بھی یہی حال رہ سکتا ہے، اور حاکم وہی ہوگا جو معتبر شرائط کے ساتھ امتِ مسلمہ کی اکثریت انتخاب کرے۔

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حکومت عثمانی اور قاچاری کے زوال سے قبل اہلِ سنت، شیعہ نظام کے تحت اور شیعہ سنی حاکم کے زیر اثر کیسے اسلامی احکام پر عمل کرتے تھے جب علماء ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ یہی صورت اب بھی ہو سکتی ہے۔ اسلامی نظام نافذ ہو، ہر شخص اپنے عقیدے پر عمل کرے۔

ہم ان کی اسی بات کو ان پر ہی رد کرتے ہیں۔

مغربی ملکوں میں موجودہ سیاسی پارٹیاں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی ہیں، کاجب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ اسلامی مذاہب کے اختلاف سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ ایک پارٹی کے لیڈر حضرات کرسی کے حصول کے لئے، ایک مذہب کے علماء کے اختلاف سے زیادہ ان کے جھگڑے نمایاں ہیں اور وہ ان اختلافات کے باوجود آپ وہاں حکمرانی کی اجازت دیتے ہیں اور یہاں اختلاف قلیل کے ساتھ حکمرانی کو محال قرار دیتے ہیں۔ یہ کیسے انصاف کی بات ہے۔

ہاں۔ یہاں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں۔

اہل سنت حضرات شیعہ حکمران کے زیر نگرانی کیسے جینا گوارا کریں گے۔

جب حکومت مکمل طور پر شیعہ حضرات کے ہاتھ آجائے اور شیعہ حضرات کیسے راضی ہوں گے کہ ان پر کوئی سنیّ حاکم بن جائے۔ جب کہ حکومت اہلِ سنت کیلئے قائم ہو۔ اس لئے اسلامی حکومت کے سلسلہ میں اتحاد مشکل ہے۔

جواب:۔ شخصی عقلمند اور دانا گزشتہ جوابات سے بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اسلامی وحدت قائم ہو سکتی ہے ہم یہ نہیں کہتے ایک شخص کے ہاتھ میں حکومت ہو۔ تاریخ گواہ ہے ماضی میں مختلف اسلامی حکومتیں چاہے سنیّ ہو یا شیعہ یا اور کوئی۔ یہ سب ایک پرچم یعنی پرچمِ توحید کے تلے جمع ہو گئے تھے۔ اسلام اور اس کے حریم سے دفاع کے لئے سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے جیسے آج کل ایشیا اور افریقہ کے ممالک میں۔ آپس کے اختلافات کے باوجود سب مکمل طور پر نو آبادیاتی نظام کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

کیا آپ نے تاریخ میں یہ مشاہدہ نہیں کیا کہ شیعہ حضرات صفوی حکومت کے پرچم تلے اور سنیّ حضرات ترکوں کے جھنڈے تلے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے معاون اور مددگار تھے۔ ایک دوسرے کے دادرس تھے۔ ظاہر اسلام کی تطبیق کے لئے سربکف میدان میں آچکے تھے۔ انہوں نے اپنی ثقافت، اقتصادی نظام، عسکری۔ جنگ اور امن کے سلسلے میں اسلام ہی کو اپنا موردِ نظر قرار دیا تھا۔

ان تاریخی نمونوں میں ایک بادشاہ عبدالمجید اور ناصرالدین شاہ کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا۔ ناصرالدین شاہ نے ایک اجنبی کمپنی کو ایرانی تمباکو کا ٹھیکہ دیدیا۔

اس مسئلہ پر پورے ملک میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ یہ بے مقصد

عمل اسلامی اصولوں کے سراسر خلاف تھا۔ اسلام نے اپنی ہدایات واضح طور پر بتائی ہیں۔

الناس مسلطون علی انفسھم و اموالھم

لوگوں کو اپنے نفس اور مال پر اختیار کلی حاصل ہے۔

اس سازش کے خلاف سرکار مجتہد کبیر حاجی مرزا محمد حسن شیرازی نے جو اس زمانے میں سامرا میں مقیم تھے۔ تمباکو کے استعمال کو حرام قرار دیا تاکہ اس کے سبب استعماری ریشہ دوانی کو ختم کردیں۔ جیسے ہی یہ فتویٰ صادر ہوا عوام نے تمباکو کے استعمال سے اجتناب کیا۔ تمباکو کی خرید و فروخت اور پینے سے گریز کیا۔ جس کی بنا پر کمپنی کو سخت مشکلات درپیش ہوئے یہاں تک کہ اس معاملہ کو ختم کرنا پڑا۔ اس طرح ایک بدترین صورتِ حال سے نکل گئے۔

اور جب ملک میں یہ ہنگامہ برپا تھا۔ برٹش حکومت پریشان ہو گئی۔ اُسے قطعاً امید نہ تھی کہ لوگ اس طرح بائیکاٹ کریں گے تو وہ اس حقیقت کی کھوج لگانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ کس طرح عوام کو خوش کیا جا سکتا ہے اور اس جذبہ کا اصل منشا کیا ہے۔

ترکیہ میں مقیم برطانیہ کا سفیر ایک دن خلیفہ عبدالحمید کی خدمت میں گیا اور دریافت کیا۔ یہ محمد حسن شیرازی کون ہیں؟ یہ کتنے سامان اور فوج کے مالک ہیں اور یہ طاقت کہاں سے حاصل کرتے ہیں۔ آیا اسلامی ممالک میں آپ کے اور شاہ کے علاوہ بھی کوئی بادشاہ ہے۔ جس کا لوگ حکم مانتے ہیں۔

سلطان عبدالحمید نے جواب دیا:

اس شخص کی نہ کوئی فوج ہے اور نہ اسباب۔ اس کے صرف دو خادم

ہیں اور ان دونوں کے ذریعہ یہ سب کام کراتا ہے۔ سفیر حیرت زدہ ہو گیا

اور دریافت کیا:

وہ خادم کون ہیں:

سلطان نے جواب دیا:

ایک تو سلطان عبدالحمید اور دوسرا ناصر الدین شاہ۔ اس طرح انہوں نے سفیر کو بتایا کہ ہم سُنّی ہوں یا شیعہ تمام ممالک اسلامی بھی، اور ان کے بادشاہ بھی اس شیعہ عالم کے فرمانبردار ہیں۔

ایک اور تاریخی مثال ہے جس میں اہل سنت نے شیعوں کا ساتھ دیا اور استعماری طاقت کو روکا۔

جب عراق میں انقلاب کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ انقلاب شیخ مرزا محمد تقی کی قیادت میں برپا کیا گیا تھا۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جب جدوجہد جاری کی تو تمام شیعوں نے اس جہاد میں حصّہ لیا۔ انگریزوں نے اس بات کا احساس کرتے ہی کہ وہ کامیاب نہیں ہو رہے ہیں اپنی پرانی سیاست کو بروئے کار لائے۔ پھوٹ ڈالو، حکومت کرو کے اصول کو آزمایا اور سُنّی شیعہ اختلاف کو ہوا دینے لگے۔ اور سنیّوں کو شیعوں اور اُن کے مراجع کے خلاف اکسایا۔ اس زمانہ کے سُنّی انگریزوں سے زیادہ باہوش عقلمند اور سمجھدار تھے۔ وہ ان کی باتوں میں نہیں آئے۔ ان کے فریب سے دور رہے بلکہ انگریزوں کے خلاف امام شیرازی اور اپنے بھائی شیعوں کے ساتھ کمربستہ کھڑے ہو گئے تاکہ اس اجنبی طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔ جب بغداد کے ایک سنّی عالم سے اس زمانہ میں کہا گیا جناب یہ شیعہ انقلاب ہے۔ اس انقلاب سے سوائے شیعوں کو غلبہ ملنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ آپ حضرات ان کے تعاون

سے گریز کریں کہیں ایسا نہ ہو آپ کے خلاف کارروائی ہو جائے۔

سنی عالم نے جواب دیا۔

بے شک جناب امام مرزا شیرازی کی مثال عراق میں جسم انسانی میں دل کی مانند ہے۔ اگر دل میں جنبش ہے تو باقی اعضاء میں حرکت ہو گی اور اگر دل بے حرکت ہو جائے تو باقی اعضاء ساکن ہو جائیں گے۔

اس طرح دونوں فرقے اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے استعماری طاقت کو اپنے ملک سے اتحاد کی قوت سے باہر نکالا۔ یہ کامیابی ایک بار ایران اور دوسری بار عراق میں حاصل ہوئی۔

دوسری طرف۔ جناب سید صدر اور شیخ خالصی کبیر باوجود شیعہ ہونے کے اہل سنت کی صف میں کھڑے ہوئے اور اسی طرح اسلامی ملک کا دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چاہے وہ بلقان میں ہوں یا کہیں اور۔

یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب اٹلی کی کافر حکومت نے حکومتِ عثمانیہ کے حدود پر جارحیت کا ارتکاب کیا جیسا اشارہ پہلے گزر چکا ہے لیکن علمائے اسلام مصلح کی حیثیت سے حکومت عثمانیہ اور قاچاریہ کے درمیان سرگرم عمل نظر آتے ہیں اور کچھ خلاف توقع بات ہو جاتی ہے تو یہ حضرات اُٹھ کر ان برائیوں کو ختم کرتے ہیں اور دونوں حکومتوں کو اسلامی برادری کا احساس دلاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوں تاکہ دونوں باقی رہ سکیں اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ جارحیت کے خواہش مند افراد کامیاب نہ ہو سکیں۔ جیسا کہ یہ کام ایک مجتہد کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور دونوں حکومتوں کے درمیان موجودہ رنجش ختم ہو گئی۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ تفصیل کے لئے الجواہر طبع ششم کے مقدمہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تو

اُس وقت اُس عالم دین کو "مصلح دولتین" کا خطاب ملا۔

خلاصہ کلام یہ ہے، اگر ایک فرقہ دوسرے فرقے کے جھنڈے تلے نہیں آنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ تعاون اور اتحاد کے جذبہ کو بھی فراموش کردیں اور اسلامی برادری کے رشتہ کو بھول جائیں۔ کیا حرج ہے اگر ان دو فرقوں کا علم بلند ہو جائے۔ ہر ایک اپنے مسلک کے مطابق قرآن اور سنت پر عمل کرے۔ اس کے باوجود اسلامی اتحاد ملک کے اندر اور باہر قائم ہوسکتا ہے اگر کوئی یہ کہے یہ کیسے ممکن ہے تو ہم پوچھ سکتے ہیں، دو ڈیموکریسی حکومتیں ہوں اور دونوں آپس میں جدا ہوتے ہوئے بھی اصل ڈیموکریسی میں ان کا اتحاد ہوسکتا ہے تو اسیطرح یہاں بھی یہ ممکن ہے۔ دو مستقل اسلامی حکومتیں ہوں اور دونوں جو ہوتے ہوئے بھی قدر مشترک جو ان کے درمیان ہے وہ اسلام ہے اور اس پر اتحاد ہوسکتا ہے حکومتیں بھی قائم رہ سکتی ہیں اور اسلامی اتحاد بھی باقی رہ سکتا ہے۔

ہم اس مسئلہ میں جواب دیتے ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کے مخالف لوگوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ "اب تک کوئی اسلامی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور ان کے بعد کے مسلمانوں میں حکومت قائم ہی نہیں ہوئی۔ اگر کچھ حکومت تھی بھی تو وہ اس لئے نہ تھی کہ حکومت اسلام کا جزو ہے بلکہ اس لئے کہ اس وقت کوئی حکمرانی نہیں تھی تو اس طرح انھوں نے دیگر کام انسان انجام دیتا ہے، اسی طرح سے (انہوں نے) دیا ہے۔ جیسے انسان کے گھر میں نوکر نہ ہو تو وہ بازار سے سودا سلف لینے جاتا ہے اسی طرح یہ حکومت بھی تھی۔" پھر مخالفین اسلام اور بھی کچھ تحریر کرتے ہیں۔ منجملہ یہ کہتے ہیں۔ دینی حکومت تعصب کو جنم دیتی ہے۔ اسلامی حکومت کی طرف دعوت تعصب کو دعوت دینا ہے اور لوگوں کے درمیان نفرت پھیلانے والی بات ہے۔ تو حکومت ان سامراجی پٹھوؤں کے نزدیک اور چیز ہے اور اسلام اور۔

ان کے علاوہ کچھ خشک مقدس حضرات بھی ہیں، اسلام کو یہ مناسب نہیں ہے کہ سیاست کی گندگی کی طرف جائے۔ ان کے نزدیک اسلامی حکومت قائم کرنا اس کی شان گرانے کے برابر ہے۔

ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں:

اسلام کو حکومت سے ربط نہ ہونے کے بارے میں آپ کی کیا دلیل ہے؟

آپ حکم اور حکومت سے کیا مطلب لیتے ہیں؟

جب اس مطلب کو بتلائیں گے تو نتیجہ سامنے آسکتا ہے۔

ملک کے نظم و نسق کو دستور کے مطابق چلانا حکومت کہلاتی ہے۔ کیا اس کے سوا کوئی اور حکومت کے معنی ہیں؟ تو بتلائیے اسلام میں کون سادہ قانون ہے، کون سادہ دستور ہے جو مرتب نہ ہو۔ یا اسے عنقریب بننا پڑے۔ اسلام میں ہر شعبۂ حیات کے لئے دستور موجود ہے۔ ہم اسلام کے پیش کردہ حکومت کے منصب کے بارے میں جو امور ہیں، ان کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

حکمران اور قاضی :۔ اسلام نے اس کے لئے ایک خاص دستور مرتب کیا ہے۔

اقتصاد :۔ اسلام میں مال جمع کرنے کے بارے میں ایک طریقہ کار وضع کیا ہے۔

زمین :۔ زمین کے بارے میں اسلام کا خاص قانون ہے۔

کھیتی باڑی تعمیرات :۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے اسلام نے خاص دستور وضع فرمایا ہے۔

حدود ، دیات اور تعزیرات اس کے بارے میں اسلام نے خاص حکم دیا ہے۔

دیگر حکومتوں سے تعلق :۔ اس کے بارے میں اسلام نے خاص حکم دیا ہے۔

کتاب اور سنت نبویؐ میں ان کے بارے میں تفصیلی احکامات موجود ہیں

سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ کہنا ہے کہ نبیؐ نے جو حکومت کو ہاتھ میں لیا اس لئے کہ خالی جگہ کو پُر کریں یعنی کوئی نہ تھا تو اس لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا۔ پھر ہم ان صاحب سے دریافت کرتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو اسلام کا کیا فائدہ ہے۔ اسلام کا مطلب کیا ہے۔ شاید یہ شخص جواب میں کہے، اسلام فقط نماز، مسجد، چلہ کشی، نیکی، سچائی اور امانت کا نام ہے۔

حقیقت میں یہ بات مشرقی اور مغربی سامراج کے ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے۔ وہ لوگوں کے ذہن کو یہ سمجھاتے ہیں۔ اسلام فقط چند عبادتوں کا نام ہے تاکہ وہ خوب جی بھر کر حکومت کریں

اب ہم سوال کے دوسرے حصّے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کیا حکومت دینی کے قیام کا مطلب تعصب کو فروغ دینا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

کیا اس بات کی دلیل میں کوئی ثبوت ہے۔

یقیناً جواب میں کہیں گے۔ جی ہاں۔ کچھ لوگوں نے دین کے نام پر تعصب برتا۔

اس قول کی بنا پر معترض صاحب کو پورا دین چھوڑ دینا چاہیئے اس لئے کہ دیندار متعصب ہوئے۔ تعصب اچھی چیز نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے مکمل طور پر دین سے دستبردار ہو جائیں۔

ایک جواب اور ہم یہ دیتے ہیں، جناب یہی بات میدان سیاست میں

کیوں نہیں کہتے۔ ڈیموکریسی کی فطرت میں تعصب ہے اور ہٹلر، ماؤ، اسٹالین، مسولینی کی مثال سامنے ہے کہ ان افراد نے ڈیموکریسی کے نام پر تعصب برتا۔

آئیے، ہم دونوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پہلے اسلام کا جائزہ لیتے اور اسلام میں تعصب کی مقدار کو معلوم کرتے ہیں۔ پھر ہم جن مسلم حکمرانوں نے تعصب برتا، ان کو ترازو کے ایک پلہ میں اور دوسرے حکمران جس کو بھی معترض فرض کریں ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھ کر تولتے ہیں اور دیکھتے جو تعصب گزشتہ لوگوں نے زیادہ برتا ہے یا موجودہ زمانہ کے لوگوں نے تعصب کو اختیار کیا ہے۔ جب ہم موازنہ کریں گے تو یقیناً ہم پر واضح ہو جائے گا جتنے جرائم کا ہمارے دور کے حکمراں نے ارتکاب کیا۔ ایسا پہلے کبھی نظر نہیں آتا ہے۔

اگر معترض صاحب ماضی میں جتنے لوگ قتل ہوئے ہیں، ۱۳ صدی میں مارے گئے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ مقدار ایک ملک کے آجکل کے ایک ظالم کے برابر نہ ہوگی بلکہ اس ترقی یافتہ دور کا حکمران ان سے زیادہ سفاک اور ظلم کرنے والا ملے گا۔

ایک شخص (ڈیگال) کو لیجئے۔ جس نے صرف الجزائر میں سات سال کی مدت میں حریت پسندوں سے بیس لاکھ آدمی قتل کئے۔ جیسا کہ "عشت مع ثوار الجزائر" میں تحریر ہے۔

معترض صاحب کے قول کے مطابق، ماضی کے متعصب لوگوں نے جو جرائم کا ارتکاب کیا وہ سب ملا کر سٹالین کے ایک وقت کے مظالم کے برابر ہوگا؟

ستالین نے قفقاز میں ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو جیسا کہ مجلہ "ملی ترکستان" نے لکھا، تہہ تیغ کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسلامی حکومتوں میں عفو و درگزر

کرنا اور انصاف کرنا شیوہ رہا ہے۔

عام لوگ جو چیز اسلام کے زیر سایہ رہ کر پاتے ہیں۔ مانند برادری، رحم، وفا، خوش بختی، امن اور عدالت۔ یہ امور کسی بھی ڈیموکریسی نظام یا ارستقراطی یا بیوروکریسی، چاہے وہ مشرقی ہو یا مغربی پایا نہیں جاتا۔

اس بات پر تاریخ گواہ ہے۔

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ مسلمان حکمرانوں میں کچھ بڑے سفاک اور ظالم گزرے ہیں۔ انہوں نے لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ان چند افراد کے اعمال زشت کی سزا اسلام کو دیں اور یہ کہیں کہ جب ایسے افراد اسلام میں موجود تھے تو اسلام قابل عمل نہیں ہے۔ ان لوگوں کا اسلام سے کیا تعلق۔

اب رہ گیا معترض کا یہ کہنا کہ اسلام کو سیاست سے کیا تعلق؟

اس شخص کی مثال ہے جو نبی کو قتل کرے اور کہتا جائے کہ مجھے رسولؐ کی اہانت اور ان کو برا کہنا پسند نہیں ہے۔ کیا اسلام مسلمان حکمران کے عملِ بد میں شامل ہو جاتا ہے یا خود حاکم گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

کیا یہ درست ہے کہ شخصِ مجرم کو نماز نہیں پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ اس کا نماز پر اس کے جرم کا اثر نہ پڑے۔

اسلام، انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق ہدایات دیتا ہے۔ اس کو نیکی بدی کی خبر دیتا ہے اگر وہ قبول کرے تو اس کا فائدہ اگر رد کرے تو اس نے خود اپنا نقصان کیا ہے۔

کسی حکومت کا حاکم ظالم ہو تو اس کا اثر اسلام پر نہیں پڑتا۔ اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا اور اگر عادل ہو اور انصاف کرنے والا ہو تو اسلام

کی شان اس حاکم سے نہیں بڑھتی۔ اسلام تو خود اپنے مقام پر ایک بلند اور عظیم لائحہ عمل ہے کسی شخص یا کسی آدمی کے وجود سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اسلام تو ایک نور ہے اس کے لئے جو اس کی ضیاء سے روشنی حاصل کرے اور اگر کوئی شخص اپنے اور اس نور کے درمیان پردہ ڈال دے تو خود تاریکی میں رہے گا نور کے وجود پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ نور اپنے مقام پر نور ہی رہے گا۔

جو لوگ اسلام کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں، اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جو روشن چراغ کو خاموش کرے تاکہ کوئی راستہ دیکھ نہ پائے اور اس نور سے فائدہ اٹھانے والوں کا راستہ روکنے کی کوشش ہے۔ یہ یقیناً ایک بے سود عمل ہے۔ اسلام عام چراغوں سے جدا ہے اس کی روشنی بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھا کر رہے گی۔

اسلامی حکومت کے نفاذ کے سلسلہ میں جو شبہات لوگ بیان کرتے ہیں، ہم نے اُن کا تذکرہ کیا۔ یہ حقیقت میں ایک درپردہ کوشش ہے کہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور زمین پر اسلامی حکومت برپا نہ ہو سکے۔ یہ حقیقت میں ان کا گمان ہے اور حقیقتِ حال سے ناواقفیت اور تعصب کی دلیل ہے۔

یہ سب کچھ اجنبی لوگوں کی سازش ہے اس لئے کہ نصف صدی پہلے ان باتوں پر شبہات کا اصلاً کوئی وجود اور اثر نہیں تھا۔ جبکہ ظاہراً حکومت اسلامی کا وجود تھا۔ یہ پروپیگنڈہ اس صدی کی ایجاد ہے۔ حقیقت میں یہ سامراجیوں کی ثقافت اسلامی کے خلاف ایک جنگ ہے۔ ان کے اپنے کرائے کے مزدور جو خود کم علمی کا شکار ہیں اس پروپیگنڈہ کو بلاد اسلامی میں پھیلاتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے کوئی انکار نہیں ہے کہ ان لوگوں میں کچھ لوگ

نیک نیت، پاک باطن، ظاہر الصلاح لوگ ہوں گے لیکن حقیقت میں اجتہاد میں جہاں کچھ باتیں درست ہوتی ہیں وہاں کبھی کوئی برائی اور خطا بھی ہو جاتی ہے اور انسان کو جزا اس کی نیت کے مطابق ملے گی۔

ہاں، یہ لوگ ایک اعتراض کر سکتے ہیں۔

کیا بعض فقہاء شیعہ اس بات کے قائل ہیں۔ حدود اور تعزیرات اور اس کی مانند احکامات مخصوص امام زمانہؑ کے لئے ہیں۔ اس قول کے مطابق پھر کیسے اسلامی احکام نافذ ہو سکتے ہیں۔ حدود کے بغیر احکام ناقص ہیں اور حدود کے نفاذ کے لئے اجازت نہیں ہے تو اب کیا ہوگا۔ کیسے اسلامی نفاذ ممکن ہے۔ اسلامی نظام تو بس صرف امام زمانہؑ کے ظہور کے وقت ہوگا۔

جواب:۔

اوّل تو اکثر علماء شیعہ کی یہ رائے نہیں ہے۔ بعض فقہاء شیعہ کی رائے حجت نہیں ہے اور ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں یہی علمائے کرام جس وقت برسر اقتدار آتے ہیں یا انہیں فیصلہ کرنے کا حق مل جاتا ہے تو یہ حضرات حدود کو جاری کرتے اور اسلامی نظام کی زندگی پر تطبیق کرتے ہیں۔

دیکھئے، ان کی کتابیں انہیں معاملات سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلسلہ ہر وقت رہا ہے۔ اب بھی اس زمانہ میں بھی بعض علماء اسی نہج پر چل رہے ہیں۔

دوم:۔ فرض کر لیتے ہیں کہ آپ امام زمانہؑ کے بغیر حدود کے اجراء کو جائز سمجھتے ہیں۔

مگر ہم سوال کرتے ہیں۔ ایک ایسا حکمراں جو برائیوں سے روکتا ہو اور لوگوں میں عدل و انصاف کرتا ہو اور اسلامی ملکوں میں غیر اسلامی نظام کو آنے نہ دیتا ہو یقیناً آپ ایسے حکمراں کو دوسرے پر ترجیح دیں گے اور

اس کے برخلاف کوئی حاکم ہو اس کو آپ پسند نہیں کریں گے۔ یہی شخص یقیناً آپ پہلے حکمراں کو ترجیح نہیں دیں گے اور دوسرے حکمراں سے نفرت سے پیش آئیں گے۔ یہی شخصِ مسلم کی فطرت ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام کے لئے آپ کی رائے کیا ہے؟

کون سا حاکم بہتر رہے گا۔ پہلا یا دوسرا۔

اس کے بعد رہ جاتا ہے مسئلہ حدود۔ تو اگر حاکم مجتہد ہو اور رائے کا مالک یا حاکم مجتہد کی طرف سے معین کردہ ہو اور جبکہ رائے یہ ہے کہ حدود کا اجراء کرنا مجتہد کا کام ہے۔ اس صورت میں حاکم میں اجتہاد ہونا ضروری ہے۔

اس تمام گفتگو کے بعد یہ مسئلہ ایمان اور علم کا ہے۔ اسلامی احکام ہونے سے پہلے اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ایمان اور علم کی ضرورت ہے۔

پھر ہم جنابِ معترض سے دریافت کرتے ہیں۔ اب خود فیصلہ کیجئے۔

اگر ملک میں حاکم کتاب اور سنت پر عمل کرنے والا ہو۔ یہ بہتر ہے یا حاکم جاہل ہو اور باہر سے لائے ہوئے خود ساختہ قوانین پر عمل کرتا ہو۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں:

اسلامی نظام کا نفاذ اس وقت ممکن ہے جب یہ موجودہ حکمران طبقہ ختم ہو جائے یا یہ لوگ اپنی کرسی چھوڑ دیں۔

اور یہ کام بغیر انقلاب برپا ہوئے، اور خون بہنے، عزت و ناموس کے لُٹ جانے، اور مال برباد ہونے کے بغیر حاصل نہ ہوگا اور اس چیز کے لئے خدا نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔

اس اعتراض کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ استعماری قوتوں کا پروپیگنڈہ ہے تاکہ مسلمان حکمرانوں کو اسلام کے خلاف کارروائی کرنے پر آمادہ کرے ورنہ اسلام کا سینہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس بیان کردہ خشک فکر سے بعض علماء بھی متاثر ہیں کہ موجودہ دور کے حکمرانوں اور اسلام کے درمیان ایک مہین سا پردہ حائل ہے۔ یہ پردہ ان کی اسلامی کم فہمی ہے۔ وہ ابھی تک اسلام جیسا نازل ہوا، واقف نہیں ہیں اور جس دن انہیں اسلام کے بارے میں صحیح علم ہو جائے وہ کبھی بھی اس کے نفاذ میں رکاوٹ نہ بنیں گے۔

یہ حکمران خود اسلام کے نفاذ میں کوشاں ہوں گے۔

اس صورت میں کیا ضرورت ہے کہ ان حکمرانوں کو الگ کر کے دوسروں کو کرسی پر لایا جائے۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ خود نبی اکرمؐ اور ان کے خلفاء نے جب اسلام میں داخل ہو گئے تو اکثر حکمرانوں کو اُن کے منصب پر برقرار رکھا اور انہوں نے بھی اسلام کے قوانین کے مطابق عمل کرنا شروع کیا۔

تو آپ سمجھ گئے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ضروری نہیں کہ موجودہ حکمرانوں کے خلاف انقلاب برپا کرے۔ اس کو کرسی سے اتاریں۔ اس سلسلے میں اسلام راضی نہیں ہے کہ ایک نکسیر برابر خون بہے جب حکمران خود اپنے میں تبدیلی پیدا کرے اور اسلام سے آشنا ہو کر اسلامی نظام چلائے تو اس حکمران کی معزولی ضروری نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر موجودہ اسلامی حکمراں حضرات اسلامی احکامات کو سمجھیں اور یہ جان لیں کہ اس نظام کے نفاذ میں ان کے اور ان عوام کے لئے کتنا خیر موجود ہے تو اس صورت میں وہ خود اسلام کے انصار یعنی محکم مددگار ہو جائیں گے۔ اور ہر ممکن نفاذ میں پیش پیش ہوں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عقلمند انسان اپنے عوام کے آرام اور بہتری، دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود سے کیسے دور بھاگے گا۔ اور جو اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے گا، اس حکمراں کو ان اصولوں کے تحت جو کتاب اور سنت نے مقرر کیا ہے معزول کیا جائے گا؟

کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہیں:

اسلام، حکومت کے بعض محکموں کو جائز نہیں سمجھتا۔

فرض کر لیجئے۔ اگر حاکم اسلامی انقلاب برپا کر دے تو یہ ناجائز محکموں میں کام کرنے والے ملازمین اور افسران کا کیا ہو گا۔ ان کو علیحدہ کرنے میں بہت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ انقلاب کی راہ ہموار کر دے اور خون بہنے کا سبب بن جائے۔

جواب:۔ اسلام بہت بلند ہے، اپنے لئے وہ کوئی فساد کا ذریعہ فراہم کرے یہ ایک خواب کی مانند ہے جس کی کوئی تعبیر نہ ہو اسلام ایسے موقع پر، ایسے کاریگر اور افسران کے لئے بیت المال سے ایک حصہ مقرر کرے گا۔ اس وقت تک ان کی کفالت کرتا رہے گا جب تک وہ جائز رزقِ حلال حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ یہی تو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ یہی تو فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے

بالکل اسی طرح اسلام نے زکوٰۃ کے ایک حصہ کو ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے جن کو یہ رقم دے کر اسلام کی جانب مائل کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ دین اسلام کی طرف متوجہ ہوں۔

اسلامی احکام کے نفاذ اور حکومت اسلامی کے قیام کی صورت میں ہر قسم کے ضرر سے محفوظ اور خون بہنے سے بچے ہوتے ہیں۔ اور اگر کبھی ضرورت پڑے تو کوئی حرج نہیں البتہ احکام اسلامی کے مطابق جہاد ہو۔

پیغام کی جانب

موجودہ دور میں ایک مہیب قوت کا راج زمین پر قائم ہے اور تاریخ اس بات سے عاجز ہے کہ اس کے مانند گزشتہ میں ایسا ہُوا ہو۔ ممکنات سے تو خالی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ماضی میں بھی رہا ہو مگر تاریخ خاموش ہے۔

آیا تاریخ میں آپ نے سنا ہو گا کہ ایک ایٹم بم تیار ہوا ہے جو پانچ ملین ٹن بھک سے اُڑ جانے والے مواد سے تیار کیا گیا ہے۔ یا ایسا ایٹم بم تیار ہو جس پر دو سو پچاس ملین ڈالر کا خرچہ آیا ہو اور جس کی ریزیز ۹۰۰ نو سو کیلو میٹر کی مسافت تک ہوا ور جو پانچ میل کے ایریا کو روشن کر دیتا ہے۔

ایسے سات بم پوری زمین پر بسنے والوں کی ہلاکت کے لئے کافی ہیں۔

ایسی مہیب طاقتوں کے درمیان اسلام اپنے وجود کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیا اسلام کے پاس کوئی طاقت ہے۔
نہیں کوئی نہیں۔

طاقت تو صرف اس کے دشمن اور اُس کے ہوا خواہوں کے پاس ہے۔ پہلے ہی دن جب اسلام نے اپنے وجود کو منوانا چاہا تو اُس پر ضرب کاری لگانے اور اس کی بنیادوں کو ہلا دینے کے لئے ان مہیب قوتوں کا دس ہزارواں حصّہ ہی کافی ہے۔ اس صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ اسلام اپنے وجود کو کیسے منوا سکتا ہے؟ اسلام کیسے اپنے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ کس طرح اسلامی ممالک پر دوبارہ اسلامی قیادت کو برسر اقتدار لایا جا سکتا ہے؟ کیا انقلاب کے ذریعہ؟ جبکہ مسلمانوں کے پاس وہ طاقت نہیں ہے جو ان کے دشمن اور ان کے ہوا خواہوں کے پاس ہے۔ آیا فطرت کے ماوراء کسی غیبی طاقت سے مدد لے کر یہ کام انجام دے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔ کہ صرف غیبی امداد ہو اور انسان کچھ نہ کرے۔ بلکہ قرآن کہتا ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ (۱)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا

ارشاد ہے:۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا:

کہہ دے میرے حبیب کہ یہ عمل کریں۔

نیز ارشاد ہے:۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ

(۱) محمد ۷/۴۷

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

جو بھی ایک ذرّہ برابر نیک کام کرے تو اُسے نیکی کا صلہ ملے گا اور جو ذرّہ برابر بھی برائی کرے اُسے بُرا نتیجہ ملیگا۔

ارشاد ہے:۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

انسان کے لئے نہیں ہے مگر اُس کی کوشش ان فرشتوں کی شان میں جو اصحاب نبیؐ کی مدد کے لئے آئے تھے۔ ارشاد ہوا:۔ (اللہ نے انکو تمہارے لئے خوشخبری قرار دیا اور تاکہ تمہارے دل کو اطمینان حاصل ہو) اگر صرف غیبی ہی پر رسولؐ اکتفا کرتے اور اُسی کو اوّل و آخر وسیلہ سمجھتے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو رسول کامیاب نہ ہوتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو رسولؐ کو اتنی طویل مدّت تک کافروں سے برسرِ پیکار رہنے کی ضرورت نہ تھی اور اس کے نتیجہ میں چند ہی لوگ اسلام میں داخل ہو پاتے۔

تو اب اسلامی نظام کے داعیوں کے لئے ضروری ہے کہ کہ تین چیزیں ان میں پائی جائیں:

وہ کیا چیزیں ہیں؟

حقیقت ۔ صبر ۔ اور عدم تشدد

اگر یہ تین چیزیں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کرنیوالوں میں پائی جائیں تو یقین سے کہا جاسکتا ہے اسلام صرف ایک جگہ نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامی میں نافذ ہوسکتا ہے بلکہ اسمی سے بڑھ کر تمام دنیا میں نافذ کر سکتے ہیں۔

ان تین طاقتوں کے مقابلہ میں کوئی بھی طاقت ٹھہر نہیں سکتی ہے

اور کسی حکمران کو ان تین طاقتوں کے علاوہ کتنی ہی قوت اور طاقت استعمال کرے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو ہم نے کہی ہو۔ اور نہ ہم نے یہ بات کسی اسلام سے دور شخص سے لی ہے۔ یہ تو در حقیقت سب سے پہلے اسلام کے رہنما، جن کے نقشِ قدم پر چلنا باعث سعادت ہے، نے ہمیں بتلائی ہے۔

وہ کون ہیں ؟

بے شک وہ رسولِ اعظم حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

یہ کیوں کر ؟

پائیدار صبر سے۔ حقیقت پسندی، امن کی طرف جھکاؤ سے۔

اسلام نے مختلف مقامات پر ان تینوں اُمور کے بارے میں شدّت سے تاکید کی ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح آپ قرآن سے ملاحظہ کریں گے جیسا کہ سنّت اور سیرت نبویؐ اس موضوع پر بھری پڑی ہے۔

حقیقت صبر اور امن پسندی۔ ان میں سے ہر ایک عظیم طاقت ہے، جس سے کائنات کی عظیم طاقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتی چہ جائیکہ یہ ایٹم بم جسے حکومتوں نے بنایا ہے۔

یہ تینوں چیزیں صرف کام کی کامیابی کے لئے ضروری نہیں ہیں بلکہ کام کی توسیع اور حفاظت اور لمبی مدّت کے لئے اس کی بقاء کی

ضامن ہیں۔ یہ تین چیزیں صرف نبیٔ اکرمؐ ہی کے دعوت فکر کے لئے وجود
میں نہیں آئیں بلکہ جب ہم پلٹ کر سابق انبیاء کی دعوت کو دیکھتے ہیں.
یہ تینوں اصول موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور ان سے قبل حضرت ابراہیمؑ اور
نوحؑ وغیرہ دیگر انبیاء کی دعوت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی تین
چیزیں ان بندگانِ خدا کے ہاتھ میں ہتھیار بن کر رہی ہیں جس سے
وہ دنیا کو چیلنج کرتے تھے. انھیں تین ہتھیاروں سے انہوں نے
اپنے پیغام کو ثبات اور وسعت دی.. یہی وہ واسطہ تھا جس کے
ذریعہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے اپنے پیغام
کو آج کی اور اس کے بعد کی دنیا تک پہنچایا۔ ہر وہ تحریک جس کے
یہ تین عناصر نہ ہوں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ہتھیار حاصل کرنا ہر ایک کے لئے ممکن
ہے. کیا ہر ایک ان ہتھیاروں سے لیس ہو سکتا ہے۔

نہیں ہزار دفعہ نہیں!

اس کے لئے ٹینک، جنگی طیارہ بناتے ایٹمی یا ہائیڈروجن
بموں کے گرانے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں سوائے مادہ کے.
لیکن اس ہتھیار (صبر۔ حقیقت، عدم تشدّد) کے لئے روح کی
ضرورت ہے۔

ان دونوں ہتھیاروں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا
اس ہتھیار کی سختی مادہ سے۔

کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ہر شخص مصیبتوں میں صبر کر سکتا ہے؟
کیا ہر شخص حق کے مقابلے میں اعصاب پر قابو رکھ سکتا ہے؟

یہ سب کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اس کام کے انجام دینے میں سامنے سے سربفلک پہاڑوں کو ہٹانا ہوگا۔ ایک بڑے مقصد کے لئے ایک بلند و بالا نفس کی ضرورت ہے۔ ایسا نفس جس کو زحمتوں میں ڈال کر تھکا دیتا ہے۔ اسلام کو اس کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام ایک پاکیزہ، بلند اور صاحب فضیلت دین ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جیسی دیوار بلند کرنی ہو ویسا ہی اسی جنس سے متعلق بنیاد ہونا ضروری ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ لوہے کی دیوار کی بنیاد ریت پر رکھ دیں۔

اسلام چاہتا ہے، انسانیت، عدالت اور فضیلت کی دیوار بلند ہو تو کیا ممکن ہے کہ اسلام تو دیوار بنانے لگے اور بنیاد سے غفلت برتے۔؟

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان تین ہتھیاروں کو فراموش نہیں کیا:

صبر۔ حقیقت اور عدم تشدّد

ہم ان اصولوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح ان اصولوں کا اسلامی نظام کے نفاذ سے تعلق ہے اور ان اصولوں پر چل کر اسلام دوسرے ملکوں میں کیسے پھیل سکتا ہے۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کے نام کا بول بالا ہو۔ دنیا میں خیر ہی خیر ہو۔ شر کا وجود ختم ہو جائے تاکہ انسان ایک سعادت مند زندگی گزار سکے۔

حقیقت

کیا ہر شخص اپنی تمام گفتگو میں حقیقت کو سامنے رکھتا ہے اور بات کرتے وقت کیا وہ بالکل جھوٹ نہیں بولتا؟

کیا ہر شخص تحریر کے وقت حقیقت کو اپنے سامنے رکھتا ہے اور ہر تحریر میں وہ الزام تراشی سے گریز کرتا ہے؟

کیا آپ نے کبھی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اپنی زندگی میں ہر حرکت وسکون، ملنے اور جدا ہونے، اپنی دکان، گھر، اپنی نظر اور اشارے میں حقیقت کو سامنے رکھتا ہے؟ اور اپنی ضمیر کی آواز کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ دکھاوا نہ کرتا ہو۔ دھوکہ نہ دیتا ہو، ملاوٹ نہ کرتا ہو، خیانت نہ کرتا ہو۔ افترا پردازی سے گریز کرتا ہو۔

زندگی کے ایک شعبہ میں بھی حقیقت بیانی نظر نہیں آتی تو پوری زندگی کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔

حقیقت پر عمل نہایت مشکل ہے۔ اس راہ پر چلنا نہایت دشوار۔ اگر کوشش کی جائے تو انسان کامیاب ہو سکتا ہے دنیا میں کون سی ایسی چیز ہے جو کوشش سے حاصل نہ ہو۔

جب انسان مسلسل حقیقت پر عمل پیرا رہے اور اپنی تمام بھاگ دوڑ

نام سے ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی ضمیر کو اپنے کام سے خوش بختی اور سکون ملے گا اور ساتھ ہی شہرت نصیب ہوگی۔ حقیقت پر عمل بہت مشکل ہے مگر انجام کار نہایت عمدہ اور فرات کے پانی سے بھی میٹھا نتیجہ ہے اور یہ بات مسلّم ہے اگرچہ باطل کچھ دن رہ جائے لیکن بقاء اور قیادت حقیقت ہی کو حاصل رہے گی۔ باطل اگر کچھ دن رہتا بھی ہے تو حقیقت کے نام سے اور اس کے زیر سایہ۔

کیا آپ نے دیکھا، جھوٹا شخص بھی اپنے آپ کو سچا کہتا ہے اور وہ اپنے کو سچّا کہلوانا پسند کرتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک خائن شخص بھی یہ جانتا ہے کہ اُسے امین کہا جائے اور لوگ اُسے امانتدار سمجھیں۔ منافق بھی اپنے کو مومن کہلواتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اُسے مومن سمجھیں ریاکار، معاشرہ میں جو کام کرتا ہے اس کا مقصد سوائے دکھاوے کے اور کچھ نہیں مگر وہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اسے مخلص سمجھیں۔ یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حقیقت پھر حقیقت ہے اور تمام چیزیں اسی کی ہی حکومت میں اور باطل بھی حقیقت کا روپ دھار کر ہی زندہ رہتا ہے جیسے ہی اس کا یہ لباس اترتا ہے ویسے ہی پھینک دیا جاتا ہے جیسے کھجور کھا کر گٹھلیاں پھینک دی جاتی ہیں۔

حقیقت کی خوش نصیبی اور باطل کی برائی کی حد یہ ہے کہ جو حقیقت سے عاری ہو وہ بھی اس نسبت کو پسند کرتا ہے اور باطل شعار لوگ خود باطل سے نفرت کرتے ہیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ باطل کیوں زندہ رہتا ہے؟

اس لئے کہ حقیقت جہاد اور مشکلات کی محتاج ہے اور ہر شخص

حقیقت کے حوالے کر دے تو اس میں ایک طاقت پیدا ہوگی جسے عربی میں ملکہ کہتے ہیں۔ یہی وہ طاقت ہے جس سے متصف ہونے کے بعد انسان کے لئے حقیقت پر عمل کرنا دشوار نہیں ہوگا۔ جس نے کوشش ہی نہ کی ہو اس کے لئے تو بہت مشکل ہے۔ جتنا انسان مشکلات سے الجھے گا اتنا ہی حقیقت پر عمل آسان ہو جائے گا اور ایک عظیم نتیجہ حاصل کر پائے گا۔

جب انسان اپنی تمام گفتگو میں سچائی کو پیش نظر رکھے یعنی طے کرے کہ وہ سچ ہی بولے گا تو یقیناً شروع شروع میں اسے مشکلات پیش آئیں گی۔ مگر آخر میں اس کی شہرت ایک سچے آدمی کی حیثیت سے ہوگی۔ لوگ اس پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ عزت بھی کریں گے۔

بالکل ایسا ہی ہے۔ جب انسان اپنے ہر عمل میں اخلاق کو سامنے رکھے یقیناً اسے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا لیکن کچھ دن کے بعد اس کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ لوگ ٹوٹ کر اس کے پاس آئیں گے۔ تعریف کریں گے اور اس پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ایک عظیم شخصیت قرار دیں گے۔

اسی طرح امانت ایک وزنی بوجھ ہے جس کو اٹھانے سے پہاڑوں اور آسمانوں اور زمین نے انکار کیا تو پھر یہ کمزور انسان اسے کیسے اٹھا سکتا ہے؟

انسان اگر کوشش کرے۔ مشکلات سے مقابلہ کرے اور اس وزنی بوجھ کو اٹھالے۔ کچھ دن گزرتے ہی اس کی شہرت امانتدار کے

اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ پہلی منزل پر انسان حقیقت کی تلخی سے گریز کرتا ہے اور حقیقت نما بن جاتا ہے تاکہ دونوں راستہ پر چل سکے حقیقت کی بہتری کے ساتھ باطل آسان دستیابی سے فائدہ اٹھائے مگر کچھ عرصہ کے بعد باطل کے چہرے سے نقاب اٹھ جاتا ہے اس کی عام برائیاں سامنے آجاتی ہیں اور سرِ عام اس کا بھانڈہ پھوٹ جاتا ہے۔ لوگ اپنی آنکھوں سے تمام برائیوں کا مشاہدہ کرلیتے ہیں اور ان کے دل باطل پرست کی مذمت کرتے ہیں۔ اس طرح وہ دونوں طرف سے رہ جاتا ہے۔ نہ حقیقت کی نیکی نصیب ہوئی اور نہ باطل سے کچھ ملا۔

حقیقت پرست کے نفس کو سکون حاصل ہوتا ہے وہ اپنے نفس کی ملامت سے بچا رہتا ہے اس طرح وہ ایک کرب اولے بھی [illegible] پالیتا ہے۔ حقیقت سے فائدہ لیتا ہے اور باطل پرستی کے نقصانات سے بچ جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے پاک اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ آخر میں :- لِلْمُتَّقِيْنَ مِنَ الدُّنْيَا عَوَاقِبُهَا

وَاِنْ تَعَجَّلَ فِيْهَا الظَّالِمُ الْاٰثِمُ

(انجام دنیا صاحبان تقویٰ کے لئے ہے۔ اگرچہ ظالم گنہگار کو جلد فائدہ ہوتا ہے۔

روئے زمین پر حقیقت کا علم لہرا کر رہے گا۔ ہر طرف حق کا بول بالا ہوگا جس کے نتیجے میں باطل مٹ کر ختم ہو جائے گا۔

یہی انبیاء اور مصلحین کی بقاء کا راز ہے۔ یہی مفسدین اور ستمگر افراد کے فساد کا راز ہے۔ پہلا طبقہ ہمیشہ مادیت سے دور اور مالی اعتبار سے تنگدست رہا ہے۔ اکثر خوف کی وجہ سے

اس کے برعکس دوسرا طبقہ عیش وعشرت میں وقت گزارا کرتا، امن وعافیت کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر قلعے تعمیر کرتا اور اس کے دروازوں پر محافظین کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

اسلام کے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت ہر لمحہ حقیقت کو سامنے رکھے۔ زبان سچائی کی عادی ہو۔ ہاتھ امانتدار، دل پاک۔ آنکھ پاک، کجی، نفاق، چاپلوسی، بناوٹ اور انحراف سے دور رہو۔ اس لئے کہ وہ پاک دین اسلام کی طرف بلا رہا ہے۔

کیسے یہ ممکن ہے کہ پاک چیز کی بنیاد نجس چیز پر رکھی جائے

وہ چاہتا ہے کہ شرافت کی جانب دعوت دے تو کیسے ممکن ہے کہ اس تک رسائی کے لئے ذلالت کو واسطہ بنائے۔

وہ چاہتا ہے کہ حق کی طرف دعوت دے تو کیسے ممکن ہے کہ باطل کا سہارا لے۔

وہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عدل کا رواج ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عدل کے قیام کے لئے ظلم سے مدد لی جائے۔

انسان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ نتیجہ وسیلہ پر منحصر ہے۔ وسیلہ جیسا ہو ویسا ہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ جو بیج بویا جائے گا وہی چیز نتیجہ میں حاصل ہوگی۔ اسی لئے منطقیوں نے کہا ہے۔

جب آپ صغریٰ اور کبریٰ کو ترتیب دیں گے تو نتیجہ دونوں میں کمتر کے تابع ہوگا۔

وسیلہ راستہ سے منحرف ہو جائے تو مقصد سے انسان دور ہو جاتا ہے۔

ایک اور زاویہ سے اسلام کی طرف دعوت دینے والا موردِ الزام ٹھہرے گا۔ اس پر تہمتیں باندھی جائیں گی۔ اس کا مذاق اڑایا جائے گا۔ اس کی برائی کی جائے گی۔ اس کی جانب غلط اشارے کیے جائیں گے جیسا کہ خود قرآن نے انبیاء اور مومن کے بارے میں بتلایا ہے۔

یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ

ہائے افسوس بندوں کی حالت پر نہیں آیا اُن کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا۔

وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ (اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اسے پکڑ لیں) (۲)

تمام امور میں جب حقیقت کارفرما ہوگی تو اس کے نتیجے میں ایک کیف ایک سرور حاصل ہوگا۔

یہ ایک ایسی کامیابی ہے جسے دولتمند حضرات اپنی کثیر رقم خرچ کرکے بھی حاصل نہیں کر سکتے جب کہ اسلام کے داعی کو کچھ خرچ کیے بغیر حاصل ہوگی اس کے برعکس ایک چھوٹا سا جھوٹ، ایک معمولی سی خیانت اور اس کی مانند کوئی اور حرکت اگر داعی سے سرزد ہو جائے تو لوگ اس کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے اور عام پبلک کو ڈنکے کی چوٹ پر عام کرے گی۔ دشمن اسلام کے ہاتھ میں یہ سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوگا۔ اسی طرح یہ بات اسلامی دعوت کے سلسلے میں ایک رکاوٹ بن جائے گی اور دشمنان اسلام کو حملہ کرنے کا موقع ملے گا۔

اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مبالغہ سے کام لے کر رائی کو پہاڑ اور چیونٹی کو ہاتھی بنا دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسد کرنے والے اور دشمنوں

۱۔ یٰسٓ ۳۶ – ۳۰ (۲) مومن ۴۰ – ۵

کی صف اوّل کے لوگ یہ کام انجام دیتے ہیں اور چھوٹی لغزشوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بتاتے ہیں۔ اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ لوگ ان کی باتوں میں نہیں آتے مگر وہ لغزش جو ان تک پہنچتی ہے اس کو وہ بہت بڑا محسوس کرتے ہیں۔ یہ دشمن کی دو دھاری تلوار ہے جو دونوں طرف سے داعی اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ اس لئے کہ داعی اپنے اوپر لگائے ہوئے الزام کے دفاع میں لگ کر تبلیغ سے غافل ہو جاتا ہے۔ جتنا عرصہ یہ داعی الزامات کی رد میں اور جواب دینے میں صرف کرتا ہے اگر اتنے عرصہ میں تبلیغ کا کام کرتا تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

دوسری طرف وہ جھگڑے کے دائرے کو بڑھاتی ہے جب کوئی بات نکل آتی ہے تو عام لوگ بھی جن کو دعوت سے تعلق نہیں ہے وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں اور یہی چیز دعوت میں ترقی ہونے کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

تمام اعمال میں حقیقت کو مدّنظر رکھنا، دعوت اسلام کے بہترین ہتھیاروں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اس طرح نہ کند ہوتا ہے اور نہ کمزور اگرچہ حقیقت کی بنیاد پر کبھی مصیبتیں آتی ہیں مگر وہ وقتی ہوتی ہیں جیسے گرمیوں کے بادل جو آسمان پر چھا کر غائب ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ کے پاس دو ملزموں کو لایا جائے۔ ایک اعترافِ جرم کرتا ہے اور دوسرا اُسے الزام قرار دیتا ہے۔ آپ کس کو معاف کرنے میں ترجیح دیں گے؟ یہ تو ایک مجرم کی بات ہے۔ ہم تو اس شخص کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس نے زندگی میں حقیقت کو اپنایا۔ اب اگر کوئی فضیلت یا نیکی اس کی جانب منسوب کی جائے اور وہ اس صفت کا نہ ہو تو اپنی سچائی کی بناء پر اس اضافی فضیلت سے انکار کر دے ورنہ حقیقت

پرست نہ ہوگا بلکہ خود پرست، تو اس سے بڑھ کر پستی اور ذلت کیا ہوگی۔

صبر

اسلامی نفاذ کے خواہش مند داعی کے لئے یہ دوسرا ہتھیار ضروری ہے۔ (فَالصَّبرُ مِفتَاحُ الفَرَجِ) صبر کشائش کار کی کنجی ہے۔

صبر ایک طاقتور ارادے کا محتاج ہے۔ صبر کے لئے ایک پختہ اور مستحکم قوّتِ ارادی کی ضرورت ہے۔

(وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِکَ لَمِن عَزمِ الاُمُورِ۔ شوریٰ)

اور جو صبر کرے اور بخشدے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

کیا صبر کرنے پر ہر شخص قدرت رکھتا ہے؟

ہرگز نہیں۔ یہ تخم حنظل سے زیادہ تلخ اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ صبر کے ذریعہ آگے بڑھنے والا ہی پیش قدمی کرسکتا ہے چاہے وہ کسی صنف سے تعلق رکھے۔

کیا آپ نے کسی عظیم عالم کو دیکھا ہے؟

کیا آپ نے کسی مشہور شاعر کو دیکھا ہے؟

کیا آپ نے کسی عظیم خطیب کو دیکھا ہے؟
کیا کسی کامیاب انجینئر، ڈاکٹر یا سائنسداں کو دیکھا ہے؟
یہ سب کے سب اس بلند ترین منصب اور عظیم مرتبہ پر اگر پہنچے ہیں تو صرف وشکیب کی وجہ سے۔
اس کے برعکس، کمین، ذلیل اور نکمے افراد نے اس صبر کے پھل کو چکھا بھی نہیں اسی لئے وہ قافلہ کے پیچھے رہ گئے بلکہ صبر کی تلخی سے بڑھ کر کئی گنا زیادہ تلخیاں جھیل رہے ہیں اور ان کی نہ کوئی دوا ہے اور نہ علاج۔
اسلامی میدان عمل میں کام کرنے والے افراد ان دو مصرعوں کو اپنے سامنے رکھیں۔

سَأَصْبِرُ حَتّٰى يَعْلَمَ الصَّبْرُ أَنَّنِي
صَبَرْتُ عَلٰى شَيْءٍ أَمَرَّ مِنَ الصَّبْرِ

میں عنقریب ایسا صبر کر کے دکھاؤں گا دنیا صبر کو بھی پتہ چل جائے گا کہ میں نے صبر سے تلخ چیز پر صبر کیا ہے اور قرآن مجید اور سنت نبوی میں صبر کرنے کے بارے میں نہایت تاکید ہوئی ہے۔
اصلاح کے لئے ایک مسلسل کوشش کا عمل اور اس کی راہ میں مختلف قسم کی رکاوٹوں کا آنا یقینی ہے اور جب انسان صبر کر لیتا اور برداشت کر لیتا ہے تو وہ رکاوٹ، وہ کمی دور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سفر میں تسلسل برقرار رکھ کر منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر وہ عاجز آگیا اور دوران سفر تنگ آکر ٹھہر گیا تو وہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹ جائے گا۔ ایسا شخص ناکام ہوگا اور منزل مقصود حاصل نہیں کر سکے گا۔
آپ اگر ایک مکان بنانا چاہیں یا ایک باغیچہ درست کرنا چاہیں تو

آپ کو کچھ عرصہ کے لئے صبر سے کام لینا ہوگا۔ جبکہ عمارت میں استعمال ہونے والی اشیاء بے جان ہیں۔ باغیچہ میں کام آنے والی تمام اشیأ میں کوئی حرکت اور حِس نہیں پائی جاتی یہ سب بے جان ہوتے ہوئے بھی معمار اور مالی کے کدال اور تیشہ اور درانتی کے احکام پر عمل کرتے جاتے ہیں۔ بنانے والے معمار اور مالی کو بے زبانی میں کہتے ہیں ہم تمھارے تابع ہیں۔

تو پھر یہ انسان جو گوشت پوست، ہڈی اور پٹھوں سے بنا ہے۔ جس میں دل بھی ہے۔ فکر بھی ہے۔ کیونکہ اصلاح کرنے والے کے تابع نہ ہو۔ یہاں صرف جس چیز کی ضرورت ہے وہ نرمی، لطف اور مہربانی ہے تاکہ اس کے پتھر کے مانند عقیدے میں نرمی پیدا ہو جائے۔ پھر یہ نرمی اُسے اپنے عقیدہ میں شک کی منزل پر پہنچا دے گی۔ پھر اس کے ذہن کو ماضی کے زنگ سے صاف کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کی فکر صاف ہو جائے اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا اور نورانیت اس کے ذہن سے منعکس ہو اور یہی وہ صبر کا راز ہے جو انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کے ساتھ مدتوں انجام دیا۔ انہوں نے اپنی قوموں کو خالق کی طرف متوجہ کیا ان کی اللہ تک رسائی میں رہنمائی فرمائی۔ ان تمام مراحل میں صبر سے کام لیتے رہے حالانکہ کائنات کی تمام طاقتیں ان کے لئے مسخر تھیں اور وہ اس پر پوری طرح قادر تھے۔ وہ چاہتے تو اپنی قوم یا امت کو پہلے نافرمانی پر ہلاک کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ صبر سے کام لیا۔

حقیقت میں لوگ اتنے فلسفی دماغ کے نہیں جتنے لوگ محبّت اور نرمی کے محتاج ہیں۔ اگر ایک عقیدہ انسان نے پسند کر لیا اور اس عقیدے کے خلاف اس کے سامنے ہزاروں دلیلیں ہوں تو بھی وہ اس

سے دستبردار نہیں ہوتا۔

اب اسلامی تبلیغ کرنے والے داعی کو چاہیئے کہ وہ صبر سے کام لے اور ان کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔ ان کی محبت اور ان کے میلان اور طبیعت کو آہستہ آہستہ اپنی جانب لے آئے۔ اس طرح یہ طبیعتوں کے رجحان اور دلیل ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوسکیں گے۔ لیکن اگر داعی یہ خیال کرے کہ صرف منطقی دلیل کافی ہے تو داعی کی نادانی ہے وہ ان لوگوں کو ہدایت کے راستے پر لانے سے عاجز ہوجاتا ہے اور وہ خود خیال کرتا ہے ان پر وعظ کا اثر نہیں ہوا۔ ان پر شیطان کا غلبہ ہوگیا اور یہ خدا کو بھلا بیٹھے ہیں۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو عوام میں نقص نہیں بلکہ نقص خود داعی میں ہے۔ اب نتیجہ کیا ہوگا؟

نتیجہ صاف ہے۔ مبلغ کی ناکامی، تبلیغ کے کام میں رکاوٹ ہوگی اور جو داعی کا مقصد تھا کہ اسلام کا نفاذ ہو وہ مقصد فوت ہوجائیگا

بات دراصل صرف سوچنے سے یا دل میں تمنا رکھنے سے پوری نہیں ہوتی بلکہ مقصد کی کامیابی کے لئے عمل کی ضرورت ہے جو صبر کے ساتھ ہو۔

اگر انسان بغور، ان موجودہ مذاہب اور تحریکوں کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کرے تو یہ معلوم کرسکتا ہے کہ ان سب کی کامیابی کا راز صبر میں ہے۔ موجودہ دور کی حکومتوں کے آغاز پر غور کریں تو انہیں یہ معلوم ہوجائے گا کہ ان میں صبر کا بڑا ہاتھ ہے۔

مؤسس حکومت بنی عباس ابو مسلم خراسانی سے کسی نے پوچھا؟ آپ کیونکر کامیاب ہوئے؟

کہا۔ صبر۔ راز کو چھپانے اور زمانہ ساز گار ہونے سے۔ اس لئے حدیث میں وارد ہے ۔

"اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ کَالرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَکَمَا لَاخَیْرَ فِیْ جَسَدٍ لَا رَاْسَ فِیْہِ کَذَالِکَ لَاخَیْرَ فِیْ اِیْمَانٍ لَاصَبْرَ مَعَہٗ"

صبر کو ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کو جسم سے ہے۔ اُس جسم کے لئے کوئی بھلائی نہیں جس کا سر نہ ہو۔ اسی طرح اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں جس میں صبر نہ ہو۔ صبر سے انسان عمل کو دہراتا ہے اگرچہ اُسے ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ لوگوں کے طعن و تشنیع سننا پڑتے ہیں ۔

المناک حادثوں کے وقت، ہولناک مصیبتوں کے وقت انسان صبر کے ذریعہ مقابلہ کر سکتا ہے۔

تکرار، کام میں تسلسل اور ثابت قدمی، مقصد کے حصول کے لئے بنیاد ہیں

اما تری الحبل بتکرارہ فی الصخرۃ الصماء قد اثرا

رسی مسلسل سخت پتھر سے اس پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔

پھر ہم یہ فرض کریں کہ داعی صبر نہیں کر سکتا ۔

تو وہ کیا کرے؟ اس کے سامنے تین راستے ہیں۔ اس میں سے ایک راستے کو اپنا لے۔

اپنے مقصد کو چھوڑ کر واپس پلٹ جائے جو حقیقت میں ذلت آمیز شکست ہے یا بے صبری کا مظاہرہ کرے۔ ہر طرف ہنگامہ آرائی کرے۔ اور اُس کے ساتھ تبلیغ بھی جاری رکھے، نتیجہ میں بے پناہ مصیبتوں اور حادثات کا باعث ہوگا۔ یا یہ کہ کچھ عرصہ کے لئے تبلیغ

سے رُک جاتا ہے۔ یہ کیوں ؟ تاکہ پھر دوبارہ پلٹ کر دعوت شروع کردے۔
ایسا کرنے کا نتیجہ کیا ہے ؟
تو معلوم ہوا کہ صبر سب سے بہتر ہے۔
حضرت علیؑ فرماتے ہیں ۔
فرأیت ان الصبر علی ھاتا احجیٰ فصبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجی۔
سو میں نے دیکھا۔ ان دونوں معاملوں میں صبر بہتر ہے۔ میں نے صبر کیا کہ میری آنکھوں میں کنکر تھے اور گلے میں ہڈی اٹکی ہوئی تھی۔
یقیناً صبر اور کامیابی سے دو جڑواں بھائی ہیں ۔
فارسی شاعر کہتا ہے۔

صبر و ظفر ہر دو دوستان قدیمند
در اثر صبر نوبت ظفر آید

صبر اور ظفر دونوں پرانے دوست ہیں۔ صبر کیا جائے تو ظفر ملنا یقینی ہے۔
کیا آپ نے کبھی صبر کرنے والے انسان کو ناکام ہوتے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں اور کیا کسی بے صبرے کو کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔ ہاں ! بہت کم۔ پہلے کی کامیابی اور دوسرے کی کامیابی کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔
ان تمام چیزوں کے علاوہ صبر خود قابل ستائش حقیقت ہے اور فضیلتوں کا سرچشمہ ہے اور انجام میں صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا رہا ہے۔

اپنے مقاصد میں اطمینان سے طلب کرنے والا کامیاب ہوتا ہے اور جلدی کرنے والا لغزش کرتا ہے ٹھوکر کھاتا ہے۔

اپنے نفس کو علم کے زیور سے آراستہ کرے اس لئے کہ شخص صابر کے نفس پر غضب کی آگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اس لئے صبر ہی ایک ذریعہ ہے جس سے نفس انسان فکر سے کام لیتا ہے اور مشورہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اسی طرح شخص صبر کنندہ معاشرہ میں ایک خاص محبوبیت حاصل کر لیتا ہے اور ہر جگہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ درست ہے مگر صبر کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اعصاب پر قابو پالیں اور نفس کو کنٹرول کریں اور دیگر کاموں میں تیزی اور جلد بازی سے پرہیز کریں۔

صبر کرنے والا منجملہ ان چیزوں کے جو پاتا ہے وہ ہے راحت نفس۔ خود بھی آرام حاصل کرتا ہے اور اپنے ہمراہ چلنے والوں کو بھی سکون بخشتا ہے دین اسلام کے لئے کمر بستہ شخص اس راہ میں یہ درد و الم برداشت کرنے کے لئے پہلے ہی سے فضا ہموار کر چکا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر مصیبت کو وسعتِ قلب کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انسان کے ضمیر پر تیاری کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

جو شخص پہلے سے مار کھانے کے لئے تیار ہو اسے اس قدر درد کا احساس نہیں ہوتا جتنا اس شخص کو جو پہلے سے تیار نہ ہو۔ جیسے کسی کو خبر کی توقع ہو اور اچانک برائی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کا درد بھی اس اچانک ضرب پڑنے کے برابر ہوتا ہے۔

یہی بات قرآنی آیت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ "

کیا انہوں نے یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے (کہا) بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کر رہے تھے۔

وہ شخص جو مصائب برداشت کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہے، دکھ سہنے کے لئے پہلے ہی کمربستہ ہو اُسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ انسان جب کسی تحریک کے ساتھ چلنا یا کسی پیغام میں شریک ہوتا تو وہ ضرور دلی تسلّی چاہتا ہے اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ تسلی قلب صرف حصول ثواب یا جذبۂ انتقام کی تشفی رفع شر اور صبر میں ہے۔ کسی شخص سے اگر دکھ پہنچے تو جب تک انسان اس کی قیمت چکا نہیں لیتا، تسلی نہیں ہوتی، یا یہ کہ اس میں اس کے شر سے بچنے کی امید ہو یا صبر کے ہتھیار سے مسلح ہو۔ کسی بھی تحریک میں انسان کو ابتدائی دور میں اس کا صلہ ملتا ہے اور انتقام میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انتقام ہمارے تبلائے ہوئے تیسرے اصول (امن پسند، عدم تشدد) سے مخالف ہے لیکن اس کے ذریعہ وہ شر کو رفع کر سکتا ہے۔

تو نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں صرف اور صرف صبر کرنا چاہیئے۔ صبر دشمن پر ایک کاری ضرب ہے اور اللہ کے دلیوں کا بہترین ہتھیار ہے اس کے ذریعہ دعوت اسلام دینے والے داعی حضرات تسلی حاصل کرتے ہیں اور دشمن کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صبر کی دو قسموں پر عمل کرے۔

مصیبتوں اور اذیتوں پر صبر

استمرار اور ثبات قدم پر صبر:

غالباً دونوں میں سے ایک بھی میسر ہو تو انسان صحیح راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح چلنا کافی دشوار کن اور اذیت ناک ہے۔

بسا اوقات انسان دونوں قسموں کے صبر کو برداشت کر لیتا ہے تو ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے ہیں مگر ایسے شخص کے لئے پختہ ارادی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ اُسے چاہیئے کہ پہاڑ ٹل جاتے مگر وہ اس راہ کو ترک نہ کرے۔ اس کے لئے لوہے کی دیوار کے مانند عزم کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں سفر جاری رکھنا کافی دشوار ہے جہاں راستہ میں امید کی ایک کرن بھی نظر نہیں آتی ہو۔ اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ پلٹ جائے اور اُس کے لئے ذلت و عار کا سبب بنے۔ صبر دوسرے ملکات کی طرح شروع میں بہت مشکل نظر آتا ہے اور جب صبر پر انسان تسلسل کے ساتھ عمل کرتا رہے تو اس کو عادت پڑ جائے گی اور یہ صفت اس نفس میں نقش کر جائے گی اور انسان بخوبی حالات سے اس وقت مقابلہ کرے گا جب زندگی تلخ و ترش ہو جائے گی۔ یہ صبر پہ عادی شخص بہ نسبت دوسرے شخص کے بخوبی اس مرحلہ سے گزر جائے گا جب کہ دوسرے افراد سخت تکلیفوں سے گزرتے ہوں گے۔

اس کی مثال مریض اور تندرست کی مانند ہے۔ پہلا وہ جسے ہر میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے جبکہ دوسرا (تندرست) ہر چیز کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی اگر کچھ احساس ہوتا بھی تو معمولی کڑواہٹ کا جو قابل اعتنا نہیں۔

آدمی کبھی تو اپنے دوستوں کو سمجھانے اور تسکین بخشنے میں ایسا عاجز ہو جاتا ہے جیسے اپنے دشمن کو سمجھانے سے قاصر رہتا ہے۔ اس محرومیت

سے وہ زندگی کے لئے ایک تجربہ حاصل کرتا ہے اور اس پر اپنے مستقبل کی دیوار بلند کرتا ہے اس طرح وہ دوستوں کی محبّت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے دل کو اپنے سے صاف رکھتا ہے۔

اس کی بہ نسبت دوسرا شخص (بے صبرا) جب دوست کو تسکین دینے سے محرومیت کا شکار ہوتے ہی (بے صبری کا مظاہرہ) اور اپنے دشمنوں کی صف میں ایک اور دشمنوں کی صف ایک اور شخص کا اضافہ کرتا ہے۔

یہ بھی صبر کا نتیجہ ہے کہ (صابر) دوستوں کی تعداد بڑھاتا ہے۔ جبکہ دوسرا دشمنوں میں اضافہ کرتا ہے۔

شخص مصلح (ریفارمر) اگر اس خاصیت سے محروم ہو تو اس کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے نوبت یہاں تک پہنچے کہ اُسے میدان چھوڑنے کے ساتھ (مفسد) کا تمغہ نصیب ہو جبکہ وہ اپنے تئیں برائے نام مصلح کہلواتا رہا۔

عدم تشدّد

(لاعنف)

اسلامی دعوت کا تیسرا بنیادی امر ہے

یہ خود ایک بلند و بالا صفت ہے۔ اس (عدم تشدّد) کے لئے ایک قوی نفس کی ضرورت ہے جو آئندہ پیش آنے والی ہر مصیبت اور دکھ کو وسعتِ قلبی سے برداشت کرے اور اُسے ہرگز کسی صورت میں نہ چھوڑے۔

عدم تشدد۔ یہ ایسی صفت ہے جس کی تجلی، ہاتھ، زبان اور دل میں ظاہر ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک پر عمل دوسرے سے آسان ہے۔ ہاتھ کا عدم تشدد، زبان کے عدم تشدّد سے آسان ہے اور زبان کے عدم تشدّد سے آسان دل کا عدم تشدّد ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان چاہے تعمیری ہو یا تخریبی اپنا کام انتہائی نرمی سے نکال لے اور کسی کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ ہو۔ اس کی مثال جدید طب میں سن کرنے والی دوا کی مانند ہے جب دوا کسی جسم کے حصّہ پر لگا دی جائے تو جراح جس طرح چاہے آپریشن کر سکتا ہے۔

عدم تشدد (لاعنف) ہاتھ کا یہ ہے کہ انسان اپنا کتنا ہی بڑا دشمن

کوئی کیوں نہ ہو۔ اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائے اگرچہ یہ ہاتھ بدلہ لینے کے لئے اٹھ رہا ہو، اور چونکہ ارشاد الٰہی ہے۔ (اَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی) معاف کر دو تو یہ قرین تقویٰ ہے، اپنے دشمن کے منہ پر طمانچہ نہ مارے۔ اگرچہ وہ طمانچہ مار چکا ہو۔ اس کو نہ مارے۔ اگرچہ دشمن ضرب لگا چکا ہو۔ اپنے دشمن پر کوئی آتشی اسلحہ یا لکڑی وغیرہ سے حملہ نہ کرے۔

ہاں۔ عدم تشدّد (لا عنف) سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے جسم کو آنے والے حملوں سے محفوظ نہ کرے۔ حقیقت میں ظلم سے اپنے کو بچانا بھی عدم تشدد ہے۔ یہ عدم تشدد (لا عنف) جس کی نسبت ہاتھ کی جانب ہے۔ ہر ایک ضروری امر اس شخص کے لیئے ہے جس کے پاس کوئی طاقت نہ ہو۔ یہی طریقہ ہر زمانہ کے عظیم مصلحین اور صاحب عقل و دانش کا وطیرہ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعلیم جیسا کہ ان احادیث میں موجود ہے جو آئمہ معصومین ؑ سے ہم تک پہنچی ہے۔ طمانچہ کا بدلہ طمانچہ سے نہ دو۔ اگر کسی نے دائیں رخسار پر طمانچہ مارا تو تم بایاں رخسار پیش کر دو اس بات کے اظہار کے لئے ہم دوسرا طمانچہ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہاں کچھ لوگ برہم ہو کر اختلاف کر سکتے ہیں۔

یہ طریقہ دشمن کو اور جری بنا دے گا۔

ایسا نہیں بلکہ مجرم کو ارتکاب جرم سے باز رکھے گا۔ آپ کے اس رویہ کا ردعمل REACTION آپ کے بدترین دشمن پر کیا ہو گا۔ آپ تصوّر کیجئے اگر کسی شخص نے آپ کو مارا، اپنے مار کھانے کے بعد نہایت کھلے دل سے اس سے کہا۔ بھائی اور مارنا چاہتے ہو تو مجھے مارو۔ اب بتایئے اس کے کلام کا آپ کے نفس پر کیا اثر ہو گا؟ بہر خصوصیت سے ایسی صورت میں جب کہ

مدِ مقابل آپ سے بدلہ لینے کی بھرپور صلاحیت بھی موجود ہو۔ تو بتایئے اس شخص کے عمل کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ جو اس بات کو نہایت مشکل سمجھتا ہو وہ درحقیقت اپنے پر جارحیت کے بعد کے حال کو حضرت عیسیٰ عظیم کے حال پر جبکہ دشمنوں نے گھیرے میں لے لیا جبکہ عیسیٰ اس میں اپنی تبلیغ کی کامیابی سمجھتے تھے۔ عیسیٰ کو چھوڑیئے۔

آیئے۔ اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا مکی زندگی میں وہ ایذا رسانی کا بدلہ لیتے تھے؟ تاریخ گواہ ہے کہ ہر نبی کا ہاتھ سے پہنچنے والی تمام تکالیف کو وسعتِ قلب کے ساتھ برداشت کرتے۔ ابولہب پتھر مارتا ہے۔ ام جمیل راستہ میں کانٹے بچھاتی ہے۔ دوسرا کافر حالتِ نماز میں آپ پر بکری کے پیٹ کی آلائش ڈال دیتا ہے۔ ایک مشرک آپ کے چہرۂ اقدس پر لعاب دہن پھینکتا ہے۔ ایک اور دشمن آپ کے کھانے میں گندی چیز ڈال دیتا ہے۔ ابوجہل کا غلام اپنی کمان سے آپ کے سر کو زخمی کرتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کے لبوں پر ایک ہی دعا تھی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

بارالہٰی۔ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یہی طریقہ حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کا رہا۔ کیا آپ نے سنا حضرت نوحؑ نے ظلم کرنے والے پر ہاتھ اٹھایا۔ کیا اس کو مارا، کیا تاریخ میں ہے کہ لوط نے تشدد کے ذریعہ اپنا دفاع کیا ہو۔ کیا آپ نے کہیں پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آذر کے طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ مارا ہو۔

کیا آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے لیئے ایسا کچھ سُنا؟

پیغام کی کامیابی اسی میں ہے کہ عدم تشدّد کو ترجیح دی جائے جس کا پہلا مرحلہ ہاتھ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعہ دعوت دینے والا، دلوں کو اپنی طرف مائل اور عام لوگوں کو دشمنوں کے خلاف صف آرائے کر دیتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی اس بات کو خود آزمایا ہے؟ اگر آپ کے سامنے کوئی شخص کسی پر ہاتھ اُٹھائے اور وہ شخص جس کو مارا گیا اُس نے مقابلہ نہیں تو آپ کا دل کس کا ساتھ دے گا؟

یقیناً فطرت کے مطابق آپ کی ہمدردی مظلوم کے ساتھ ہوگی اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے عظیم تر مصلحین نے اپنی کشتی کو ساحل پر لگایا ہے۔

آزادئ ہندوستان کے بانی، گاندھی سے یہ قول نقل کیا گیا کہ: "میں نے حسین علیہ السلام سے جو سیکھا وہ یہ ہے کہ میں مظلوم بنوں"۔

ظلم کے وقت بدلہ نہ لے کر مصلحین نے لوگوں کے دلوں میں ہی مقام پیدا نہیں کیا بلکہ جارحیت کے ارتکاب کرنے والے دل کو بھی متاثر کیا۔ جب کسی پر ظلم کیا جائے اور اُس کی جانب سے کوئی ردعمل نہ ہو تو ظالم کے دل میں ایک شفقت اور مہربانی پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اس سے قبل اس کا دل غیض و غضب سے بھرا ہوتا ہے۔

یہاں کچھ لوگ آیت فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (۱) اور آیت (خُذِ الْعَفْوَ) کو باہم ملا دیتے ہیں حالانکہ دونوں آیتوں کا محل جدا ہے۔

---

(۱) ۱۹۴ بقرۃ ۲

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تعدی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے، اگر ہم نے ظلم کرنے والے کو چھوڑ دیا تو اس کی ہمت افزائی ہوگی اور زیادہ سے زیادہ فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے اور وہ لوگ فارسی کے اس بیت کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

ترحم بر پلنگ تیز دنداں ستمگاری بود بر گوسفنداں

تیز دانت والے چیتے پر رحم کھانا در حقیقت گوسفندوں پر ظلم کرنا ہے۔

لیکن اگر حقیقت کی جانب توجہ کی جائے تو بڑا فرق ہے۔ تبلیغ کرنے والے کے لئے اپنے پیغام کی طرف توجہ ہونی چاہیئے جس کے لئے امن کا بہت بڑا حصہ درکار ہے اور خصوصیت سے جب دشمن قوی تر ہو۔ اس صورت میں جب کوئی ہتھیار کارگر نہ ہو تو پھر مجبوری ہے۔ جیسا کہ عرب کے ایک شاعر نے کہا ہے: جب نیزے کی انی بغیر جگہ بیٹھنے کے لئے نہ ملے تو پھر مجبوری ہے۔

آپ خود ملاحظہ کیجئے اگر کسی مبلغ کا مقابلہ ایسے شخص سے ہو جس کے ہاتھ میں تلوار ہو۔ اب اگر وہ ظلم کا بدلہ لینا چاہے تو کیا کرے اگر اس نے ان سے تعدی کی یا اس سے کم طریقہ سے مقابلہ کیا تو یقیناً اس کو تلوار اٹھانے پر مجبور کریگا۔ اب کونسا مرحلہ بہتر ہے۔ عدم تشدد یا مقابلہ، مقابلہ کرنے سے خود بھی مارا جائے گا اور پیغام کو بھی نقصان پہنچے گا۔ یا ایسا طریقہ اپنایا جائے جس سے خود بھی باقی رہے اور اس کا پیغام بھی، یہی وجہ تھی کہ رسول اکرمؐ، بلالؓ، خبابؓ، عمارؓ سمیہؓ اور دیگر حضرات کو صبر کی تلقین کرتے تھے جن پر کفار کی جانب سے ظلم و تشدد ہوتا تھا۔ یہ صرف اس لئے کہ بدلہ لینا صحیح طریقہ ہے۔ اس لئے کہ مبلغ کا جو مقصد ہے بدلہ لینے سے ختم ہو جاتا ہے جب حضور اکرمؐ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا تو تلوار اس وقت استعمال کی جب ظلم و تشدد نے ایک وحشت ناک صورت اختیار کر لی۔ اگرچہ بعض مقامات

پر نقصان کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں معاف کر دینے کو ترجیح دی
فرض کیجئے آپ کا ایک ایسے شخص سے مقابلہ ہے جس کے قبضہ میں آپ کا مکان ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس سے اپنا مکان واپس لیں وہ شخص آپ سے مقابلہ کرتا ہے اور تعدی کرتا ہے۔ اس صورت میں آپ کی عقل کیا کہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں ویسا ہی اس سے بدلہ لوں تو میرا دعویٰ تباہ ہو جائے گا اور مکان بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنے اعصاب پر قابو رکھیں اس شخص پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ بدلہ لینے کے بجائے عدم تشدد سے پیش آئیں تو بہتر ہے۔

عقل یہی کہتی ہے کہ دوسرا طریقہ بہتر ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں پر ہم آیت لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ اور آیت وبَرَاءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ (توبہ) اور دیگر آیات قتال کو جمع کرتے ہیں اور دونوں کے مفہوم کے مورد اور مقام کو سمجھتے ہیں۔

جب مبدأ قوت سے خالی ہو تو یہ بیوقوفی ہے کہ مبدأ کو ماننے کے لئے جبر سے کام لیا جائے۔ اس لئے اس صورت میں بدترین ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور جب مبدأ کے پاس قوت ہے تو پھر یہ بڑی بے وقوفی ہوگی کہ مفسدین کو چھوٹ دی جائے کہ وہ جیسے چاہیں زمین پر فساد پھیلاتے رہیں۔ اس کے علاوہ عدم اکراہ، جس کا ذکر آیت میں آیا، اس کا تعلق یہودیوں، مسیحوں اور ان کی مانند لوگوں سے ہے۔ ان کو اسلام لانے پر زبردستی نہ کرو۔

ایک حریت کے علمبردار شخصیت کا کہنا ہے۔

ایک مستعمر (نو آبادیاتی نظام کا حامی) نے مجھے مارا۔ مگر میری پوری کوشش یہ رہی کہ اس کو میں نہ ماروں۔ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا اگر میں اس سے مقابلہ پر تل گیا تو میں اپنے مقصد کو کھو دوں گا۔

بہر کیف۔ وہ مصلح جو چاہتا ہے کہ اسلام کا نظام نافذ ہو، پورے ملک میں اس کی فرمانروائی ہو اور تمام باطل قوانین کا ازالہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ (لاعنف) عدم تشدد اختیار کرے۔ جو اس کے پیغام کی مخالفت میں برسرِ پیکار ہو اور اس پر تشدد کرتا ہو۔ اپنے ہاتھ کو استعمال نہ کرے۔ اپنے پیروں سے لات نہ مارے۔ اپنے دانتوں سے کسی کو نہ کاٹے۔

تلوار اور آتشیں اسلحہ دونوں قطعی محرومیت کے اسباب ہیں۔

ہم ایک سادہ سی مثال سے اس کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے لئے جنگ آزادی ہندوستان اور آزادی الجزائر کو دیکھئے۔ ہندوستان کے رہبروں نے عدم تشدد کو اپنایا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور ہندوستان کو بغیر کسی کثیر مقدار میں خون بہلائے آزاد کرا لیا۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے قربانیاں دیں اور وہ دوسرے ممالک کے اعتبار سے بہت کم ہیں جبکہ ان کی تعداد چار سو ملین افراد پر مشتمل ہے۔ ان کی قربانی کی اگر ہم نسبت دیں تو ۳ فیصدی کہہ سکتے ہیں جبکہ الجزائر کے حریت پسندوں نے تلوار کی حقیقت کو سامنے رکھا اور جہاد کو اپنا شعار بنایا۔ یقیناً ان کا جہاد تھا۔ یقیناً انہیں آزادی ملی مگر ۲۰ لاکھ افراد اس آزادی کی بھینٹ چڑھ گئے اور لاکھوں افراد اسیر ہوئے جیسا کہ کتاب "عشت مع ثوار الجزائر" میں تذکرہ موجود ہے۔ جبکہ پورے جزائر کے لوگ گیارہ ملین پر مشتمل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا جو قربانیاں الجزائر کے نوجوانوں نے دی ہیں، ان کی تعداد کا پانچواں

حصّہ ہے میرا مقصد الجزائر کے نوجوانوں کے انجام دیئے ہوئے عمل پر تنقید کرنا مقصود نہیں ہے اگر میں بھی اس حالت میں ہوتا اور اس مقام پر ہوتا تو شاید میں بھی اسی مسلک پر چلتا۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ (لاعنف) عدم تشدّد (امن پسندی) جنگ سے بدرجہا بہتر ہے یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ عدم تشدّد جس کا تعلق ہاتھ سے ہے کہ ہم ہاتھ سے تعدی کرنے والے کا مقابلہ ہاتھ سے نہ کریں۔

(عدم تشدّد لسانی) لسانی امن پسندی ہاتھ کے عدم تشدّد سے زیادہ سنگین ہے۔ جو شخص ہاتھ سے انتقام نہیں لے سکتا۔ کسی کو مارنے یا کسی پر فائر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ تیزئ زبان سے کام لیتا ہے۔ دشمن کے خلاف زبان استعمال کرتا ہے جو منھ میں آئے کہہ جاتا ہے اس لئے کہ زبان کے لئے دنیا میں کوئی سزا نہیں ہے۔ اس لئے انسان کے شر سے ڈرتا بھی نہیں ہے۔ وہ چاہے گالی دے، طعنہ دے اور جو کچھ کہے وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی فوری سزا نہیں ہے لیکن ہاتھ کے تشدد کی بڑی سنگین سزا ملتی ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ حکومتِ وقت کے خلاف زبان استعمال کرتے ہیں اور جب وہ پولیس کی حوالات میں گرفتار ہو کر پولیس کے تشدّد کا شکار ہوتے ہیں تو پھر بدلہ لینے کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جذبہ عدم انتقام مبداء اور دعوت کے تحفظ کے لئے یا خوف کی وجہ سے ان میں بڑا فرق ہے۔ مرحلہ ثانی دنیا کے ہر کمزور جاندار کا طریقہ ہے۔ جب وہ طاقتوں کے پنجہ میں پھنس جاتا ہے یا یہ کہ اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھنے والا ہو، کون سا ایسا عقلمند ہے جو جذبۂ انتقام کے تحت مزید نقصان اٹھانے پر تیار ہو جائے۔ یہی سب کچھ انسان کرتا ہے جب وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اس کے مرحلہ

کے بر خلاف پہلا مرحلہ یقیناً باعث فضیلت و شرف ہے۔ وہ یہ سب کچھ کر گزرتا ہے۔ جان کے خوف سے نہیں بلکہ پیغام کو تباہی سے بچانے کے لئے۔ تو عدم تشدد معنوی اعتبار سے زیادہ طاقتور ہے۔ ضمیر کے اعتبار سے زیادہ بلند ایسے شخص سے جو صدمہ اور ضرب پہنچاتا ہے۔ بر خلاف اس کمزور کے جو طاقتور کے پنجے میں ہے۔ یہ در حقیقت مجبوری کا دوسرا نام ہے۔

بہر کیف زبانی عدم تشدد کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کو لگام دے اپنی گفتگو کو تعدی کرنے والے کے مقابلہ میں قابو میں رکھے چاہے تعدی ہاتھ سے ہو یا زبان سے عدم تشدد سے اس کا مقابلہ کرنا بڑی شرافت کا ثبوت ہے۔ کون سا ایسا انسان ہے جب اس کے خلاف تہمت باندھی جائے تو سوائے حق کے اور کچھ نہ کہے۔ کون ہے جو ایسے موقع پر جو کیا ہے اُسے زبان سے نہ کہے جو سیر کا جواب سیر سے دے یعنی برابری کی حد تک بھی انسان نہیں رہ سکتا بلکہ کچھ اضافہ کر کے ہی جواب دیتا ہے البتہ ایک ہی صورت میں یہ جذبۂ انتقام سامنے آتا ہے جس نفس میں قوت ہو اور ضمیر میں شجاعت اور زبان پر قدرت ہو۔

عام طور پر انسان اپنی زبان کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ وہ لوگوں کی بُرائی کرتا ہے۔ لوگوں کا مذاق اُڑاتا ہے اور اس چیز سے تہمت لگاتا ہے جس سے انسان دور ہوتا ہے۔ اس سے بدتر وہ شخص ہے جو ایسے اعمال کی نسبت دیتا ہے جو خود ان اعمال کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس سے بڑھ کر وہ جو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہے۔ بغیر زبان سے کام لئے یہاں تک مدمقابل کا ذکر ہوتا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں۔ جو عدم تشدد پر عمل کرتا ہے۔ امن پسندی سے کام لیتا ہے۔ یہ شخص حقیقت میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ جب اُسے گالیاں دی جائیں اس پر تہمت باندھی

جائے تو وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے وہ مقابلہ کے راستے سے کنی کترا کر گزر جاتا ہے تاکہ پیغام پھولے اور پھلے اور اسلام کا بول بالا ہو۔

اب رہ گیا شاعر کا یہ کہنا:

لِسانکَ لاتبدی بہ سوءۃ امرئٍ　　فکلکَ سَواتٌ وَلِلناسِ اَعیُن

وَعَیناکَ ان ابدیت الیکَ معائباً　　من الناسِ قُل یَاعینُ لِلناسِ اَعیُن

تیری زبان کسی کی بُرائی ظاہر نہ کرے تو تو سراپا بُرائی ہے اور لوگ آنکھیں رکھتے ہیں۔

اگر تیری آنکھ نے تجھ تک کسی کی بُرائی پہنچا دی تو اس سے کہہ اے آنکھ دوسرے لوگوں کی بھی آنکھیں ہیں۔

ان اشعار کا تعلق بالا ان دو افراد سے ہے اب رہ گیا عدم تشدّد پر عمل کرنے والا شخص، ان میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور وہ شخص جو عدم تشدد پر ایمان رکھتا ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں جنگ جیتتا ہے یا ہارتا ہے۔

فرض کر لیجئے آپ نے کسی کو گالیاں دیں اور اس نے پلٹ کر ایک بھی حملہ نہ کیا۔ تو بتلایئے اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ آیا آپ کی نفرت میں اضافہ ہوگا یا آپ اپنے پہلے موقف کی طرف پلٹ جائیں گے یا آپ کے نفس میں اس کی طرف امن پسندی کا جذبہ پیدا ہوگا؟

آدمی کتنا ہی سنگدل ہو۔ امن پسندی سے کراہیت نہیں رکھتا تو معاملہ درمیان میں رہ جاتا ہے۔ پہلے موقف پر پلٹ جائے یا اس شخص سے محبّت کرنے لگے جو تشدّد کا نشانہ بنا ہے۔

آپ خود بتلایئے۔ دونوں صورتوں میں یہ شخص کتنے فائدے میں رہا،

اگر یہ شخص معمولی سی بھی برابری کرتا۔ اس سے بدلہ لینے سے اس کے نفس میں جو کراہت ہے اس میں اضافہ ہو جاتا اور اگر تجاوز گر بہت بڑے نفس کا معاملہ ہو اس کے رد کرنے سے اس کے نفس میں کراہت کا اضافہ نہ ہو تو یہ بھی مسلم ہے کہ رد کرنے سے محبّت تو پیدا نہیں ہوگی۔ تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جذبہ عدم تشدّد کا ایک خاص تعمیری مقام ہے وہ یہ کہ تجاوز گر تعدی کرنے والے کے نفس میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔ اب رہ گیا جذبۂ تشدّد پسندی اگر چہ رائی کے برابر ہو اس سے سوائے بربادی کے کچھ نتیجہ نہیں۔

تبلیغی کام انجام دینے والے کو چاہیئے کہ وہ تعمیری جذبہ کو زیادہ اہمیت دے۔ یہ لسانی عدم تشدد کا ایک پہلو ہے جو دونوں طرف سے آسان ہے۔ ایک پہلو اور ہے جو دونوں پہلوؤں سے زیادہ سخت ہے۔

برائی کا بدلہ نیکی سے دینا۔ اگر کوئی شخص آپ کو گالیاں دے اور آپ اس شخص میں کوئی اچھی باتیں ہوں اس کا تذکرہ کرکے اس کی تعریف کریں۔ کوئی صاحب آپ کی تنقیص کرے، آپ ان کے کمال کا پتہ چلا کر لوگوں کے سامنے ان کے کمال کے پہلو کو بیان کریں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی نہ ہو یا کمال کے اعتبار سے خالی ہو۔

تعدی کرنے والے کے ساتھ اس طرح کا سلوک کر سکتا ہے جو نفسیاتی اعتبار سے نہایت بلند، نہایت شجاع اور حد سے زیادہ اعصاب پر قابو رکھنے والا ہو۔

ہائے اللہ۔ وہ مجھے گالی دے اور میں تعریف کردوں؟ وہ مجھ میں کیڑے نکالے اور میں اس کا قصیدہ پڑھوں۔

جی ہاں۔ ایسا ہی کرنا ہے یہ نہایت عظیم کارنامہ ہے۔ اس جذبہ سے طاقتور

بہادر علماء اور حکماء کے سوا کوئی اور لطف اندوز نہیں ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کی طرف دیکھئے جو ہر مسلمان کے لئے دستور حیات ہے۔ وہ کیا پیغام دیتا ہے۔ تو پھر اس شخص کو کس حقیقت کا ہونا چاہیئے جو تبلیغ اور اسلام کا خواہش مند ہے۔

اس سلسلہ میں ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۱)

بدلہ نیکی سے دو۔ وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے تمہارا گہری دوست بن جائے گا۔

اس کو تو صرف صبر کرنے والے اور صرف بڑے حصہ والے ہی پا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا حصہ ہے جسے خدائے عظیم فرما رہا ہے۔

(یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کو خالق کائنات ہی عطا فرماتا ہے) تو آپ سوچئے کیسے ممکن ہے کہ گالی کا جواب تعریف سے دیا جائے۔ تنقید کا جواب مدح سرائی اور نکتہ چینی کا جواب قصیدہ خوانی سے دیا جائے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ وہ شخص صابر ہو اور بڑے نصیبوں والا ہو۔

قرآن نے تو پہلی آیت میں نتیجہ کی جانب رہنمائی کی تھی:

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گہرا دوست بن جائیگا۔

یہ اسلوب زندگی دوستوں میں اضافہ کرتا ہے۔ دوستوں کو کھوتا نہیں جس کے دل میں دشمنی نہ ہو وہ شخص دشمن کو دوست اور مخالف کو موافق بنائے گا۔

(۱) حم ۴۱ ۳۴/۳۵

قرآن صرف نیکی سے بدلہ دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے ۔
بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ جو بہتر سے بہتر طریقہ ہو بدلہ دو۔ دیکھا آپ نے۔ یہ کام کتنا عجیب اور کتنا عظیم ہے۔ کیونکہ کوئی آپ کو گالی دے اور آپ اُس کی تعریف کریں۔ وہ آپ کی بُرائی کرے۔ آپ اس کی بہتر طریقہ پر مدح سرائی کریں۔ کوئی آپ کا مذاق اُڑائے اور آپ بہترین طریقہ پر اس کی قصیدہ خوانی کریں بالکل ایسا ہی کرنا ہے اس لئے کہ نتیجہ بڑا عظیم ہے اور عظیم نتائج کے لئے ذرائع بھی عظیم ہونے چاہئیں۔

عظیم دولت، عظیم علم، عظیم بلند ادب، نکمے اور کاہل انسانوں کو نہیں ملتے بلکہ اس راہ میں تلخ تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح شرافت اور فضیلت۔ خصوصیت سے وہ فضیلت اس شان اور عظمت کی ہے جو ہر انسان اس کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ تو بڑے نصیب والے لوگوں کا کام ہے۔ دعوت دینے والا اور اصلاح کا علمبردار اس ہتھیار سے مسلح ہو تو اس کی کامیابی بہت قریب ہے۔ یہ ہتھیار ملکوں اور سرحدوں کو فتح کرنے کے لئے استعمال کئے جانے والے بموں اور راکٹوں سے بھی زیادہ موثر ہے۔ اس عظیم کردار کی جانب حضرت امام سجاد زین العابدین اپنی مشہور دعا مکارم اخلاق میں بیان فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ درود

وَسَدِّدْنِیْ لِاَنْ اُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِیْ بِالنُّصْحِ

خدایا۔ میری مدد کر تاکہ میں اس شخص سے جس نے مجھے دُکھ دیا ہے۔ نصیحت سے پیش آؤں۔

وَاَجْزِیَ مَنْ ھَجَرَنِیْ بِالْبِرِّ ۔

میں اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آؤں۔ جس نے نیکی چھوڑ دی ہے۔

- وَاُثِیبَ مَنْ قَطَعَنِی بِالْبَذْلِ

اور جس نے مجھے عطا سے محروم رکھا اُسے کچھ عطا کروں۔

- وَاُکَافِیَ مَنْ قَطَعَنِی بِالصِّلَةِ

جس نے مجھ سے قطع رحم کیا اس کے ساتھ میں صلہ رحم کروں

- وَاُخَالِفَ مَنْ اغْتَابَنِی اِلیٰ حُسْنِ الذِّکْرِ

جس نے میری غیبت کی میں اس کی حسن ذکر کے ساتھ مخالفت کروں۔

- وَاَنْ اَشْکُرَ الْحَسَنَةَ وَاُغْضِیَ عَنِ السَّیِّئَةِ

میں نیکی کا شکر یہ ادا کروں اور برائی سے نگاہ چرا لوں۔

مسلمان۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے اسلام اس کو ادب سکھاتا ہے۔ جو اس کو دھوکا دے اُسے یہ بھلائی سے پیش آنے پر مجبور کرتا ہے۔ جو اُسے چھوڑ دے اُسے نیکی سے پیش آئے۔ جس نے اُسے محروم کیا اُسے یہ عطا کرتا ہے یہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہ تو ایک فرد مسلم کو اسلام نصیحت کرتا ہے کہ اس طرح سے پیش آؤ تو پھر تبلیغ کرنے والا اور اصلاح کے علمبردار کی ذمہ داری کیا ہوگی وہ مبلغ اور مصلح جن کا مقصد آزادی یافتہ مسلم ممالک میں فکری استعماری استحصال سے اور جو آزاد نہیں ہوتے۔ ایسی فکری اور عسکری استعماری تسلط سے نجات دلاتا ہے۔

ایسے مبلغین اور داعیوں کو ایسے ہتھیاروں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ موجودہ دور کے آتشی اسلحہ ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بموں سے مسلح افراد کے

مقابلے کے لئے بہترین منفرد ہتھیار ہے۔

اب کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے فضیلت کو چھوا تک نہیں۔ یہ لوگ کہیں گے کہ ارے یہ تو بزدلی، کمزوری اور پستی ہے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ یہ تو بہادری ہے۔ یہ طاقت ہے۔ یہ عظمت ہے۔

۔ لَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَلَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ

حضرت عیسیٰؑ سے روایت وارد ہے۔

آپ کچھ شاگردوں کے ساتھ تیر رہے تھے۔ کچھ یہودی وہاں سے گزرے، انہوں نے آپ کو برا کہا۔ آپ نے ان کے بارے میں اچھا کہا۔ وہاں بعض شاگردوں نے سوال کیا۔

یا روح اللہ۔ یہ لوگ آپ کو گالی دے رہے ہیں اور آپ ان کے بارے میں خیر کی باتیں کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح نے جواب دیا۔ ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے۔ کتنا عظیم فقرہ اور کتنی شاندار حکمت ہے۔

جس شخص میں گالی اور گندگی کے سوا کچھ نہ ہو تو اس سے گالی اور برائی کے سوا کیا برآمد ہوگا۔

اور جو شخص نیکی، حکمت، فضیلت اور بلندی کی خصوصیات رکھتا ہو اس کے منہ سے بھی یہی ادا ہوگا۔

یہی انبیاء کی تعلیم تھی۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مسیحؑ ہو یا کلیمؑ، محمدؐ ہو یا ابراہیمؑ۔

یہی وہ راستہ تھا جس پر وقت کے مصلحین گامزن رہے۔

مادیت، اقتدار، طاقت اور حکومت کی مزاحمتوں کے درمیان سے اپنی

راہ نکال کر منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ جہاں انسان ایک ابدیت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ مقام ہے جہاں دولت اور حکومت آبی بخارات کی طرح فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں یہی وہ مقام ہے جو انسان کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ جس کی روشنی میں انسان زندگی کی اُن تاریکیوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ جو وقت کے سرکش اور ظالموں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے۔

اگر انبیاء اس مذکورہ ہتھیار سے لیس نہ ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ یہ پیغام ابتدائی دور میں دفن ہو جاتا لیکن ذرا امام حسنؑ کے واقعہ کی جانب نظر ڈالئے ایک شامی نے امام حسنؑ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو گالیاں دینے لگا، جب وہ گالیاں دے چکا تو امامؑ اس کے قریب تشریف لائے۔ اس پر سلام کیا اور ہنستے ہوئے فرمایا۔

اے شیخ "اگر تم مہمان بننا چاہو تو ہم تم کو مہمان بنائیں گے۔ اگر کچھ طلب کرنا چاہتے ہو ہم تمہیں دیں گے۔ اگر راستہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہاری رہنمائی کریں گے۔ اگر سواری کی ضرورت ہو تو اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ اگر بھوکے ہو تو ہم سیر کرا دیں گے۔ اگر کپڑے کی خواہش ہو تو وہ بھی مہیا کر دیں گے۔ اگر محتاج ہو تو غنی کر دیں گے۔ اگر تم کہیں سے بھاگے ہو تو ہم تمہیں پناہ دیں گے۔ اور جو بھی حاجت ہو ہم ضرور پوری کریں گے"

جب اس شخص نے یہ باتیں سنیں تو رونے لگا اور کہا:

اَشْهَدُ اَنَّكَ خَلِيفَةُ اللهِ فِي اَرْضِهِ اَللهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ روئے زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اللہ خود بہتر جانتا ہے کہ اس کا پیغام کہاں قرار دے۔

بدی کا بدلہ بدی سے دینے کے بارے میں قصص سیرت انبیاء اور

آئمہ میں حد سے زیادہ ہیں جس کو ہم شمار بھی نہیں کر سکتے۔

اس پاک اور صاف انسانی ہتھیار سے مسلح ہونا صرف ان ہستیوں سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دنیا کے دیگر مصلحین۔ (ریفارمر) حضرات نے ان حضرات سے یہ تعلیم حاصل کر کے بہت فائدہ اٹھایا۔

اس سلسلہ میں صرف مذہبی ادارہ نہیں بلکہ غیر مذہبی تحریکوں نے بھی اس اصول پر چل کر بہت زیادہ فائدہ حاصل کیا۔

ایک قصہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

جیسا کہ ارشاد ہے کہ حکمت مومن کی گم گشتہ اونٹنی ہے جہاں بھی پاتا ہے لے جاتا ہے۔

یہ قصہ گوتم بدھ کا ہے جس کے پیرو، ہندوستان کے مختلف حصوں میں تقریباً ۵۰۰ ملین ہیں۔ جیسا کہ رسالہ (الاخلاق والاداب) میں مذکور ہے۔

برنا، گوتم بدھ کا شاگرد ہے جب گوتم نے برنا کو غیر متمدن، وحشی قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجا تو ان دونوں کے درمیان یوں گفتگو ہوئی۔

گوتم بدھ: جن کی جانب تم جارہے ہو، وہ وحشی قومیں ہیں۔ بڑے سنگدل ہیں۔ ذراسی بات پر غضب ناک ہو جاتے ہیں۔ اگر انھوں نے تمہاری بے عزتی کی اور برا سلوک کیا تو تم کیا کرو گے؟

برنا: میں کہوں گا یہ لوگ حکماء ہیں جو بات کو صرف بات سے ہی کاٹتے ہیں۔ جس نے ان عقائد کو چھیڑا انھوں نے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور مجھ پر پتھر نہیں مارا۔

گوتم: اے برنا۔ فرض کرلو اگر وہ تمہارے منھ پر طمانچہ مارے اور

تمہیں پتھر ماریں تو تم کیا کرو گے ؟

برنا :۔ میں یہ سمجھوں گا کہ یہ لوگ بڑے رعایت کرنے والے ہیں اس لئے کہ انہوں نے مجھے تلوار اور ڈنڈوں سے نہیں مارا ۔ مجھے زخموں سے چور نہیں کیا اور میں نے ان کے احساسات کو مجروح کیا ان کے خداؤں تک کو نہیں چھوڑا ۔

گوتم :۔ اگر وہ ایسا کریں تو کیا کرو گے ؟

برنا :۔ میں اپنی بچی ہوئی زندگی کو غنیمت جانوں گا اس لئے کہ انہوں نے مجھے قتل نہیں کیا ۔ جب کہ مجھ سے پہلے نبیوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا ۔

گوتم :۔ اگر انہوں نے تم سے زندگی چھین لی تو کیا کرو گے ؟

برنا :۔ تو میں اُن کا شکر گزار ہوں گا کہ انہوں نے مجھے قتل کر کے دنیوی دُکھ درد اور جسم کے بوجھ سے نجات دلا دی ۔

گوتم :۔ چلا اٹھے اور ان الفاظ میں شاباش دی ۔

ہاں ! اے برنا تم ان وحشی قوموں کی ہدایت کر سکتا ہے ۔

ان بلند خیالات کے ساتھ گوتم کا پیغام دنیا میں پھیلا ۔ ان کا سلسلہ تبلیغ یوں جاری رہا کہ موجودہ دور میں بھی ان کے معتقد موجود ہیں ۔ اب فرض کر لیجئے اگر گوتم احساسات کو ٹھیس پہنچتے ہی ان کے گھروں پر حملہ کرتے تو نتیجہ کیا نکلتا ۔ پیغام برنا کے قتل پر ختم ہو جاتا ۔

کون سی بات بہتر ہے ۔ آیا سختیوں پر بہتر نتیجہ کی خاطر صبر کرے یا بدلہ لے کر اپنے مقصد کو برباد کرے ۔

حقیقت پسند صاحب مبداء پہلی قسم کو ترجیح دے گا جبکہ دوسرے لوگ

دوسری قسم کو پسند کریں گے۔

ایک اور مثال، بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کی، ایک ایسے شخص کے بارے میں جو کنفیوشوسی ہونے کے حیثیت سے مشہور تھا اُس کے ایک ساتھی نے یہ قصّہ بیان کیا (وہ ہیں محمد علی جناح قائدِ پاکستان)

کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔ بہرکیف چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، ہم تو صرف اس کی نیک صفت کی بناء پر اس کی عزت کرتے ہیں اس لئے کہ دین اسلام، دین اخلاق ہے۔ وہ عدالت کی بناء پر نوشیرواں کو اور سخاوت کی بناء پر حاتم طائی کا احترام کرتا ہے۔

یہ شخص کون ہے جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

وہ ہے ہندوستان کو آزادی دلانے والا۔ گاندھی۔ جو ایک تنگدست گھرانے میں پیدا ہوا اور زندگی فقیرانہ لبسر کی اور کچھ عرصہ لوگوں کی نظروں سے دور رہے۔ باوجود ان باتوں کے وہ سرزمین ہند پر ایک عظیم انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ کامیابی اس لئے حاصل ہوئی کہ وہ ہمیشہ بدی کا بدلہ بہتر سے بہتر نیکی سے دیتے تھے۔ کون جانتا ہے ہوسکتا ہے انہوں نے یہ پیغام قرآن مجید سے لیا ہو۔ کیا وہ ہر صبح قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ ؟

جب کبھی انہیں پیٹا جاتا یا ان پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکے جاتے یا انہیں پتھر مارے جاتے۔ انہوں نے کبھی بھی بدلہ لینے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ تجاوزگر لوگوں کو معاف کر دیا۔ یہی وہ اخلاق تھا جس کے سبب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے مقصد میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ آپ کتاب (تجاربي مع الحقيقة) اور کتاب (عند قدمي غاندي) اور دیگر

کتابوں کو ملاحظہ کیجئے۔ بہرکیف ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے پیش کردہ مثالوں سے بہت بلند ہیں۔ ہمارے پاس قرآنی اسباق اور حضور اکرم صلعم کے بتلائے ہوئے دستور، آئمہ اطہارؑ کے واضح کردہ اصول ہمارے لئے بہت کافی ہیں۔ ہم دیگر مثالوں سے بے نیاز ہیں۔

چنانچہ ہم قرآن اور اُس کے علوم رکھنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بہترین انداز میں عدم تشدد اور امن کا پیغام دیتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ (۱)

(اے رسولؐ) بلا اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں سے اور اُن کے ساتھ مجادلہ کر ایسے طریقے سے جو بہت ہی اچھا ہو۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (۲)

جب اُن سے جاہل مُنھ لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تُم سلامت رہو۔

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (۳)

اور مجادلہ نہ کرو اہل کتاب کے ساتھ مگر اس طریقے سے جو بہت ہی اچھا ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔(۴)

پھر وہ اگر پھر جائیں تو تم کہہ دینا کہ تم گواہ رہنا کہ ہم تو فرماں روا تھے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (۵)

معاف کر دینے کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منھ موڑ لو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (۶)

اور نہ گالی دو اُن کو جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں پھر دشمن بغیر علم اللہ کو گالی دیگا۔

---

(۱) ۱۲۵۔ النحل ۱۶۔ (۲) ۶۳ الفرقان ۲۵ (۳) ۴۶ العنکبوت ۲۹ (۴) آل عمران ۶۴ ۳ (۵) ۱۹۹ الاعراف ۷ (۶) ۱۰۸ الانعام ۶۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (وَشَاوِرْهُمْ) (۱)

بس یہ تو اللہ ہی کی رحمت ہے کہ تو نے اُن سے نرمی برتی اور اگر تو درشت کلام، اور سخت دل ہوتا تو وہ متفرق ہو جاتے تیرے آس پاس سے۔ پس تو اُنھیں معاف کر اور اُن کے لیے استغفار کر۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (۲)

اور انھیں ضروری ہے کہ وہ معاف کر دیں اور در گزر کریں۔ کیا تم دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمھاری مغفرت کرے؟

عدم تشدد کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ انسان برائی کا بدلہ رد نہ کرے بلکہ عدم تشدد کا مفہوم کچھ اور وسیع ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے کنایئے اشارے اور استعارے سے بھی گریز کرے جو اس کے مخالف کو پسند نہ ہوں یہ سب اس لیے انجام دینا ہے چونکہ وہ اپنے پیغام کی کامیابی پر نظر رکھتا ہے۔ کبھی کوئی دردناک منظر یا کوئی بدترین جُرم دیکھ کر انسان اپنے اعصاب پر قابو نہیں رکھتا اور زبان بے لگام ہو جاتی ہے اور تیزیٔ زبان سے دوسروں کو طعنے دیتا ہے۔

یہاں یہ سوچنا چاہیئے میرے پیغام کی کامیابی کس چیز میں ہے۔ زبان کو بے لگام کرنے میں یا صبر؟ ....

اس میں کوئی شک نہیں ہے تجاوز گر کو اُس کے حدود میں محدود کر دینا چاہیے ورنہ معاشرہ میں گڑبڑ پھیلنا ضروری ہے۔ ایک حد تک بُرے شخص کی مذمّت کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے نیکی پھیلانے کیلئے نیک افراد کی حوصلہ افزائی

---

(۱) ۱۵۹۔ آلِ عمران ۳ (۲) ۲۲ النور ۲۴۔

کرنا ہے۔ اس کے لیے ذریعۂ زبان ہے۔ ہاں اگر نیکی کی جانب دعوت دینا عدم تشدد میں منحصر ہو جائے اور حصول مطلب کا قریب ترین راستہ عدم تشدد پر عمل کرنے سے ہو تو اس وقت ہمارے پیش کردہ اصل قاعدہ تقبیح میں استثناء ہوگا اور مناسب یہ ہوگا کہ وہ عدم تشدد پر عمل کرتے ہوئے ہاتھ اور زبان کو اپنے قابو میں رکھے۔

نبوت کے آغاز میں حضور اکرمؐ (مکی زندگی میں) یہی اُن کی سیرت رہی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کیا آپ نے سُنا ہے کہ حضورؐ نے مکّہ کے کافروں سے انتقامی کاروائی کی ہو؟ یا اُن کو بُرا کہنے کے لیے اپنی زبان کو بے لگام کیا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں فرمایا اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان مدِمقابل کی جملہ بُرائیوں پر خاموش ہو جائے اور بُرائی کو بُرا نہ کہے اور لوگوں کو بُرائی سے باخبر نہ کرے یہ تو حقیقت میں تبلیغ کا ایک ستون ہے:-

اس قسم کے پروپیگنڈہ کے دو اہم ستون ہوتے ہیں

۱۔ اپنے دعوی کے خوبیوں کا ذکر کرنا۔

۲۔ اپنے مخالفین کی بُرائیوں کا بیان۔

مخالف کی بُرائیوں کا ذکرنا اور اُس کے ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تشدد پر اُتر آنے میں فرق ہے۔

عدم تشدد قلبی:-

یہ تینوں گذشتہ مرحلوں سے سخت ہے۔ (ہاتھ، زبان اور دل سے عدم تشدد) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دشمن پر تشدد کا خیال دل میں نہ لائے اس لیے اگر دل میں نیتِ تشدد ہو تو انسان کے چہرے اور جسمانی حرکات سے تاثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ "کوئی بھی شخص کسی چیز کا تصوّر دل میں کرلے تو اُس کے چہرے اور زبان سے ظاہر ہونا لازمی ہے۔" انسان اگر ہاتھ اور

زبان سے عدم تشدد پر کاربند ہے تو اُس کو چاہیئے کہ وہ دل کے اعتبار سے بھی عدم تشدد پر مواظب رہے۔ ورنہ اُس شاعر کے شعر کا مصداق بن جائے گا۔

أَمَّا اللِّسَانُ فَمَطْلِيٌّ بِهٖ عَسَلٌ ⁂ أَمَّا الْقُلُوبُ زَنَابِيرٌ وَّحَيَّاتٌ

زبان تو شہد ملی ہوئی میٹھی ہے ــــ رہ گیا دل تو سانپ اور زنبور سے بھرا ہے

دل میں تشدد کو کب تک چھپایا جاسکتا ہے ایک نہ ایک دن اُس کا اظہار ہوگا۔ جیسا کہ شاعر کا کلام ہے

لِلسِّرِّ نَافِذَتَانِ ⁂ اَلسُّكْرُ وَالْغَضَبُ :-

دل سے راز برآمد ہونے کے لیے دو راستے ہیں۔ نشہ اور غصّہ۔

دل کی باتوں کو چھپانا بہت مشکل ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے

وَمَهْمَا يَكُنْ عِنْدَ امْرِءٍ مِنْ خَلِيقَةٍ ⁂ وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَىٰ عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

انسان کا جیسا بھی اُس کا اخلاق ہو جتنا بھی چھپانا چاہیئے لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے۔

عدم تشدد قلبی اس طرح سے ہو کہ انسان کا دل ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں کسی کو اپنا دشمن نہ جانے یہ ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جو جد و جہد مسلسل کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے پھر تو پہاڑ ٹل جائے وہ جنبش نہیں کھاتا۔ جب انسان دل کے اعتبار سے عدم تشدد پر قائم رہے تو اُسے ہاتھ اور زبان سے عدم تشدد پر عمل کرنے میں مزید کسی جد و جہد کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہاں تمام انبیاء اور دنیا کے مشہور مُصلحین کا دستورِ حیات رہا اور ہم اب دیکھتے ہیں اس دستور کو پائمال کیا گیا ہے اور کیا جارہا ہے۔ ہمارے نبیٔ اکرمؐ کے سامنے ان کے چچا کے قاتل (وحشی) کو لایا جاتا ہے جس نے حضور اکرمؐ اور اسلام کے ایک اہم ستون کو گرایا تھا۔ حضور اکرمؐ اُس کے اسلام کو قبول فرماتے ہیں اس طرح ابوسفیان بھی آتا ہے، حضورؐ دوسرے لوگوں کے مانند اُسے بھی

کشادہ دلی سے اپنے قریب کرتے ہیں۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اسلام کے خلاف میں سازش کی سرپرستی کی۔ مکہ کے مشرکین نے حضورؐ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی مگر حضورؐ ان کے حق میں دست بہ دعا رہے بد دعا نہیں فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اَھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

اے اللہ میرے قوم کی ہدایت فرما بے شک وہ جانتے نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ سے یہ پیغام بیان کیا جاتا ہے کہ فرمایا:۔

"اَحِبّوا اَعْدَائکُم" اپنے دشمنوں سے محبّت کرو۔

یہ جملہ دل کو کھینچنے والا ہے دل ہی تو محبّت کا گہوارہ ہے۔ ہم کس کو چاہیں ہاں اپنے دوستوں کو؟ یہ تو فطری بات ہے دوست کو تو ہر ایک چاہتا ہے۔ ہمیں اپنے دشمنوں سے بھی محبّت کرنا چاہیے یہی انبیاء کا پیغام اور شعار ہے۔ اس لیے عدم تشدد یا محبّت کے دو عمدہ پھل ہیں۔

(۱) راحت نفس:۔ وہ انسان جو کسی کو ناپسند کرتا ہے یہ صفت اُس کے نفس میں اثر انداز ہوتی ہے اور اُس کی روح کو رنج بھر دیتی ہے۔ آنکھوں سے راتوں کی نیند اڑا دیتی ہے وہ اس بے حد تھکا دینے والے احساسات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے دشمن سے محبت کرتا ہے وہ آرام کی نیند سوتا ہے ہر طرف سے آسودگی اُسے گھیرے میں لے لیتی ہے صحت وسلامتی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ عمل معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے افراد چاہے وہ داعی ہوں یا نہ ہوں سب کے لیے باعث تسکین روح ہے۔ داعی کے لیے دوسری شق بھی لازمی ہے۔

(۲) پیغام کی کامیابی: جب انسان اپنے دشمن کو چاہے تو اُس نے یقیناً قلبی عدم تشدد کو اپنایا جس کے سبب دونوں میں قربت کا پیدا ہونا ضروری ہے

جب وہ باہم نزدیک ہو گئے ہو سکتا ہے اس کا دشمن اس کے پیغام کو سُننے کو تیار ہو جائے پھر رفتہ رفتہ وہ پیغام سے متاثر ہو کر قبول بھی کر لے اور اُس کی دشمنی گہری دوستی میں بدل جائے۔ ایسا بہت ہو چکا ہے اگر دعوت دینے والا ان اصولوں پر عمل پیرا ہو اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہے؟

اس عدم تشدد پر کاربند رہنے کے لیے شروع ہی میں دشمن کے لیے غائبانہ دعا کرنی چاہیے اور وقت ملاقات اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھ کر رنجش کے آثار چہرے پر لائے بغیر اُسے سلام کرے، اُس کا احترام کرے، کوئی ہدیہ یا تحفہ لیکر جائے۔ انسانی نقطہ نظر میں یہ طریقہ ایک احسن پہلو ہے اور اس زاویہ سے وہ مستحق تعریف ہے۔ پس پشت بھی اُس کی تعریف کرے۔ اس عمل سے دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس میدان کا پہلوان کون ہے؟ باشعور مبلغ جسنے قلبی عدم تشدد کو اپنایا۔

نظام حکومت اور حکومتی ڈھانچہ

اسلام انسان کی عقل، روح، بدن، جذبات، مسرت، غضب، نقص اور کمال پر محیط ہے۔ اسلام کائنات کی ہر انسانی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ مثلاً ہوا سانس لینے کے لیے۔ پانی پیاس بجھانے کے لیے۔ مٹی رہائش کے لیئے زمین کاشتکاری کے لیے۔ حرارت انسان کے دیگر مقاصد کے لیے اور وہ سب کچھ جو انسان اپنے آرام اور راحت کے لیے جمع کرتا ہے ان سب پر اسلام کی نظر ہے۔ پھر انسان اپنے فطرت کے تقاضے سے یہ بخوبی جانتا ہے کہ وہ تنہا نہیں بلکہ اجتماعی زندگی گزارنا اس کے لیے ضروری ہے۔ وہ سوسائٹی میں رہ کر ایکدوسرے کے ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ نانبائی اپنے کام میں، کاشتکار آٹا پیسنے والے کیطرف محتاج ہے پھر وہ اسٹور کرنے والے کاریگر خریدار کی طرف محتاج ہے پھر وہ

کپڑا سینے کے لیے درزی کی جانب مکان بنانے والے معمار، بڑھی اور بچوں کو تعلیم دینے والے اُستاد کی جانب محتاج ہے۔ اسی طرح بڑھی اپنے دیگر ضروریات میں دوسروں کا محتاج ہے اسی طرح ایک درزی ایک معلّم ایک راج اپنے دیگر ضروریات میں دوسروں کا محتاج ہے۔

انسانی وجود میں شہوت، غضب فائدہ حاصل کرنے اور ضرر کو اپنے سے دور رکھنے کا فطری جذبہ موجود ہوتا ہے اس پر اسلام کی گہری نظر ہے۔

پھر انسان کے لیے پناہ گاہیں محدود ہیں اور مصائب و آلام لا محدود مثلاً اقتدار پر تسلط، جو ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے۔ مگر اقتدار ہر کسی کے لیے قابل حصول نہیں ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایک خاص مقام ملے جو بہت اعلیٰ اور ارفع ہو وغیرہ وغیرہ۔

پھر دکھ و درد اتنا ہی زیادہ ہے جس قدر کہ وہ لوگ جو ان اشیاء کے حصول کے لیے کوشش کے باوجود محروم رہتے ہیں۔

اسکا علاج کیا ہے؟

علاج کے دو اہم طریقے ہیں:-

پہلا طریقہ علاج: ثواب اور عقاب کا تصور جس سے انسانی خواہشات محدود ہو جاتی ہیں اور انسان کی ضروریات زندگی کی طرف خود غرضانہ طور پر مائل ہونے سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ اس موضوع کو دنیا کے جملہ ادیان نے عمومی طور پر اور اسلام نے خصوصی طور پر اہمیت دی ہے چنانچہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے آپ بیشتر آیات میں اہل خیر جو زمین میں بلندی اور فساد کے خواہش مند نہیں ہیں اُنھیں خوشخبری دیتا ہے اُن کے لیے ایک لازوال نعمت موجود ہے اور اہل شر کو انھیں گناہوں کی پاداش میں جہنم کی آگ کا سامنا ہوگا۔

یہ تصور ثواب وعقاب بہت سے انسانوں کو ارتکاب جرم سے روک دیتا ہے جیسا کہ یہ ہمارا مشاہدہ ہے۔ جب غور سے دیکھیں تو آپ ان لوگوں کے نسبت جنھوں نے الحاد کو اپنی زندگی کے لیے اپنایا اور جنھوں نے اسلام کو اپنایا تو جنھوں نے اسلام کو اپنایا ہے ان میں بُرائی بہت کم نظر آئے گی۔ یہ ایک علاج جس کی جانب جملہ ادیان عالم نے آسمانی وحی کے ذریعے خاص توجہ دی جو ایک تفصیل طلب امر ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے

دوسرا طریقہ علاج: انسان کو بُرائیوں اور خواہشات نفسانی کے حصول کیلئے ٹوٹ پڑنے سے روکنے کے لیے جو علاج تجویز کیا گیا ہے وہ حکومت کا ڈھانچہ ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام ہی کے لیے خصوصیت نہیں ہے بلکہ حکومت کے ڈھانچہ کا قیام تو بشر کے ضروریاتِ حیات میں شامل ہے چنانچہ چاہے وہ ترقی یافتہ قوم ہو یا ترقی پذیر سب اس پر کاربند ہیں۔

فرق صرف اسمیں ہے کہ اسلام اپنی بلند علم وحکمت کے بنا پر بقدر کفایت حکومت کے خاکہ کو ترکیب دیتا ہے اس کی نظر حکومت کے مشنری پر ایسی ہی ہے جیسے اس کی نگاہ ایک نانبائی اور خردہ فروش دوکاندار پر ہے۔ جیسا اگر مقامی طور پر شہر میں ضرورت سے زیادہ ایک نانبائی ہو جائے تو وہ معاشرہ پر ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے مشنری میں موجودہ افراد اگر قدر ضرورت سے زیادہ ہو تو باعث فتنہ وفساد ہوگا۔

اس کے برخلاف موجودہ زمام اقتدار سنبھالنے والے حکومت کے ڈھانچہ میں حیرت ناک اضافہ کرتے ہیں اور اس کے دائرہ کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں دائرہ وسیع کرتے ہیں اور پسماندہ ملکوں میں دائرہ کو تنگ کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مصائب وآلام میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ترقی پذیر

ملکوں میں بھی بے چینی کا سبب ہوتا ہے۔

ایک سادہ مثال پیش کی جاتی ہے جو مطلب کو واضح کرنے میں مدد دے گی۔ آپ اگر دنیا کی کسی بھی قوم سے یہ دریافت کریں کہ آپ کس دکھ اور تنگی میں مبتلا ہیں؟ اس کا ایک ہی جواب ہوگا۔ برسر اقتدار حکومت کی سختیاں چاہے طرز حکومت مشرقی ہو یا مغربی یا اور کچھ! ایسا کیوں؟

اس لیے کہ حکومت کے ڈھانچے نے اس قدر پھول کر اپنا جسم بڑھالیا ہے کہ قابل برداشت نہیں ہے۔ انسان اپنے ہر حرکت و سکون اپنے مرنے اور جینے تک کے لیے حکومت کے پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ اس کے برعکس ــــ اسلام کے پیغام سے پہلے جزیرہ عرب پر ایک نظر ڈالیں تو ہر طرف فتنہ وفساد کا بازار گرم نظر آتا ہے ہر طرف آتش جنگ کے شعلے بھڑکتے دیکھائی دیتے ہیں۔ اصل وجہ کوئی خاص حکومت کا نہ ہونا تھا جو زمام حکومت ہاتھ میں لے کر امن وسکون فراہم کرتی۔

اسلام کی خاص نظر برسر اقتدار حکومت کے ڈھانچہ پر ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور ضرورت سے کم بھی نہ ہو اور یہ قدیم سے محاورہ چلا آرہا ہے "کسی شئی کا ضرورت سے زیادہ ہونا خود ایک نقص ہے" اس بنیاد پر اسلام نے حکومت کے ڈھانچہ کو خاص طور سے ترتیب دیا تاکہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور نہ ضرورت سے کم ہو یہ سب اس لیے کہ اُس نے مقدار ضرورت پر پہلے نظر ڈالی پھر حکومت کا ڈھانچہ بنایا۔

اسلام کے نزدیک حکومت مشکلات کو حل کرنے کا ذریعہ ہے نہ کہ پریشانیوں میں اضافہ کرنے کا۔

اسلامی حکیمانہ طرز حکومت کے تحت ماضی میں عوام اور حکمران سب امن و

آشتی، خوشبختی اور سلامتی سے زندگی گذارتے تھے۔

یہ ایک رُخ تھا۔

دوسرے جانب سے اسلام حکومت کے ڈھانچے پر کڑی نظر رکھتا ہے۔ ایسا محاسبہ اور نظر جس کی مثال کم ملتی ہے وہ کڑی نظر تقویٰ ہے۔ اسلام حکومت کے ڈھانچہ میں عدالت کو لازمی شرط قرار دیتا ہے۔ عدالت وہ نفسانی صفت ہے جس کے نفس میں پائے جانے سے انسان سے ایسے نیک اعمال وجود میں آتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے اور یہ بات مُسلّم ہے اللہ کی رضا انسانوں کے درمیان صحیح عدالت کے قیام میں ہے جس کے نتیجہ میں ظلم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اسلام کے علاوہ حکومتوں نے اس صفت میں غفلت برتی ہے۔ اُن کے نزدیک حکمراں طبقہ کے لیے ڈگری وغیرہ کو کافی سمجھا گیا۔ اب بتلایئے کون انہیں ظُلم کرنے سے روک سکتا ہے اگر کوئی طاقت ہے تو وہ انسانی ضمیر ہے اور حقیقی ضمیر صرف ایمان والے قلب ہی میں قدآور اور پھلدار ہوتا ہے۔

یا دوسرا ذریعہ لوگوں سے ڈر ہے اور اس کا بہت کم لوگوں پر اثر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے ڈر کر سیدھا راستہ اختیار کریں۔

یقیناً انسان کے حرکت وسکون پر اُس کے داخلی سرزنش اور محاسبہ اس خوف سے بہتر ہوگا جو حکمرانی زندگی کے چند پہلوں پر نظر انداز ہو۔

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے :۔

اسلامی حکمراں طبقہ جو اسلام کے بیان کردہ اصولوں پر عمل نہ کرتا ہو اور تقویٰ کو شعار نہ بناتا ہو اور غیر اسلامی حکمرانوں کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب :۔ اسلام کا پیش کردہ خاکہ حکومت کے لیے محدود اور معین ہے۔ اب اگر کوئی حد سے تجاوز کر جائے یا کوئی کمی کرے اس میں اسلام کا کوئی قصور نہیں

ہے اسلام کا نظام حکومت اپنے حدود کے ساتھ موجود رہے گا اور اس کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں اسلامی حکمرانوں کا زمانہ جو ۱۳سو سال سے ہے اس میں جو سکون اور خاموشی نظر آتی ہے وہ سکون مغربی نظام کے تسلط کے پچاس برس میں نہیں دیکھائی دیتا ہے۔ اس تھوڑے سے عرصے میں مغربی نظام کی وجہ سے زمین جرائم تباہی اور بربادی کی آماجگاہ بن گئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

تو اسلامی نظام کی خصوصیات :

(۱) ضرورت کے مطابق حکومت کے ڈھانچہ مرتب کرنا۔ نہ زیادہ، نہ کم۔

(۲) حکمراں طبقہ کا اللہ اور روز جزاء سے مضبوط اور مستحکم رشتہ۔

یہ دو خصوصیتیں ایسی ہیں جس کی وجہ سے ایک صحیح حکومتی ڈھانچہ وجود میں آتا ہے۔ اس طرح حکمراں طبقہ صحیح راستہ اپناتا ہے۔ حکومت میں شامل افراد کسی طرح بھی حق وانصاف سے دور نہیں ہوسکتے چنانچہ اسلامی دور حکومت میں یہ خصوصیتیں نمایاں نظر آتی ہیں اور جب کبھی غلط راستہ پر چلے بھی گئے پھر واپس اپنے حدود کی جانب پلٹ بھی آئے۔

اسلام کے علاوہ حکومتی طبقہ میں حکمراں طبقہ اپنے وجود میں ہوا بھر کر حجم بڑھاتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ لوگوں کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ اور روز آخرت کے تصور کو ختم کردیتی ہے۔ داخلی اور بیرونی کوئی محاسبہ کرنے والا نہیں ہوتا ہے جس کے سبب کوئی بھی بگڑا ہوا کام درست نہیں ہوتا۔

ایسے نظام حکومت میں جو روز بہ روز پھولتا جائے اور منحرف ہوتا جائے عام لوگوں کی زندگی کیسے گذرتی ہوگی ؟

آج روئے زمین پر بسنے والی تمام قوموں کو یہی شکایت ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس دور میں ہر ملک کے عوام اپنی بے چینی کے سبب خاص صدر مملکت،

حکومتی مشنری یا نظام حکومت کو قرار دیتے ہیں اب وہ لوگ اپنے اعتقاد اور خیال کے مطابق کجی کو دور کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور اس صدر کو معزول کرکے دوسرے کو لے آتے ہیں یا پورے حکومت کے ڈھانچہ کو بدل دیتے ہیں اس کے لیے وہ انقلاب کا سہارا لیتے ہیں۔ اس طرح عوام موجودہ نظام دوسرے نظام حکومت سے بدلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر تھوڑی دیر بعد عوام کو پتہ چل جاتا ہے بعد میں آنے والے اور جانے والے میں کوئی فرق نہیں ہے قارورہ دونوں کا یکساں ہے وہ بھی اگر دوسرا آنے والا دھوکہ دہی قید و بند اور خون بہانا معمول نہ بنائے ایسا اکثر دیکھا گیا۔

وہ نئے آنے والے کے پاس اپنا کھویا ہوا مدّعا نہیں پاتے۔ عوام بھی اس نئے آنے والے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ توڑ پھوڑ دھنگہ فساد کا بازار گرم ہو جاتا ہے پھر تیسرا شخص دوسرے کی جگہ تمام صفتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتا ہے مصائب و آلام میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے ....

عوام درحقیقت غفلت میں ہیں۔ ہر وہ صدر مملکت ہر وہ حکومتی مشنری ہر وہ نظام جس کا سرچشمہ اسلام نہ ہو وہ یقیناً وہ (مردار) کی طرح پھولتا اور ٹیڑھا ہوتا جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں صدر یہ ہو یا وہ، نظام یہ ہو یا دوسرا ڈھانچہ حکومت کا یہ ہو یا کوئی اور۔

اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جو لکڑی کے بانس کا گھوڑا بنائے دوڑتا جاتا ہے جس قدر دوڑتا تھکتا جاتا اور دوسرے بانس کو بدل کر پھر سوار ہوتا ہے تو اس کے تھکن میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ سوار ہونے والا غافل ہے صرف لکڑی کے گھوڑے کو بدلنے سے اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا اس کے حصولِ مطلب تک کے لیے روح اور حرارت کی ضرورت ہے۔

میرے پاس موجودہ دور میں عوامی اضطراب اور بے چینی کی مثالوں کا ایک طومار ہے جس میں حکومتوں کی تبدیلی کے باوجود وہ شکنجوں میں کسے جاتے رہے ان حالات سے باخبر ہونے کے لیے اسلامی مملکتوں میں ہونے والے انقلابات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے موجودہ دور کے عوام کی حالت ایسی ہے۔

وَاِنْ مَنْ صَادَ عَقْعَقاً لَمَشُوْم   کَیْفَ مَنْ صَادَ عَقْعَقَیْنِ وَبُوْم

جس نے ایک عقعق پرندہ کا شکار کیا تو نحوست قرار پایا۔

پر اُس کی نحوست کا کیا عالم ہوگا جس نے دو عقعق اور ایک اُلّو کا شکار کیا ہو۔

دوسرا شاعر کہتا ہے

وَرُبَّ یَوْمٍ بَکَیْتُ فِیْہِ وَلَمَّا   صِرْتُ فِیْ غَیْرِہٖ بَکَیْتُ عَلَیْہِ

بہت سے دن ایسے گزرے جس میں رو رہا تھا اب دن ایسے آئے اس دن پر رو رہا ہوں ـــــــ

۳۔ فطرت انسانی کے دو رخ ہیں:

(الف) آزادی (ب) پابندی

ایک طرف سے وہ مطلق آزادی کا خواہشمند ہے اور دوسری جانب سے وہ اپنے ہم جنس انسانوں کے زندگی کے تمام شعبوں میں پابندی کو اختیار کرتا ہے۔ اگر انسان آزادی کے وسیع معنوں میں مطلق العنان ہو جائے تو وہ اپنے کو نقصان پہنچائے گا اور دوسرے بھی محفوظ نہ رہیں گے اور اگر پابندی بھی انتہا کو پہنچ جائے تو انسان اپنے حقیقی فطری حُسن و جمال کو کھو دیتا ہے اور اس کی حالت تھان پر بندھے ہوئے جانوروں سے بدتر ہوتی ہے۔

حکمران طبقہ کو دونوں طرف عدل و انصاف سے کام لینا چاہیئے اگر آزادی پر پہرے بٹھا دیے گئے تو بدبختی کا باعث ہوگا اور اگر مطلق العنان چھوڑ دیا جائے

تو باعث فساد ہوگا۔

اسلامی حکمرانی میں موجودہ طبقہ ان دونوں رخوں کا نہایت باریکی سے جائزہ لیتا ہے۔ تمام انسانوں کو تجارت، زراعت، صناعت اور ثقافت وغیرہ میں مکمل آزادی دینے کے ساتھ ان تمام امور کو شرافت وانسانیت کے دائرہ میں پابند کرتا ہے۔ بُرائی، بے حیائی، غیبت، چغلخوری وغیرہ کو سختی سے منع کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام نے اپنی حکیمانہ تدبیر اور فکر سے قوموں کو افراط اور تفریط سے نجات دلائی نہ اتنی آزادی دی کہ مُصیبت کا سبب بنے اور نہ اس قدر قید وبند میں قرار دیا کہ انسانی زندگی پابند سلاسل ہو جائے۔ غیر اسلامی طرز حکومتوں میں ہر بُرائی کی کھلی چھٹی ہے۔ معاشرہ نشہ آور اشیا کا استعمال، بدکرداری، بداخلاقی اور بے حیائی پر کوئی پابندی نہیں ہے ہاں تجارت، سفر، رہایش اور آبادکاری جیسے مفید اعمال پر پابندی اور قیود موجود ہیں۔

ان نظامہائے حیات کے دور حکومت میں انسان اس قسم کی آزادی اور پابندی سے فریاد کرتا ہے۔ اسلامی حکومت میں ایسا نہیں بلکہ دونوں رخوں پر عادلانہ اور منصفانہ قانون کی وجہ سے انسان زندگی کے خوشگوار دن گذارتا ہے حقیقی آزادی اور انسانی حدود سے مستفید ہوتا ہے۔

۴۔ اسلامی نظام کی چوتھی خصوصیت جو دوسرے نظام زندگی میں نہیں ہے وہ سزا کا طریقہ:

اسلام نے مقررہ حدبندی کو توڑنے والے کو خاص سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ ارتکاب جرائم کرنے والے پاداش عمل کو پالیں اور خود اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ غیر اسلامی نظام میں اس جانب اہمیت نہیں دی گئی ہے اُنھوں نے سزاؤں میں کمی رکھی جس کی بناء پر پیشہ ور مجرم ارتکاب جرائم کے بعد آزاد گھومتے

پھرتے نظر آتے ہیں۔ ایک سادہ مثال مطلب کی وضاحت کے لیے کافی ہے:۔

قتل کرنے کی سزاء اسلام میں موت ہے۔ جیسا کہ قرآن کا حکم ہے:
(وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ) اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے صاحبان عقل (۱)

جب قاتل پاداش قتل میں مارا جاتا ہے تو پھر کسی دوسرے کو قتل کرنے کی ہمّت نہیں ہوتی ہے۔ قاتل کی سزاء کے بعد بہت کم لوگ قتل کے جرم میں ملوث ہوتے ہیں۔ کون ایسا ہوگا جو کسی کو قتل کر کے خود بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر راضی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے اسلامی نظام کے دوران بہت کم قتل کے واردات ہوئے ہیں۔

غیر اسلامی نظام حکومت میں قاتل کو صرف قید کی سزاء دی جاتی ہے یہی وجہ ہے ایک شخص کئی قتل کے کیس میں ملوث ہوتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ مجھے اس گھناونے جرم کے بعد صرف قید ہونا ہے، اور بعد میں معافی نامہ، رہائی کے لیے وکیلوں کی بھاگ دوڑ ہوگی کم سے کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ قید کی مدّت میں کمی کروا دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ قتل کے واردات میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔
اسلامی نظام کی چوتھی خصوصیت کا اتمامی پہلو یہ ہے ـــــ اسلام جس طرح جرائم کی روک تھام کے لیے سخت سے سخت سزائیں مقرر کرتا ہے وہاں موجودہ نظام کے نزدیک جو جرائم مانے جاتے ہیں ان کو جرم کی حیثیت نہیں دیتا۔ چنانچہ آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ان نظاموں نے بہت سے انسانی اعمال کو جرائم کی فہرست میں شمار کر دیا ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی اجیرن بن گئی جبکہ اسلام ان فرضی جرائم کی حیثیت کا قائل نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۷۹، البقرۃ ۲۔

آغاز اور انجام حکومت

اسلامی نظام حکومت میں ایک رئیس اعلیٰ ہوتا ہے جو زمام حکومت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالتا ہے۔ یہاں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تمام ممالک کے لیے ایک ہی فرمانروا ہو ہوسکتا ہے وہاں مختلف حکمراں حکومت کریں اور یہ کیفیت اس دور میں ہے۔ جب رسول اور امام کا زمانہ نہ ہو یا اگر اسلام کی حفاظت کے لیے اتحاد کی ضرورت نہ ہو ورنہ ایسا دور آجائے تو پھر ایک ہی حکمراں حکومت کرے گا۔

سربراہی حکومت کے لیے ضروری ہے چاہے وہ ایک ہو یا زیادہ اپنی صلاحیتوں کو خدا سے بتوسط امام علیہ السلام حاصل کرے اور امام بھی اکتساب کمال نبی سے کرے، جو خود خدا سے فیض حاصل کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک تمام کائنات کا تنہا مالک خدا ہے کسی غیر کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں ہے۔

لوگوں پر حکومت کرنا اہم امور میں سے ایک ہے جو بغیر اس کی اجازت کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اُس کی ذات سے اجازت حاصل کرنے کا ذریعہ وہ امام ہے جسے اذن حاصل ہو۔ یہ اذن امام نے رسول اکرم (ص) سے حاصل کیا، جو خود اللہ کے جانب سے مامور تھے۔

اب کسی کا بغیر اجازت اور قابلیت لوگوں کی گردن پر مسلط ہو جانا وہ خواہ حکومت کی باگ ڈور عوام کی اجازت سے ہو جیسے ڈیموکریسی میں ہوتا ہے یا ان کی رضا کے بغیر زبردستی ہو جیسے بیوروکریسی اور ڈکٹیٹرشپ میں ہوتا ہے۔ قطعاً یہ دونوں حکومت کی قسمیں اجازت یافتہ نہیں ہیں انھیں عوام پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ شریعت کے خلاف ہوگا۔

اسلامی شریعت میں طرز حکومت

(۱) قانون صرف وہی رائج ہوگا جو خدا نے قرار دیا۔

(۲) قانون عوام کی فرمائش کے شمولیت کے ساتھ۔

اوّل پر قرآن، سُنّت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: (وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[1]) جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے تحت فیصلہ نہ دیں وہ کافر ہیں۔
نیز ارشاد ہے (وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[2])

جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) پر فیصلہ نہ دیں وہ فاسق ہیں۔

اور نیز ارشاد ہے: (وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[3]) جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (قانون) پر فیصلہ نہیں دیتے وہ ظالم ہیں۔

اللہ کی جانب سے معین کردہ قانون کے خلاف چلنا ایسا ہی ہے جیسے موٹر گاڑی سڑک کو چھوڑ کر فٹ پاتھ پر چڑھ جائے تو یقیناً ہلاکت سامنے ہے۔
(فسق پھر ظلم پھر کفر پر)

حدیث سے دلیل:۔

ارشاد معصومؑ ہے "اُس شخص کی جانب دیکھو جو ہماری احادیث سے واقف ہے ہمارے حلال اور حرام پر اُس کی نظر ہے ہمارے احکامات کو جانتا ہے ایسے شخص کو اپنا حاکم بناؤ بے شک میں نے ایسے شخص کو تم پر حاکم بنا دیا ہے۔"

---

(۱) ۴۴۔ المائدہ ۵ (۲) ۴۷ المائدہ ۵۔ (۳) ۴۵ المائدہ ۵۔

اجماع سے دلیل :۔

اس بات پر اجماع قطعی ہے کہ حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے وہ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے یہ جاننا ضروریات مذہب میں شامل ہے۔

دلیل عقل :۔

عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ بندہ آقا کی اجازت کے بغیر اُس کی ملکیت میں تصرف نہیں کرسکتا۔

عوام کی رضا کی شمولیت کے بارے میں :۔

ارشاد الٰہی ہے (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى[۱]) شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ[۲]

اس شعر میں جو منسوب ہے امیرالمومنین حضرت علی (ع) کی جانب

فَاِنْ كُنْتَ بِالشُّوْرٰى مَلَكْتَ اُمُوْرَهُمْ ۔ فَكَيْفَ بِهٰذَا وَالْمُشِيْرُوْنَ غُيَّبٌ

(اے برسراقتدار آنے والے) تو نے اگر حکومت مجلس شوریٰ کے ذریعہ حاصل کی ہے تو یہ کیسے ہوا جبکہ مشورہ دینے والے افراد موجود نہ تھے۔

وَاِنْ كُنْتَ بِالْقُرْبٰى حَجَجْتَ اُمُوْرَهُمْ ۔ فَغَيْرُكَ اَوْلٰى بِالنَّبِىِّ وَاَقْرَبُ

اور اگر تو نبیؐ سے رشتہ داری کی بنا پر حکومت کا حقدار ہوا تو تیرے علاوہ لوگ ہیں جو رشتہ میں نبیؐ سے زیادہ قریب ہیں۔

امام (ع) حکمرانی کو منحصر کرتے ہیں دو صورت میں :

(۱) رسول اکرم (ص) سے قرابتداری یعنی وہ امام جو نبی (ص) کی جانب سے معین کردہ ہو۔

(۲) مجلس مشورہ کی کثرت رائے سے :

جیسا کہ ہر انسان کو اختیار حاصل ہے کہ جس عادل امام کے پیچھے نماز پڑھے،

---

(۱) ۳۸ الشوریٰ ۴۲۔ (۲) ۱۵۹ آل عمران ۳۔

جس مجتھد کی تقلید کرے اور جس قاضی کے پاس فیصلہ کے لیے چاہے جائے۔ اسلام کے معین کردہ دائرہ میں رہ کر اللہ کی جانب سے یہ آزادی حاصل ہے۔ اسی طرح انسان کو اختیار ہے وہ کسی بھی مجتھد جامع شرائط کو اپنا حکمراں بنالے اسی کی جانب گذشتہ حدیث میں تبلایا کہ (اس شخص کی جانب دیکھو...) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حاکم کا انتخاب لوگوں کے ہاتھ میں ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ اسلام کے معین کردہ دائرہ کے اندر رہو۔

یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں :۔

(۱) انتخابات میں کیا اقلیت کے حقوق پامال نہیں ہوتے؟

(۲) ووٹرز (رائے دھندگان) میں ایک مفکر عالم اور ایک عام مزدور دونوں ووٹ ڈالنے میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

(۳) کیا عورت کے لیے ووٹ کا حق ہے؟

(۴) آیا وہ حکمراں ہو سکتی ہے؟

(۵) آیا ووٹ ڈالنے کا حق ہر انسان کو حاصل ہے یا صرف بالغ افراد کو؟

(۶) رئیس مملکت کی مدت حکومت کتنی ہے؟

(۷) آپ انتخابات کی بات کیسے کرتے ہیں جبکہ اسلام میں اس چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔

(۸) پھر حضرت علی (ع) کے اس قول کا کیا ہوگا جس میں وہ فرماتے ہیں (میرا مجلس شوریٰ سے کیا تعلق؟)

(۹) انتخابات کی شرائط اور خصوصیات کیا ہیں؟

جواب : (۱) جب بات منحصر ہو جائے اقلیت کے حقوق کی پامالی اور اکثریت کے حق کی بحالی میں تو اس صورت میں دیکھنا یہ ہوگا کہ بہتری اور برتری اور

اور اہمیت کس کو حاصل ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ اس نظام کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہے۔ جس میں حقوق کی بحالی ہو اور دفع ظالم ہو سکے؟ پھر عوام خود اپنی مرضی سے اس نظام کو پسند کرتے ہیں اس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہے۔

(۲) کا جواب یہ ہے کہ لوگ اصل میں بالکل برابر ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایسا ہی انھیں خلق فرمایا ہے دوسری بات یہ ہے کہ معیار فضیلت ناپنے اور تولنے کا کوئی میزان نہیں ہے۔

پھر لوگوں کے امور میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں کوئی فرق نہیں ہے چاہے عالم ہو یا جاہل جبکہ اس کی اجازت حاصل ہو۔ اور یہ بھی تو دیکھئے میدان جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کے تقسیم میں مساوات کو برقرار رکھا ہے اس میں بہادر یا بزدل کے درمیان فرق نہیں رکھا۔

اور آپ نے اس بات کو ملاحظہ نہیں کیا کہ قدرت نے حدود و تعزیرات اور قصاص میں مساوات کو برقرار رکھا ہے اس لیے عالم اور جاہل میں کوئی فرق قرار نہیں دیا۔ خود دیکھئے کیا قدرت نے قانون کے سامنے تمام مسلمانوں کو برابر قرار نہیں دیا؟ کیا حضرت علیؑ کی تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ آپ (قَاسِمٌ بِالسَّوِیَّۃِ) برابر تقسیم کرنے والے تھے۔

کیا محکمہ انصاف کے سامنے ہر شخص برابر نہیں ہے؟

ان کے علاوہ شرعی مثالیں ہیں جنھیں عقل اور عرف عام سے پہچانا جاسکتا ہے

(۳) جی ہاں عورت کو ووٹ کا حق ہے اس لیے کہ حکومت اس کے امور میں تصرف کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ووٹ کا حق نہ ہونے پر اپنی مرضی سے امام جماعت، مرجع تقلید اور قاضی کے انتخاب کا اختیار رہے۔

(۴) سوال ۴ کا جواب یہ ہے عورت کو حقِ حاکمیت اور ریاست نہیں

ہے اس کی وجہ عورت کی فطری خاصیت کی بناء پر ہے وہ جذبات کا فوری غلبہ ہے جس کی بناء پر وہ اس منصب کے فرائض کو ادا نہیں کر سکتی ہے۔

اسی لیے ہم دنیا کی تاریخ میں عورت کو اس منصب پر نہیں دیکھتے سوائے چند ضروری حالات کے بنا پر یہ منصب سونپا گیا ہو جو شاذ و نادر ہے اسے عورت کی شان میں تنقیص نہیں بلکہ اس کی فطری صفت کی بناء پر چونکہ اس پر عقل کا کم، جذبات کا زیادہ غلبہ رہتا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ اپنا فریضہ ادا کر سکے۔ مرد پر جذبات کا کم عقل کا غلبہ زیادہ ہے تاکہ قدرت نے جن کاموں کو اسکے سپرد کیا ہے بجا طور پر عمل میں لائے۔

سوال ۵ کا جواب یہ ہے کہ انتخابات میں شرکت ہر انسان کا حق ہے یہاں تک کہ بچہ کو بھی اس کے ولی کے ذریعہ انتخابات میں حصہ لینے کا حق ہے اس لیے کہ انتخابات کا اثر اس پر بھی ہوتا ہے (اور اسلام میں کسی کا حق تلف نہیں کیا جاتا) اس باپ کے لیے جس کے تین بچے ہوں چار ووٹ کا حق ہے وغیرہ

سوال ۶ کا جواب:۔ صدر مملکت کے لیے مدت کے تقرر میں حد بندی نہیں ہے وہ اُمت کے صوابدید پر ہے ہاں اگر صدر مملکت طے شدہ شرائط سے خارج ہو جائے تو وہ حکومت سے فوراً ہٹ جائے گا۔ جیسا اگر رئیس مملکت عادل ہونے کے بعد فاسق ہو جائے یا تصرفات میں غلطی کرے چاہے وہ نفسیاتی یا طبیعت کے بگڑ جانے سے ہو۔

سوال ۷ کا جواب:۔ انتخابات کا جواب شریعت میں موجود ہے اس پر آیات شوریٰ امیر المومنین حضرت علی (ع) کا گذشتہ شعر اور مذکورہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک عملی طور پر اس کی تطبیق نہ ہو سکی اسمیں شریعت کا قصور نہیں ہے۔

ماضی میں عوام کا بعض عادل حکمرانوں پر راضی ہو جانا ایک تطبیقی کوشش اس تشریع کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔

علاوہ برایں دنیا میں بہت سے کائناتی راز پوشیدہ رہے۔ بڑی مدت کے بعد انسان نے پتہ چلایا۔ اسی طرح بعض احکامات ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ صدیوں کے بعد ان تشریعی پہلو سامنے آیا ہو۔ چنانچہ ہمارے فقہاء ہر دور میں جن فروعات کا انکشاف کرتے چلے آرہے ہیں اس پر دلیل ہے۔ چنانچہ جدید رونما ہونے والے مسائل میں فقہاء نے برسوں کے بعد احکامات بتلائے جیسا کہ حدیث میں ہے (عَلَيْنَا الاصول وَعَلَيْكُمُ الفُروع) ہم اصول بیان کریں گے فروع نکالنا تمہارا کام ہے۔

حدیث میں وارد ہے — وَ اَمّا الْحَوادِثُ الْواقِعَۃُ فَارْجِعُوا فِيهَا اِلىٰ رُواةِ حَدِيثِنَا۔ آنے والے حادثات (معاملات) میں ہمارے راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرو۔

سوال ۸ کا جواب :- حضرت علی (ع) کا اظہار نفرت اس شوریٰ سے تھا جو مقابل نص قائم ہو، ایسا نہیں تھا کہ آپ مطلق شوریٰ سے انکار کر رہے ہوں۔

سوال ۹ کا جواب :- انتخابات کے شروط اور خصوصیات اُمّت کے صوابدید پر ہیں جو شریعت کے مخالف نہ ہوں ان تمام کا ذکر اس کتاب میں کرنا ضروری نہیں ہے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اسلام کوئی جنگلی بھوت نہیں ہے جو انسانوں کا خون چوس لے اسی طرح اسلام کے پیروں میں کوئی نقص نہیں کہ چلنے میں لنگڑاتا پھرے اسلام کے وجود میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔

اسلام ایک درمیانہ راہ جو تمام امور کو عدل کے میزان پر تولتا ہے اور

ترقی اور رفاہی کاموں کے لیے بہترین نظم ونسق قائم کرتا ہے ایسا نظام جس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ اسلامی حکمرانی اس قدر ہوتی ہے جس قدر اس کی ضرورت ہو نہ نقصان دہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ وبال بن جانے والی کمی۔

اس حکیمانہ انداز پر اسلام حکومت کا ڈھانچہ پیش کرتا ہے۔ وہ اپنی نگاہوں کے سامنے لوگوں کی ضروریات کو رکھتا ہے اور ہر وہ ادارہ جو عوام کے احتیاجات سے زیادہ ہو تو اُسے رد کیا جاتا ہے۔ جب ہم عوامی اداروں کی طرف ضرورت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اُن کی دو قسمیں ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ ادارہ بالکل فالتو ہے اسلام ایسے زائد اداروں کو سرے سے باطل قرار دیتا ہے۔ یہی ان بہت سے اداروں کے متعلق ہے جنھیں لوگوں کے ذہنوں نے پیدا کیا اسلام میں ان اداروں کا وجود ہی نہیں ہے۔

دوسرا ایسے ادارے ہیں جو ضرورت اور غیر ضروری اُمور سے ملے جلے ہوتے ہیں اس صورت میں اسلام غیر ضروری کو ختم کر دیتا ہے۔ یہاں کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔ آپ بعض اداروں کو کیسے اسلامی بنا سکتے ہیں جبکہ وہ ادارہ اسلامی دور میں نہیں تھا جیسے ریڈیو اسٹیشن کا ادارہ۔ کیسے آپ بعض اداروں کو غیر اسلامی کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ ادارے بھی صدر اسلام میں نہ تھے۔

جواب:۔ اسلام نے اپنے حقائق کے بنا پر بعد میں آنے والے مسائل کے لیے راستے ہموار کیے ہیں چنانچہ ان بتلائے ہوئے خطوط پر چل کر انسان ہر آیندہ پیدا ہونے والے مسئلہ کا حل تلاش کر سکتا ہے۔ ان نئے قائم شدہ اداروں کا حال بھی اس انداز پر ہے۔

جب ہم اسلامی نصوص کی جانب رجوع کرتے ہیں تو وہاں ہمیں کوئی ممانعت نہیں ملتی اور ساتھ ہی اُمت کی ضرورت بھی سامنے آتی ہے یہ سب والی کی

ذمہ داری کے تحت آجاتی ہے تو ہم ایسے امر کے لزوم کے قائل ہو جاتے ہیں مانند مواصلات، بجلی وغیرہ۔ اور اگر ادارہ ایسے دو امور پر مشتمل ہو کہ ایک وہ جس کی حرمت پر نص موجود ہو دوسرا وہ جس سے لوگوں کی ضروریات وابستہ ہوں اس صورت میں دونوں امور میں جدائی لازمی ہے جیسے ریڈیو جو مشتمل ہے ضروریات زندگی اور ساتھ ہی محرمات شرعیہ پر جیسے گانا۔ لھو ولعب وغیرہ اس صورت میں محرمات کو نکالنا ہوگا۔ اور اگر ہم دیکھتے ہیں کہ ادارہ کو شرعاً حرام ہے تو وہ ادارہ برطرف ہوگا جیسے کسٹم کا ادارہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ـــــ اسلام نے زندگی کہ ہر شعبہ کے بارے میں منجملہ ان کے ادارے بھی ہیں ہدایات دئے ہیں۔ بعض امور کے بارے میں خصوصیت سے احکام دے ہیں اور بعض کے بارے میں عمومی حکم دیا ہے کوئی بھی زندگی میں مرحلہ پیش آئے اسلام کی جانب رجوع کیا جائے گا اگر خصوصی حکم موجود ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر نص موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ حکم عموم میں شامل ہو جائے گا اس پر اسی حکم عام پر ہی فیصلہ ہوگا۔

مثال: اسلام نے شراب کی حرمت خصوصی طور پر بیان کی اور مضر اشیاء کی حرمت کو عمومی طور پر تبلایا۔ اسی طرح انار حلال ہونے کے بارے میں خصوصی طور سے حکم بیان فرمایا اور زمین میں موجود غیر مضر اشیاء کی حلت پر نص نہیں ہے عمومی طور پر بیان کیا۔

اب اگر کسی دور میں لکڑی سے کوئی شراب ایجاد کی جائے تو اس کی حرمت معلوم ہے چونکہ اسلام میں شراب کی حُرمت پر واضح نص موجود ہے اگرچہ ایسی شراب عہد نبوی (ص) میں موجود نہ ہو اور جب ہیروین اور کوکائین بنائی جائے اس پر حرمت کے حکم کا اطلاق ہوگا اس لیے کہ یہ ضرر رساں مواد میں شامل ہے جو شریعت میں عمومی طور پر حرام ہے۔ اور اگر کسی زمانہ میں مصنوعی کھاد کے ذریعہ

نئے قسم کا اناز پیدا کیا جائے جو عصر پیغمبر (ص) میں نہیں تھا تب بھی اس کے حلال ہونے پر حکم موجود ہوگا اور اگر نئے قسم کے پھل اور سبزیاں وجود میں آجائیں جو عہد نبوی میں نہیں تھے جیسے نارنگی اور ٹماٹر وغیرہ یہ جدید پھل اور سبزیاں عموم حلیت کے تحت حلال ہوں گے۔

اسی طرح حکم وجوب کے بارے میں ایسا ہی ہے:۔

اسلام میں دشمن کے مقابلہ کے لیے ہر طرح تیار رہنے کا حکم وجوب ہے جیسا کہ آیت میں ہے (وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ) دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے ہر قسم کی طاقت کے ساتھ تیار ہو جاؤ ــــــ اس آیت کے بعد اگر نئے آتشی، ایٹمی ہتھیار وجود میں آجائیں تو حکومت پر واجب ہے کہ ان جدید ہتھیار کو مہیا کرے اگرچہ کہ اس قسم کے ہتھیار کا وجود عہد نبوی (ص) میں نہیں تھا ان پر عمومی وجوب کا اطلاق ہوگا۔

یہی وہ راز تھا جس کی بنا پر علماء اسلام نے بعض جدید آلات کو حرام اور بعض کو واجب اور بعض کو مباح قرار دیا۔

یہی واضح دلیل ہے کہ اسلام حقیقت پر مبنی ہے اور ہر زمانہ میں تطبیق کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اسلام میں لچک ہے ہم احکامات کو خود بنائیں گے جو ٹیکس پہلے نہ تھے ہم لیں گے جو حدود پہلے نہ تھے ہم نافذ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام شریعت الٰہی نہیں بلکہ ہمارے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا۔ اگر ایسا ہوا تو اسلام اور موجودہ خود ساختہ نظاموں میں کوئی فرق نہیں رہتا اس قدر لچک رکھتا ہے؟

رہ جاتی ہے ٹیکس کی بات جو اسلام میں موجود ہی نہیں دراصل یہ اس نص عمومی کے منافی ہے جس میں ہر شخص کو اپنے مال پر اختیار حاصل ہے۔ اور

وہ حدود جو اسلام میں نہیں ہیں خاتونی شکل دینا اس نص عمومی کے منافی ہے جس میں ہر شخص کو اپنے نفس پر اختیار حاصل ہے۔

یہ کچھ مثالیں تھیں جن سے اسلام کا ہر دور میں انسانی زندگی کے مطابق ہونے کا پتہ چلتا ہے اگر تفصیل میں جائیں مطلب نہایت وسیع ہے جس کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

اب بات رہ جاتی ہے اسلام کے بعض اداروں کے حجم کم کرتا ہے۔ تقلیص (سکڑنا سمٹنا) دو قسم کے ہیں

۱۔ بعض اداروں کو سرے سے ختم کرنا

۲۔ بعض خرابیوں کو ختم کر کے صالح حصہ کو برقرار رکھنا

اس طرح اسلام جب زمام حکومت تھام لے گا عالم بشریت کے ہاتھ اور پیروں میں پڑے ہوئے زمینی خود ساختہ قوانین کی زنجیریں کاٹ دی جائنگی جیسا کہ قرآن کریم نے اس طرف اشارہ فرمایا: يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ[1] (جو ان پر بوجھ اور طوق پڑے ہوئے تھے ان کو اتارتا ہے۔) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج مسلمان جس حالت سے گذر رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے حکومت کی باگ ڈور نکل چکی ہے اس کا اصل سبب موجودہ خود ساختہ قوانین کا اجرا ہے جس کے سبب روز بہ روز رسّی تنگ ہوتی چلی گئی اور گلا گھونٹتا چلا گیا۔

رہ گیا اسلامی قانون ایسا نہیں ہے وہ پھولتا نہیں ہے اپنا حجم نہیں بڑھاتا جو قانون پہلے تھا وہ اب بھی ہے اس کا مقصد کتاب اور سُنّت ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔

مثال: ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اسلام کسی شہر میں رہنے کے لیے شرط لگا دے کہ وہ اقامہ حاصل کر سکتے ہیں جن کا رنگ اور زبان اس جگہ سے مناسبت رکھتا

[1] ۱۵۷ الاعراف ۷

ہو یا نہ رکھتا ہو اس کے برخلاف یہ بات موجودہ قوانین میں ممکن ہے وہ اسطرح کی ہزار قیود میں اضافہ کرسکتا ہے کہ وہ اس معمولی سے کام کو شروط و قیود کے ذریعہ ایک مصیبت بنا ڈالے جبکہ ہم اس بات کو پست ترین جانوروں میں بھی نہیں دیکھتے۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا کیڑے مکوڑوں پر کوئی پابندی ہو کہ اس جگہ رہیں اور فلاں جگہ نہ رہیں! اس زمین پر رہیں اُس زمین پر نہ رہیں یہی حال دوسرے امور زندگی میں جاری ہے جس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام ایسے اداروں کو جو زندگی کے منافی ہیں ضرر رساں قرار دیتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف منع کیا بلکہ ایسے راستے ہموار کیے جس کے سبب انسان ایسے اداروں سے گریز کرتا ہے اس پر صرف ایک شرعی قاعدہ کافی ہے۔ اَلنَّاسُ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ (لوگوں کو اپنے مال اور جان پر اختیار حاصل ہے) ہم اور مثالوں کو چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے سیرت کے سلسلہ میں بہت سے امور کا ذکر نہیں کیا جبکہ قرآنی نص موجود ہے:۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (بتحقیق تمہارے واسطے رسول اللہ (ص) اچھا نمونہ ہے، اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہو اللہ اور روز آخرت پر)[1]

زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے غیر متعلق ادارے معاشرے کیلئے ضرر رساں ہیں
(۱) وقت کا ضیاع (۲) شخصی بے عزتی (۳) آزادی کو کمزور کرنا (۴) مالی طاقت کا بے جا مصرف (۵) زندگی کا متحرک پہیہ جام کرنا۔

یہاں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں:۔
اسلام نے اپنے فرمان "اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[2] (سوائے اس کے کہ تم آپس کی رضا سے تجارت کرو) سے تجارت کی اجازت دی۔

---
[1] ۲۱ الاحزاب ۳۳، [2] ۲۹ النساء ۴،

ہر شخص تجارت کرنے میں آزاد ہے جہاں چاہے جیسا چاہے، جس وقت چاہے سوائے حرام اشیاء کی تجارت جیسے شراب اور سور وغیرہ کی خرید و فروخت جو ممنوع ہے۔

ہم فرض کر لیتے ہیں اگر حکومت تجارت پر محصولات لگا کر پابندی عاید کر دے یا بعض تجارت کو ممنوع کر دے اور یہ تسلیم شدہ بات ہے انسان ہر اس قانون کی مخالفت کرتا ہے جس پر وہ دل سے ایمان نہیں لایا ہے۔ اس حالت میں تاجر دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔

(۱) وہ مجبوراً پرمٹ (اجازہ) کے حصول کے لیے کوشش کرے اور نقصان برداشت کرے (۲) یا وہ فرار اختیار کرے۔

دونوں صورتوں میں کچھ نا کچھ وقت اس کا صرف ہوا چاہے پرمٹ کے حصول میں یا قانون سے فرار کرنے میں۔ اس کے ساتھ اس کی عزت نفس پر نقصان پہنچا چاہے قانون کے سامنے جھک کر جو صحیح نہیں ہے عمل پیرا ہونا عزت پر حرف لانا ہے۔ دوسری صورت میں فرار ہونے کی سختیاں جھیلنا جو ایک بے عزتی ہے۔ انسان اس عمل کے نتیجہ میں نفسیاتی طور پر کمزور ہو جاتا ہے اس لیے کہ آزادی ہی ایک نفسانی ریاضت ہے جب اُسے قوی کیا جائے تو طاقتور ہو جاتا ہے اور اگر کمزور کر دیا جائے تو کمزور ہو جاتا ہے۔ آزادی کو کمزور کر دینا انسانیت کے خطوط کو پامال کر دینا ہے اور دونوں صورتوں میں مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پرمٹ کی حصول کے لیے مال خرچ کرنا یا قانون سے فرار کے لیے دولت خرچ کرنا دونوں صورتوں میں مال ضایع ہو جاتا ہے۔

<u>زندگی کا پہیہ جام ہونا</u>: اس طرح ایک سرکاری ملازم کی زندگی جام ہو جاتی ہے اس لیے کہ لوگ اُس کی طرف نہیں آتے اور وہ کام سے بے کام ہو جاتا ہے۔

اور وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے۔

تاجر کی زندگی کا پہیہ جام ہونا: وہ اگر جائز حالات میں اپنا سرمایہ ڈال نہ سکے تو وہ کسی اور تجارت میں سرمایہ لگا دے گا۔ اس طرح ان لوگوں کی زندگی بھی غیر متحرک ہو جاتی ہے جن کا ان دونوں (سرکاری ملازم اور تاجر) سے ربط ہے انسانی معاشرہ کی مثال ایک زنجیر کی مانند ہے ایک کڑی کی حرکت سے تمام کڑیاں حرکت میں آجاتی ہیں۔ ہم ایک مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت کر دیتے ہیں:

ایک دینار جو تاجر محصول ادا کرتا ہے اگر بازار میں فطری طور پر گردش کرے تو اس کی حرکت درمیان میں اس طرح ہوتی ہے ـــــ کان کا مزدور، کوئلہ نکالنے والا ٹرک میں لاد کر لیجانے والا سب کے سب اس ایک دینار سے استفادہ کرتے ہیں یہ تو ایک طرف کی گردش ہے دوسری جانب کوئلہ فروخت کرنے میں تاجر کی مصروفیت، زید کے گھر تک کوئلہ پہنچانے والے قلی کی حرکت اور اس خاندان کی مصروفیت جو اس کوئلہ سے ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ یہ تمام عوامل ایک دینار کے گردش سے عمل میں آتی ہے ـــــ یہ سب کچھ زندگی سے غیر متعلق اداروں کے بارے میں ہے۔

زندگی سے متعلق ادارے: وہ ادارے جو انسانی زندگی سے متعلق ہیں ان اداروں میں سے کچھ تو وہ ہیں جو معاشرہ کے اصلاح کے لیے ضروری ہیں جیسے محکمہ عدلیہ محکمہ جہاد یا وہ ادارے جن کا تعلق معاشرہ کی فلاح و بہبود سے ہے جیسے محکمہ بیت المال اور محکمہ ولایت۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے چاہے وہ ادارے زمانہ تشریع میں تھے یا نئے دور کی ایجاد ہیں جیسے بجلی، مواصلات کے محکمے البتہ اسلامی دور اور غیر اسلامی دور میں فرق قرار دیا جائے گا۔ اسلام ان مفید اداروں کو برقرار رکھتا ہے یہ فطری عمل ہے اس لیے کہ معاشرہ میں موجود افراد فرشتے تو نہیں ہیں ان کے درمیان نزاع جھگڑے وغیرہ ہونا کمزور افراد کو طاقتور

افراد کا استحصال ممکن ہے ایسے موقع کے لیے اسلام اپنا محکمہ انصاف اور جہاد سامنے لاتا ہے تاکہ معاشرہ میں موجود افراد کی زندگی استحصال اور جھگڑوں کی نذر نہ ہو کر غیر متحرک نہ ہو جائے۔

اسی طرح دیگر اسلامی قوانین مانند قصاص، حدود اور دیات وغیرہ کا مقصد معاشرہ کو مشکلات سے نکالنا ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ معاشرہ ہر حیثیت سے کامل نہیں ہے حصول کمال کے لیے وہ جد وجہد کرتا ہے اور بلندیوں کی طرف سفر جاری رکھتا ہے۔ اس مقام پر اسلام ایسے قوانین کا نفاذ عمل میں لاتا ہے جس سے معاشرہ کمال کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے مانند قیام ولایت اس نظام کے تحت حکومت کے ہر اس شعبہ پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے جس کا تعلق معاشرہ کے فلاح و بہبود سے ہو جیسے محکمہ بیت المال۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے اسباب کی طرف توجہ کرتا ہے وہ شخص مسلم کی پستی پر ہرگز راضی نہیں ہے بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان دوسری قوموں کی بہ نسبت زندگی کے جملہ حالات میں برتر رہے۔ ارشاد ہے: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[۱] (اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم مومن رہو) اور ارشاد ہے:۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ[۲] (کہہ دے میرے حبیب کس نے اللہ کی زینت کو حرام قرار دیا ہے جو اُس نے بندوں کے لیے پیدا کی اور پاکیزہ چیزوں کی رزق میں سے) اور فرمایا:۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا[۳] (کہہ دے تو یہ تو صاحبان ایمان کے لیے ہیں ان کی دنیوی زندگی کے لیے)

---

(۱) آل عمران ۱۳۹۔ (۲) الاعراف ۳۲ (۳) ۳۲

حدیث قدسی میں ارشاد ہے :-

خَلَقْتُ الْاَشْیَاءَ لِاَجْلِكَ وَخَلَقْتُكَ لِاَجْلِی ۔ "اے فرزند آدم تمام اشیاء تیرے لیے بنائیں اور تجھے میں نے اپنے لیے پیدا کیا ہے۔"

اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلیٰ عَلَیْہِ :- "اسلام سربلند رہے گا اس سے کوئی بلند نہ ہوگا" وغیرہ وغیرہ۔ ان ارشادات کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چاہیے وہ جدید ایجادات کی طرف خاص توجہ دے تاکہ کافر کو مسلمان پر برتری حاصل نہ ہو جائے اور یہ اُس وقت ہوگا جب ہمارے متعلقہ ادارے انتھک محنت سے کام کر کے اس خلاء کو پُر کریں۔ یہی وہ سبب ہے جس سے انسانی زندگی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

وہ ادارے جو اسلامی اور غیر اسلامی دور میں مشترکہ طور پر موجود ہوں اس کی خصوصیت اسلامی دور میں مختلف ہوگی۔ اسلام چونکہ ہر مسلم کے لیے ایمان اللہ اور روز آخرت کا خوف شرط قرار دیتا ہے وہ ہر لمحہ مُسلمان کے اعمال پر اُسے نگہبان سمجھتا ہے اس صورت میں جہاں اور جس ادارے میں بھی ایسا شخص کام کر رہا ہو وہاں خیانت، دھوکا دہی، فریب کاری لوگوں کی عزت سے کھیلنا، مال کا بے جا مصرف وغیرہ جیسے بدبختی اور مصیبت کا سبب بننے والے گھناونے جرائم کا وجود نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر :—— غیر مسلم ڈائریکٹر (مدیر) یا غیر اسلامی دور حکومت میں برائے نام مسلمان ڈائریکٹر کی تقرری کے بعد چوری کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ معاملات کو خواہ مخواہ دیر کرنے اور رشوت طلب کرنے سے کون مانع ہو سکتا ہے؟

لیکن اسلامی دور حکومت میں مسلمان ڈائریکٹر ان تمام نجاسات سے پاک ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے حکومت کی کڑی نظر بھی تو لوگوں کو مخالفت سے

روک سکتی ہے؟

ہم اس کے جواب میں یہ سوال کرتے ہیں آیا بیرونی نگہبانی کب تک کام کرے گی؟ جب تک اس کے اندرونی ضمیر کی نگہبانی نہ ہو پھر ادارہ کے اوپر ایک اور نگہبان ادارہ کا اضافہ لازم آتا ہے اسلام اس سے بے نیاز ہے وہ تو انسان کی ضمیر کو انسان پر نگہبان بناتا ہے۔ اگر کوئی کہے جناب انسانی ضمیر برائیوں سے روکنے کے لیے کافی ہے ہم کہتے ہیں پھر آج کل کے دور میں کیوں انسانی ضمیر کام نہیں کرتا ہے، کیوں برائیوں سے نہیں روکتا؟

دراصل انسانی وجدان یا ضمیر جو بھی کہیں اس کی تربیت اور نشو ونما کا سرچشمہ اللہ اور روز آخرت کا خوف ہے اگر ایسا نہ ہو تو ضمیر بے آب وگیاہ زمین میں اُگنے والے پودہ سے کم نہیں جس کے لیے نہ کوئی رکھوالی کرنے والا ہے اور نہ پانی کا بندوبست ہے۔ ایسے پودہ کو خشک ہو جانا چاہیئے۔

یہی صورت حال ایک مُسلمان شخص اور غیر مُسلمان میں دکھائی دیتی ہے۔ مُسلمان حساس ضمیر رکھتا ہے جبکہ دوسرا اس سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ بہر کیف خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام ان تمام اداروں کی تطہیر کے سلسلہ میں یوں عمل پیرا ہے۔

۱۔ طفیلی بے مقصد ادارے جن کو اسلام جڑ سے اُکھیڑ کر پھینک دیتا ہے اور لوگوں کو اس کے عذاب سے بچاتا ہے۔

۲۔ وہ ادارے جن میں غیر ضروری امور کا اضافہ ہوگیا ہے ان میں سے ضرر رساں حصہ کو جدا کر دیا جائے گا باقی حصوں کو برقرار رکھا جائے گا۔

۳۔ بقیہ اداروں میں باعث فساد عناصر کا کھوج لگا کر پاک کیا جائے گا اور ہر طرف ایمان اور طہارت کو عام کیا جائے گا جس کے سبب زندگی بے راہ روی کجی اور انحراف سے بچ کر سیدھی راہ پر گامزن ہو جائے گی۔ یہ وہ اُمور ہیں

جو صرف اسلام سے مخصوص ہیں۔

ہمارے اس بیان پر دنیا کی وہ تاریخ جو اسلام کی آمد سے پہلے اور مسلمانوں کے ہاتھوں حکومت چھوٹ جانے کے بعد کے حالات گواہی دیں گے اس دور میں کیا عالم تھا؟ اور جب مشرقی اور مغربی نظام نے زبردستی اپنی بالادستی قائم کرلی تو اس کے بعد حالات نے کیا رُخ اختیار کیا؟ ہر طرف حکمرانوں کے رنگ بدلتے اور بگڑتے دکھائی دیتے ہیں جن کی وجہ سے انسانیت دکھ و درد کے چکّی میں پستی رہی

اسلام اور قانون

اسلام انسان کو زندگی کا سرنامہ قرار دیتا ہے۔ اُسے زنجیر حیات کی پہلی کڑی مانتا ہے جس سے پوری زنجیر میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ انسان ہے جو زندگی کے شعلہ کو بھڑکاتا بھی ہے خاموش بھی کرتا ہے۔ زندگی کا آغاز بھی انسان سے ہے اور انجام بھی انسان ہے۔ لیکن انسان کا راہ راست سے منحرف ہونا، شہوت اور نفسانی خواہشات کے سیلاب میں بہہ جانا ممکن تھا۔ لہٰذا انسان کو راہ راست پر قائم رکھنے اور معاشرہ کے تحفظ کے لیے ضروری تھا کہ اُس کا رشتہ تقویٰ سے اس طرح مضبوط ہو کہ کوئی خیانت اور ظلم نہ کرے۔ اس لیے اسلام نے اخلاق، فضیلت، ضمیر اور وجدان کو بڑی اہمیت دی ہے۔

انسان کو حرکت میں لانے والا پہلا اور آخری سبب اسلام کے نزدیک انسانیت ہے جسے ہم حق وحقیقت سے تعبیر کرتے ہیں یہی وہ فطرت ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا:

فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" فطرت خداوندی ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا۔" اور اسلام دین فطرت ہے اور حدیث میں بھی آچکا ہے:۔ اِنَّ لِلّٰهِ حُجَّتَیْنِ بَاطِنِیَّة هُوَالْعَقْل وَظَاهِرِیَّة هُمُ الْاَنْبِیَاء مضمون حدیث یوں ہے اللہ کے لیے دو حجتیں ہیں ایک حجتِ باطن جس سے مراد عقل ہے اور دوسری حجت ظاہری اس سے مراد انبیا (ع) ہیں۔

اسلام اس بات سے واقف ہے اس طرح اگر ہم راہ ہموار نہ کریں کبھی بھی معاشرہ کامیاب نہیں ہوسکتا چاہے آپ ہزار قانون بنالیں۔ خوف اور تھدید کا

تازیانہ ان کی پشت پر پڑ رہا ہے جو راہ راست سے انحراف اور دھوکہ دہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ارشاد ہے: اَلْمُفْتِیْ عَلٰی شَفِیْرِ جَهَنَّمَ "فتویٰ دینے والا جہنم کے کنارے کھڑا ہوتا ہے۔" اَلْقَاضِیْ بَیْنَ جَمْرَتَیْنِ مِنْ نَارٍ "قاضی دو آگ کے انگاروں کے بیچ میں ہوتا ہے۔" وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ[1] "جو یہاں بیڑیاں پہن لے وہ قیامت کے دن بھی انہی بیڑیوں کے ساتھ آئے گا۔"

ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ[2] (جو لوگ سونا چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو)

یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ[3] ——

(جس دن تپایا جائے گا وہ (مال) آتش جہنم میں پھر داغی جائیں گی اُس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور اُن کے پشتیں کہ یہ وہی ہے جسے تم جمع کرتے تھے اپنے نفسوں کے لیے سو اب اس کا مزا چکھو جو کچھ تم جمع کیا کرتے تھے)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا[4] (بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں پڑ جائینگے)

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ[5] (جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت) دن کھڑے نہ ہوسکیں گے مگر اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہو۔)

---

(۱) آل عمران ۳/۱۶۱ (۲) توبہ ۹/۳۴ (۳) توبہ ۹/۳۵ (۴) النساء ۴/۱۰ (۵) البقرہ ۲/۲۷۵

اسلام جس طرح عمل کے لیے فقہ پیش کرتا ہے وہاں ساتھ عدالت پر زور دیتا ہے جو باطنی طاقتور صفت ہے جس کے پائے جانے سے انسان حرام اشیاء سے بچتا ہے۔ لیکن مغربی دنیا جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالتی ہے تو وہ صرف قانون کو دیکھتی ہے وہ معاشرہ میں نظم ونسق برپا کرنے کے لیے وسیلہ صرف قانون کو قرار دیتی ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے مغرب جدید آلات کے ایجاد کے سوا باقی میدانوں میں ناکامیاب رہا۔

سامراج نے قانون بھی وہ دیا جس سے انسان کا دم گھُٹ جائے۔

(۱) جمودیت (روٹین) (۲) معاملات کو التواء میں ڈالنا

(۳) پھولنا (جسامت بڑھانا) (۴) معمالات سے کھیلنا (۵) بے گناہ کو گنہگار بنانا۔

(۱) جمودیت:۔ یہ وہ صفت ہے جس سے سرکاری ملازم پابند سلاسل ہوجاتا ہے وہ حق کی جانب نہیں جاسکتا کیونکہ خلاف قانون اُسے عمل کرنا پڑتا ہے۔ ہم عام طور پر دیکھتے ہیں بہت سے سرکاری عہدوں پر موجود آفیسر کہتے ہیں ہم جانتے ہیں آپ حق پر ہیں لیکن ہم مجبور ہیں قانون ہمیں اجازت نہیں دیتا ہے۔ عجیب بات ہے حق جانتے ہوئے فیصلہ نہیں دے سکتے بلکہ ان میں بعض اس باطل قانون پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور کوئی احتیاط کرنے والا ہو تو وہ کیس کو دوسرے کے حوالہ کردیتا ہے اور وہ بچنے کے لیے کوئی فیصلہ نہیں دیتا کیا فرار کرنے سے اس شخص کی ذمہ داری ختم ہوگئی! نہیں ہرگز نہیں! بلکہ حق کو دیکھ کر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

یہاں قانون کے نزدیک حق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر حق ہی مقصد ہوتا تو ظاہر ہوتے ہی اس پر فیصلہ دیا جاتا ایسا نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں یہ تو ہمارا روٹین ہے آپ کو اس پر چلنا ہوگا اس عمل سے سرکاری ملازم اور اس کے پاس

کیس لے جانے والے دونوں کا وقت ضایع ہوتا ہے۔ بعض اوقات سرکاری افسران کہتے ہیں معاف کیجیے کیا کریں ہمیں خانہ پوری کرنی پڑتی ہے جو روٹین ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے کیا عذر کافی ہے ہرگز نہیں حق اپنے مقام پر حق ہے باطل چاہے ہزار عذر پیش کرے وہ باطل ہی رہے گا۔

مثالیں تو بہت ہیں ایک مثال پیش ہے :-

ایک شخص اپنی بیوی کو لے کر سرحد (جو انسانوں کی نام نہاد جغرافیائی سرحدیں ہیں) پار کرنا چاہتا ہے مگر اس کے لیے دوسری سرحدیں جانے کے لیے نوآبادیاتی نظام کے مُسلّط کردہ پاسپورٹ خروج کا پرمٹ اور ٹیکس کی ادائیگی وغیرہ کرنا ضروری ہے چنانچہ یہ شخص سب کچھ حاصل کرنے کے بعد سرحد پر پہنچتا ہے وہاں چیک پوسٹ پر روک دیا جاتا ہے اس لیے کہ ویزا آفس کلرک کی غلطی سے بیوی کے نام (محمدی بیگم) کے بجائے حمدی بیگم لکھ دیا گیا۔ فرق صرف ایک میم کے لکھنے کا ہوگیا اب باڈر پر موجود ڈیوٹی آفیسر اُسے سفر کی اجازت نہیں دیتا ہے اس شخص کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سرحد سے واپس پلٹ جائے۔ طویل سفر کو واپس طے کر کے متعلقہ افسر سے ملکر حمدی بیگم پر ایک میم کا اضافہ کرتا ہے۔ کیا یہ ظُلم نہیں ہے صرف ایک میم کے لیے مسافر کو پریشان کیا گیا۔ اس قدر باطل کو جرأت ہوئی وہ حق کے جگہ آ کر من مانی کرے !! ــــــ

اس طرح کی غلطیاں بہت ہوتی رہتی ہیں کتنے ایسے مسافر ہیں جن کو سرحدوں سے واپس کر دیا گیا ؟ لیکن اسلام کے نزدیک مقصد صرف حق ہے چاہے وہ چین میں کیوں نہ ہو ! یہاں تو حق کے سوا کوئی قانون نہیں ہے اس لیے کوئی رکاوٹ روک بھی نہیں سکتی۔ اس لیے حضرت علی (ع) نے جب ان کی بیعت کی گئی تو فرمایا تھا :ــــ

واللہ لو وجدتہ قد زوجت بہ النسآء وملکت بہ الاماء لرددتہ فی بیت مال المسلمین (خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس (ناحق مال سے) عورتوں کی

شادی ہو چکی ہو اور کنیزیں خریدی جا چکی ہوں میں اس مال کو واپس بیت المال پہنچاؤں گا
ان باتوں کو بہت کم لوگ جانتے ہیں (بعض تو کہتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ قانون حق کا گلا گھونٹ دے؟ وہ تو حق کو نجات دلانے کے لیے بنایا جاتا ہے) یہ تو صرف دو شخص ہی جان سکتے ہیں ایک تو وہ سرکاری افسر جو دن میں کئی دفعہ حق و باطل کا مقابلہ ہوتا دیکھتا ہے دوسرا وہ شخص جو حقدار ہوتے ہوئے قانون کی مدد نہ ہونے کی بناء پر حق کو ضایع ہوتا دیکھتا ہے۔

(۲) معاملات کو التواء میں ڈالنا:

موجودہ قانون کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرہ کو الجھنوں میں پھنسائے رکھتا ہے۔ اس نظام کے تحت حق تک رسائی کا راستہ ناہموار ہے۔ سیدھے راستے سے تو پہنچ نہیں سکتا ہے اُس کو چاہیے کہ وہ پیچ در پیچ راہوں سے گزرے۔ اس کے برعکس اسلام میں حقدار کو حق صرف معلوم ہونے پر دلا دیا جاتا ہے اور کسی زحمت کی ضرورت نہیں ہوتی مگر قانون کے نظام میں حقدار کو حق اس وقت ملتا ہے جب دشوار گزار راہوں کو طے کرے۔

معاملات کو کھٹائی میں ڈالنا جہاں حق تلفی ہے وہاں باطل کے تسلط کا زیادہ سے زیادہ امکان ہے۔

مثال:۔ اسلام کے نزدیک خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے مکان کو فروخت کر دیں۔ یہ سودا محض لفظ بعت (میں نے بیچا) اور قبلت (میں نے قبول کیا) سے واقع ہو جاتا تھا بعد میں قاضی کے پاس لکھوا لیتے۔ اس طرح بائع سے گھر مشتری کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اسی طرح یہ مکان ایک ورقہ شرعی کے ذریعہ سے بیٹا اپنے والد سے وارث میں مکان حاصل کرتا ہے یا محض قبضہ ہونا اُن کے حق میں ملکیت مانا جاتا ہے ــــــــ

اب آیئے موجودہ قانون کو دیکھتے ہیں :۔

اگر کوئی مکان فروخت کرنا یا خریدنا چاہتا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعتراف کرے، ٹیکس ادا کرے، حسب معمول گواہ پیش کرے مختلف دفتروں کے چکر کاٹے سفید اور سیاہ فارم پر کرے وغیرہ وغیرہ۔

کبھی تو یہ سودا انجام پانے کے لیے ایک سال یا زیادہ مدت گزر جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مالی ضیاع۔ ایک گھر جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو اس کے بیچنے کے لیے سو دینار کا خرچ ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ کئی دن اور ہفتے لگ جاتے ہیں اس طرح وقت کی بربادی بھی ہوتی ہے۔

عموماً موقع پاکر باطل معاملہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اس طرح فروخت کرنے تک بیچنے والا وفات پا جاتا ہے یا سودا ہی ختم ہو جاتا ہے یا فروخت کرنے والا اعتراف نہیں کرتا یا یہ کہ خریدار گورنمنٹ کے محکمہ سے لینڈ کے کاغذات وصول کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اس طرح حقوق کی پامالی کے ساتھ وقت کی بربادی ہی ہوتی ہے۔

(۳) پھولنا (جسامت بڑھ جانا)

یہ قانون کی تیسری مصیبت ہے۔ قانون شروع میں تو کمزور ہوتا ہے پھر بعد میں اپنی جسامت بڑھانا شروع کر دیتا ہے اس قدر پھول جاتا ہے کہ اس کے لیے جگہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

اسلام ایسا نہیں ہے۔ اسلام کے قانون میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی واقع ہوتی ہے۔ انسان امن و سکون سے زندگی بسر کرتا ہے۔

مثال :۔ ہر شخص کو علم حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے ہر ایک کے لیے مدرسہ کا دروازہ کھلا ہے۔ یہی طریقہ اسلامی دور حکومت میں رہا۔

قانون :۔ مغربی طرز کے اسکول شروع میں تو اُس نے ہر طالب علم کو لیا پھر قانون نے بڑھ کر عمر کی مقدار معین کی پھر طالب علم پرنیشنلٹی (قومیت) کا حصول پھر تصویر پھر کیریکٹر سرٹیفکٹ وغیرہ وغیرہ کا اضافہ کر دیا۔

یہ تو قانون کی زیادتی طول میں تھی۔ اب عرض میں زیادتی کو دیکھئے قانون نے پہلے پھلوں پر پھر درختوں پر پھر پانی پر ٹیکس لگایا۔ اس کے بعد جانور پر پھر زمین پر پھر انسان پر پھر پیدائش پر پھر مرنے پر بھی سرکاری مالیات کا تعلق ہوا۔ یہاں تک کہ اب کوئی شئی سوائے سورج اور ہوا کے ٹیکس کے زد سے نہیں بچے ہیں۔ اسلام کا معین کردہ ٹیکس اول سے محدود اور مقرر کیا ہوا ہے جیسے خمس، زکاۃ، جزیہ اور خراج۔ یہی ٹیکس قیامت تک اسی حالت میں باقی رہیں گے۔

حقیقت بات یہ ہے اگر قانون میں یہ نقص نہ ہوتا اور اسلام میں یہ خصوصیات جمع نہ ہوتیں تب بھی ہم یہی کہتے کہ قانون کو پس پشت ڈالدو اور اسلام کو زندگی کی شاہراہ بنالو۔ اسلام تو پورے کا پورا مجموعہ فضائل ہے اور قانون پورے کا پورا مصیبت ہے اس لیے عقلمند پر فرض ہے کہ وہ قانون کو چھوڑ دے اور اسلام کو اپنے لیے مشعل راہ بنالے۔

۴۔ معاملات سے کھیلنا :

قانون کی پیش کردہ چوتھی مصیبت یہ ہے کہ قانون میں ہر وقت لچک پیدا ہوتی رہتی ہے جس سے کچھ لوگ قانون نافذ کرنے والے گروہ پر مال کے ذریعہ یا تشدد کے ذریعہ تسلط حاصل کر لیتے ہیں اور اپنی مرضی سے قانون کو بدل ڈالتے ہیں۔ کبھی کبھار اگر صحیح فکر رکھنے والا ٹکرا جائے تو کچھ فائدہ مند کام بھی ہو جاتا ہے اور کبھی بدترین جرم کا ارتکاب عمل میں آتا ہے ـــــ دو مثالیں ہم پیش کرتے ہیں :

۱) مہاتما گاندھی معروف ہندوستان کی شخصیت اُنھوں نے قانون پر بالادستی

حاصل کر کے نشہ آور اشیاء کو ممنوع قرار دینے کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔

۲) جرمن کا (ھرشفلید) نے قانون پر بالادستی حاصل کر کے مرد کے ساتھ بدفعلی کو جائز قرار دیا۔ بہرکیف آپ نے دیکھا کسی فرد کی مرضی نے قانون کو بدل دیا یہ عمل نہایت خطرناک ہے۔ آپ تصور کیجئے جب اس بدترین عمل کو قانون کا سہارا ملنے پر جرمنی میں کیا حالت ہوئی ہوگی۔ چنانچہ لوگ اس عمل بد کو قانون کے تحفظ میں بجالاتے ہیں۔

۵۔ قانون کی پانچویں مصیبت بے گناہ کو گنہگار قرار دینا:

آپ اگر بغور جائزہ لیں گے تو آپ کو ان قوانین کے جنم لینے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ بعض افراد کچھ کام کر جاتے ہیں جس کے سبب قانون کا وجود ہو جاتا ہے چند لوگوں کے کرتوت کی سزا تمام انسانوں کو دی جاتی ہے یہ عمل سراسر عقل اور منطق کے خلاف ہے۔ شاعر کا کلام ہے:

غَیْرِیْ جَنٰی وَاَنَا الْمُعَاقَبُ فِیْکُمْ؟ ❊ فَکَاَنَّنِیْ سَبَّابَۃُ الْمُتَنَدِّمُ

جرم دوسرے نے کیا آپ کے نزدیک سزا کا مستحق مجھے قرار دیا میری حالت تو پشیمان ہونے والے شخص کی انگشت شہادت کے مانند ہے۔

(پشیمان ہونے والا انگلی دانت سے کاٹتا ہے)

جبکہ اسلام کا نظریہ یہ ہے "وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی"، کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا (یعنی ہر شخص اپنے گناہ کا ذمہ دار ہے) "انما تجزون ما کنتم تعملون" (تمہیں تو صرف تمھارے کیے کی جزاء ملے گی)

اس سے بھی بلند ہو کر اسلام احسان کرنے والے کے ساتھ احسان اور برا کرنے والے کو معاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لیے لوگ اسلامی نظام حکومت کو پسند اور خود ساختہ قوانین کی حکومت کو ناپسند کرتے ہیں۔

قانون کے نزدیک رہن کے لیے کوئی تصویر رکھنے کی ضرورت نہیں تھی پھر اتفاق سے ایک شخص نے دھوکا دیا اب قانون کی حکومت نے معاملہ کے وقت تصویر کو بالعموم لازم قرار دیا تاکہ رہن کے سلسلہ میں دوبارہ کوئی دھوکہ دہی کا ارتکاب نہ کرے۔

آپ کیا خیال کرتے ہیں اس قانون کے بن جانے سے کس قدر جانی اور مالی نقصان ہوا ہے؟

اگر اس خود ساختہ قانون کو چھوٹ مل جائے تو ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے گھروں سے بجلی پانی اس بناء پر کاٹ دیا جائے کہ کسی ایک شخص نے میٹر میں خرابی پیدا کر کے بجلی چوری کی۔ جُرم ایک نے کیا سزاء میں عمومیت کو قرار دیا۔

ہو سکتا ہے بسوں پر لوگوں کو سوار ہونے سے منع کر دیا جائے اس لیے کہ ایک شخص نے بس میں سوار ہو کر ٹکٹ نہیں لیا۔

یہ عجیب منطق ہے اس پر موجودہ قانون عمل پیرا ہے۔ ایک شخص کی غلطی سے دوسرے افراد کو سزاء بھگتنی پڑتی ہے۔

وہ کون سے ادارے ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے

انسان اگر معاشرہ کی ضرورتوں کا بغور مطالعہ کرے اور تحقیق کرے اس کے مسائل کے حل کے لیے یا اُس کی ترقی اور رفاہی کاموں کے لیے کس قدر اداروں کی ضرورت ہے؟ تو پتہ چلے گا وہ ادارے صرف چند ہی ہیں۔

اور جب ان مخصوص اداروں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تصوّر سے زیادہ سادہ ہیں۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہر وہ ادارہ جو ضرورت سے زیادہ ہے یا وہ ادارہ جس نے اپنے حجم کو بڑھالیا ہے معاشرہ پر بوجھ ہونے کے ساتھ اُس کی قوت کا بے جا مصرف ہے۔

ان اضافی اور حجم بڑھائے ہوئے اداروں سے :۔

۱۔ آزادی برباد ہوجاتی ہے۔

۲۔ ان اداروں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین مفلوج ہوکر رہ جاتے ہیں اور وہ زندگی کے اسباب سے ہٹ کر رہ جاتے ہیں

۳۔ مالی ضیاع : ان فالتو اداروں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں، عمارت پر جو رقم لگی ہو، اور وہ مال جو لوگوں سے ٹیکس، محصول کی شکل میں وصول کرتے ہیں اور ریا درخواست لکھنے، فوٹو لینے اور اسٹامپ خریدنے پر جو خرچ ہوتا ہے یہ سب کے سب مالی ضیاع ہے۔

۴۔ ان اداروں میں رجوع کرنے والی زندگی کا ضیاع جبکہ نتیجہ میں نہ کسی فرد کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی معاشرہ کو

۵۔ عزت و آبرو سے کھیل :۔ ایک شخص کو دفتر میں بلانا اگرچہ بہ فرض محال یہ تصور کر لیتے ہیں کہ کسی نے اس کی بے عزتی نہیں کی اور ضرورت سے زیادہ نہیں ٹھہرایا پھر بھی ایک شخص کا ادارہ میں مجبوراً آنا اسکی بے عزتی ہے۔

۶۔ آخر میں یہ یاد رہے کہ کسی چیز کو زیادہ دبانے سے اس کے پھٹ جانے کا اندیشہ زیادہ ہے۔

ان بیانات کی روشنی میں تقاضائے انسانیت یہ ہے کہ معاشرہ کو ان بدترین حالات سے نکالا جائے جن کی وجہ سے حکومت در امت کو کڑوا پھل چکھنا پڑ رہا ہے۔

ولایت

جب ہم نے فرودی اداروں کا عمومی جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اضافی دفاتر کو ختم کرنے سے اور حجم بڑھانے والے اداروں کے حجم کو کم کرنے کے بعد وہ ادارے تھوڑے ہی رہ جاتے ہیں۔

۱۔ ولایت :۔ اس عام ملکی مفاد سے متعلق تسلط کو کہتے ہیں جو حاکم کو حاصل ہوتا ہے آجکل کے زمانہ میں ہم کمشنر کہہ سکتے ہیں، صرف دو جہت سے فرق ہے۔

۱) ولایت بھی دیگر اسلامی ذرائع کی طرح حقیقت پر مبنی ہے اس میں روٹین یا چالو کام کا وجود نہیں ہے اس میں حوالہ در حوالہ نہیں ہے کہ تحریر ہو آپ کا خط مورخہ فلاں ۔ ۔ ۔ ۔ کے مطابق یا آپ کی درخواست نمبر فلاں کے مطابق ۔ ۔ ۔ بلکہ اسلام بغیر کسی کجی یا معاملہ کو التواء میں ڈالنے کے بجائے بغیر کسی زیادتی یا نقصان کے فیصلہ سُنا دیتا ہے ــــ یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے :ــــ

ہمارے موجودہ کمشنری نظام میں تعطل معاملہ کو پس پشت ڈالتا کیوں ہے ؟

جواب : دو طرح سے :ــــ

اوّل : اللہ پر عدم ایمان اور مادیت پر ایمان ۔ ایسے ماحول میں قومی دولت اور امور کے بارے میں کس پر بھروسہ کیا جائے ؟ یہاں تو سب کے سب چلتا کام کرنے کے عادی ہیں جو روٹین چل رہا ہے اس پر کاربند ہیں یہاں تو یہی فکر ہے کہیں باطل دب نہ جائے اور حق کو اُبھرنے کا موقعہ نہ ملے ، کیا یہ روٹین پر چلنا کافی ہے ؟ ــــ نہیں ہزار دفعہ نہیں ، چلتا کام کرنا اُمور کو اور مشکل بنا دیتا ہے ہر وہ شخص جو اس روٹین اور چالو طریقہ پر گامزن ہو ، اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ اللہ پر نہیں مادہ پر ایمان رکھتا ہے ۔ ان لوگوں کی

مثال تو حمام کے جن کی کہانی کے مانند ہے جو ہم یہاں بطور لطیفہ پیش کرتے ہیں:۔

ایک شخص چاند کی پہلی تاریخ کی رات میں نصف شب کے وقت صبح ہونے کے گمان سے قریبی حمام میں نہانے گیا جب حمام میں داخل ہوا اور دلاک (جسم ملنے والا) کے پاس پہنچا اُسے جسم ملنے کے لیے کہا وہ جسم مل رہا تھا اس شخص نے درمیان میں سوال کیا آیا صبح ہوگئی ہے؟ دلاک کہنے لگا ٹھہر جاؤ میں دیکھتا ہوں پھر آہستہ آہستہ اپنا قد بڑھانا شروع کیا حمام کے بلند ترین روشندان تک سر پہنچا کر وہاں شیشہ سے جھانکا پھر پلٹ کر چھوٹا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ پہلی حالت پر پہنچ گیا اور کہنے لگا ابھی صبح نہیں ہوئی۔ اس حالت سے خوف زدہ ہوکر یہ شخص اس طرف بھاگا جہاں حمام کا وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو لنگی اور تولیہ وغیرہ دیتا ہے! اس نے پوچھا کیوں خوفزدہ ہو اس شخص نے کہا بھائی اس دلاک کی وجہ سے اس شخص نے کہا کیا اُس نے اپنا قد اس طرح بڑھایا یہ کہکر وہ شخص بھی بلند ہونا شروع ہوا اور پھر گھٹتا گیا۔ اس حالت کو دیکھ کر وہ اور خوفزدہ ہوا بھاگا اور حمام کے اُس جگہ پہنچا جہاں وہ شخص بیٹھا رہتا ہے جو حمام میں آنے والوں سے اُجرت وصول کرتا ہے اس نے کہا کیا بات ہے کیوں خوفزدہ ہو۔ اُس نے کہا میں اس دلاک اور اس تمھارے ملازم کے عمل نے ڈرا دیا اُس کیشیر نے کہا کیا ان دونوں نے اس طرح قد بڑھایا چنانچہ اُس نے بھی وہی ڈرامہ دہرایا یہ شخص خوفزدہ ہوکر بھاگا آگے حمام کا مالک ملا اُس کو بھاگتے دیکھ کر پکڑا اور کہنے لگا کیوں بھائی کیا ہوا کس لیے ڈر رہے ہو اُس نے قصہ دہرایا۔ مالک نے کہا شاید اس طرح قد بڑھایا ہوگا اور اُس نے بھی قد بڑھانا شروع کیا اس مُسلسل خوف نے اُس شخص کو بے ہوش کر دیا یہاں تک کہ صبح کے قریب اصلی مالکِ حمام نے دروازہ کھولا تو اس شخص کو بے ہوش پایا اُس نے جلد ہوش میں لانے کی کوشش چنانچہ وہ ہوش میں آیا اور خوف کچھ کم ہوا تو اُس نے

اپنا قصہ بیان کیا تب لوگوں کو پتہ چلا وہ لوگ انسان نہیں جن تھے۔

ہمارے سرکاری اداروں میں حق کی تلاش میں جانے والے افراد کا یہی حال ہوتا ہے۔ ہر ایک جلد فیصلہ کرنے کے بجائے اپنا قد بڑھا کر یا معاملہ کو طول دے کر رجوع کرنے والے کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔

دوم: انسان پر چھائی ہوئی جہالت (معاملہ کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ)

انسان چاہے جس قدر خصوصیات فضائل کا مالک ہو اُس کی عادت یہ ہوگی کہ معاملہ کو تاخیر میں ڈال دے اور جب معاملہ ان لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہے جو کمشنری محکمہ کے قانون ساز ہیں وہ اس تاخیر میں ڈالنے کی عادت کو ختم کرنے کے لیے ایک قانون بناتے ہیں جو روٹین کے مطابق ہوتا ہے اور اس قانون سے ایک اور قانون برآمد ہوتا ہے اس طرح۔۔۔ یہاں تک انسان ان حالات کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ جاتا ہے۔

مقام کی مناسبت: موضوع کی مناسبت سے ہم ایک قصہ لکھتے ہیں جو ہمارے ایک دوست کے ساتھ عدالت میں پیش آیا۔ اُنھوں نے کہا ایک کیس کے سلسلہ میں مجھے کورٹ میں جانا پڑا اگرچہ معاملہ بہت معمولی تھا اور میں خود وہاں جاتے ہوئے کترا رہا تھا مگر دوستوں کے اصرار پر میں اس متعلقہ محکمہ میں پہنچا جبکہ میرا اس ادارہ سے ماضی میں بڑا ربط رہا تھا اور مجھے معلوم تھا یہ صرف دو تین منٹ میں طے ہو جائے گا لیکن جب میں اس سادہ معاملہ کو لے کر وہاں پہنچا تو مجھے دوپہر تک انتظار کرنا پڑا پھر معاملہ دوسرے دن پر ملتوی کر دیا گیا پھر تیسرے دن پر پھر آنا جانا معاملہ ہفتوں تک نوبت پہنچ گئی ایک دن غور سے دیکھا تو فائل کافی بڑی ہو چکی تھی میں نے چاہا پڑھوں میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا جبکہ میں ایک تعلیم یافتہ شخص ہوں جبکہ فائل کے صفحات پچاس تک پہنچ گئے تھے میں بہت تنگ آ گیا آخر میں جان چھڑانے کے لیے اس ایجنٹ کی

طرف رجوع کرنا پڑا جو عموماً اپنے طریقوں سے کام کو درست کر لیتے ہیں چنانچہ اپنے حق سے دست بردار ہوا اس طرح بڑی مشکل سے گلو خلاصی حاصل کی حق بیچارا تو پہلی دفعہ انسانی اداروں کے شکاری کے ہاتھوں ظلم کی زد میں آچکا تھا

یہ تو ان اداروں کی بُرائی کی ایک مثال تھی جس کو ہم نے پیش کیا اسی پر دوسرے اداروں کا قیاس کر لیا جائے ۔ انہیں اداروں نے ایک شخص کی خیانت پر تمام افراد کے لیے پاسپورٹ پر تصویر چسپاں کرنا لازمی قرار دیا پھر اس قانون نے آگے بڑھ کر پاسپورٹ پر عورتوں کی تصویر چسپاں کرنا ضروری قرار دیا اس لیے کہ ایک عورت نے قانون کی خلاف ورزی کی۔

اس کے بعد طبع اصابع (فنگر پرنٹ) لازمی قرار دیا اس لیے کہ تصویر کو کسی شخص نے پاسپورٹ الگ کر کے دوسری تصویر چسپاں کر دی اس لیے اب تصویر کافی نہیں بلکہ فنگر پرنٹ (انگلیوں کا چھاپ) لگانا ضروری قرار دیا وغیرہ وغیرہ ۔

اس طرح ایک شخص کے جرم "قانونی خلاف ورزی اور دھوکہ دہی کی وجہ سے معاشرہ پر قید و بند کا اضافہ کر دیا گیا۔ اگر اسی طرح جہالت سے بھرپور قانون جاہل انسانوں کے ہاتھوں نافذ ہوتا رہا اور اس کے سدباب کے لیے کوشش نہ کی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا لوگوں کو بس کی سواری ممنوع قرار دے دی جائے گی اس لیے کہ ایک بس نے ایک بچہ کو روند ڈالا ۔ ہوسکتا ہے یہ قانون آگے بڑھ کر عوام کو گھانس کھانے پر مجبور کرے اور غذا ممنوع قرار دے اس لیے کہ ایک دکاندار نے ایسا پنیر فروخت کیا جس میں زہریلا مادہ شامل تھا جس کی بنا پر ایک خاندان کے پانچ افراد ہلاک ہوگئے ـــــ ہوسکتا ہے ایک وقت کپڑے کے بدلے چمڑے کا لباس پہننے کا حکم دے اس لیے کہ کپڑا بننے کے مشین سے ایک پُرزہ ٹوٹ کر ایک انسان کے لگ گیا اور وہ ہلاک ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

یہ جاہل افراد اگرچہ کیمبرج یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوں ان کو معلوم ہونا چاہیے لاکھوں افراد کی گردن میں قانون کی زنجیر ڈالنا اُس ایک شخص کی دھوکہ دہی اور خیانت سے

زیادہ گناہ ہے۔

یہاں ہم ایک لطیفہ بیان کرتے ہیں :۔

ایک حاکم کے پاس ایک شخص شراب کی خالی مشک لیے پہنچا

حاکم : یہ مشک کیا ہے ؟

آدمی : خالی مشک ہے۔

حاکم : تم پر شرعی حد لگائی جائے گی اس لیے کہ یہ آلۂ شراب ہے اور اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تم شراب کے عادی ہو۔

آدمی : اے حاکم تم پر بھی حد جاری کرنا ہوگا۔

حاکم : کس لیے۔

آدمی : اس لیے کہ آپ آلہ زنا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

حاکم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُس شخص کو رہا کر دیا۔

موجودہ حکمرانوں اور اس حاکم میں فرق یہ ہے کہ اُس حاکم کو جب اپنی غلطی کا پتہ چلا تو گمراہی سے پلٹ گیا لیکن ہمارے یہ حکمراں اپنی غلطی پر مصر رہتے ہیں ان کا بنایا ہوا قانون جہل مرکب ہے۔ جاہل مرکب کبھی خواب سے بیدار نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ اپنی جہالت پر جاہل ہے۔ ایک شاعر نے جاہل گدھے کی زبانی کیا خوب کہا ہے ؎

قال حمار الجهول يوما • لو انصف الدهر كنت اركب

جاہل گدھے نے ایک دن کہا اگر زمانہ انصاف کرتا تو میں سوار ہو جاتا ۔

فانني جاهل بسيط • وصاحبي جاهل مركب

میں گدھا ہوں تو جاہل بسیط ہوں میرا مالک جاہل مرکب ہے۔

کس قدر بے وقوفی پر مبنی قانون ہے کسی ایک شخص کے کرتوت کی سزا

پوری قوم کو دی جائے یہ تو ایسا ہے جیسے کسی ایک شخص کی چوری کرنے پر سب کو بند کردیا جائے۔ کسی ایک کے ارتکاب جرم پر عام افراد کو جرمانہ دینا پڑے۔

یہ بیرونی درآمد شدہ قانون جس نے ہر طرف تباہی پھیلا رکھی ہے اس کی بقاء کی وجہ جہالت کے علاوہ ایک یہ ہے کہ حکومت وقت حکمرانوں کے لیے تین ۳ ایسی چیزیں وافر مقدار میں فراہم کرتی ہے جس سے ان کی شہوت پرستی کو تشفی حاصل ہوتی ہے:۔

۱۔ کرسی ۲۔ سرداری ۳۔ دولت ـــــــ

موجودہ قانون کا خاتمہ اسلام کی طرف رجوع کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام میں تبدیلی آئے اور حکومت چند ایسے اشخاص کے ہاتھ میں ہو جنھیں تھکن اور رنج کے علاوہ کچھ میسر نہ ہو اور جو دیانت د خلوص کے ساتھ کام کرنے کے عادی ہوں بھلا بتلائیے موجودہ حکمران طبقہ کس طرح حکومت چھوڑنے پر راضی ہوگا! اور دوسرے لوگ آرام کے بدلے تھکن اور کرسی کے بدلے رنج حاصل کرنے پر کیسے راضی ہوں گے! ـــــ

اسلامی طرز ولایت اور کمشنری نظام میں دو بنیادی فرق ہیں:

(۱) اسلام میں روٹین (چالو عادت) کا وجود نہیں ہے جبکہ کمشنری نظام میں مکمل طور پر موجود ہے جو دراصل مغرب کی پیداوار ہے جس کا تذکرہ ہم نے پہلے کردیا ہے۔

(۲) اسلامی ولایت میں عوام سے متعلق زندگی کے تمام امور سوائے عدالتی نظام کے شامل ہوتے ہیں وہ شہری نظم ونسق سنبھالتا ہے چاہے اس کا تعلق بلدیہ، ٹیکس آفس، پولیس یا فوج کے محکمہ سے ہو ان تمام اداروں کو وہ اپنی سرپرستی میں چلاتا ہے۔

یہاں جدید دور کا انسان ٹھہر کر سوال کر سکتا ہے :۔

اس زمانہ میں جب کہ بے شمار حکومتی ادارے ہوتے اور ہر ادارہ ایک شعبہ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی عوام کے مسائل نہایت سُست رفتاری سے طے ہوتے ہیں تو جب یہ ادارے ختم کر کے ایک محکمہ میں ضم کر دئیے جائیں تو مسائل کیسے حل ہو سکتے ہیں ؟

جواب :۔ جب ہم ان اداروں سے حسب معمول جاری عادت کو ختم کر دیتے کے بعد ان اسباب کو جن سے عوام کے مسائل میں تاخیر ہو جاتی ہے ختم کر دیں تو ایک ادارہ کافی ہے بلکہ وہ مزید دیگر کاموں میں معروف ہو جائے گا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے افراد پر ۱۳ صدیوں پر پھیلے ہوئے اسلامی حکومت کا دور سامنے ہے ۔ کس طرح اس نے زمین کے ایک وسیع اور عریض علاقہ پر بخوبی حکومت کی اور اس کے قلمرو میں ہر سو فلاح ، سعادت اور عزت کا دور دورہ رہا اور لوگ امن ، سلامتی ، محبت اور اطمینان سے زندگی گذارتے تھے ۔ آجکل کے دفاتر میں کام انجام دینے کا سارا نظام دو چیزوں پر مبنی ہے —

۱) روٹین (حسب معمول)

۲) (آزادی پامال کرنا) آزادی پامال کرنے کے طریقے عوام کے خوشیوں میں دیمک کا کام انجام دیتے ہیں ان کی دولت پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے ۔

اب ہم مذکورہ چار اداروں کا عوام کی ضرورت کے اعتبار سے جائزہ لیتے ہیں دیکھتے یہ ہیں کہ عوام کو ان اداروں کی ضرورت ہے یا مغرب کی پیدا کردہ ہیں ۔

ہم عنقریب یہ جائزہ لیں گے آیا اسلام موجودہ نظام سے بہتر ہے یا موجودہ نظام حکومت اسلام سے افضل ہے ۔ آیا معاشرہ کیلئے اسلامی نظام ولایت کافی ہے یا نہیں ؟

بلدیہ (MUNICIPALITY)

شہر میں ہر تعمیر اور انہدام کے لیے اس ادارہ کی اجازت ضروری ہے۔ اگر کوئی گھر بنانا چاہتا ہو یا دکان، حمام اور ہوٹل بنانا چاہے یا انکو گرانا چاہے تو مالک پر ضروری ہے کہ وہ اس ادارہ کی طرف رجوع کرے اور اجازت (permission) حاصل کرے۔ اس اجازت کے لیے درخواست لکھنا اس پر مالیاتی ٹکٹ چسپاں کرنا پھر انجینیر صاحب کا محل وقوع کا معائنہ کرانا پھر اس کے لیے ٹیکس، درخواست، مالیاتی ٹکٹ اور دستخط یا انگوٹھا لگانا ضروری ہے ان تمام اُمور کی انجام دہی کے بعد عمارت بنا سکتا ہے یا منہدم کر سکتا ہے۔ لیکن اسلام کہتا ہے مکان بنانے یا تعمیر کے لیے یا منہدم کرنے کے لیے کسی قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے ہر شخص اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کے لیے آزاد ہے بنانا چاہے بنا سکتا ہے گرانا چاہے گرا سکتا ہے۔ تعمیر کرنا چاہے اس کی مرضی، ایسا ہی چھوڑے رکھنا پسند کرتا ہے اُس کی مرضی ہے۔ اسلام میں بلدیاتی نظام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس بلدیاتی نظام نے کس قدر لوگوں کے مالی قوت اور وقت کا ضیاع کر دیا ہے۔ کتنے افراد ایسے ہی اس نظام کی وجہ سے تعمیر وغیرہ میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اگر ایسے افراد ایک فیصد بھی ہوں تو کس قدر قومی نقصان ہے اس کا بخوبی اندازہ اسوقت ہوگا جب ہم اس مسئلہ کو تحقیق اور تنقید کی میز پر رکھ کر سوچیں۔

وہ ایک فیصد کے علاوہ دوسرے لوگ جو اس کام میں مشغول ہیں وہ کتنے فیصد وقت اور دولت کو ان اداروں میں خرچ کر دیتے ہیں۔ بلدیہ کے افسران

اس ادارہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی قوت، ضرورت اور حالات سے بخوبی واقف ہوتے وہ ان کی مجبوری سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں یہ اس قومی نقصان کے علاوہ جو تعمیرات میں رکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔

اگر ہم نے صحیح نظام کے تحت یہ کام انجام دیا تو آبادی ترقی پذیر ہوگی جبکہ مغربی نظام کے سایہ میں تعمیرات رک جاتی ہیں اور کافی تاخیر ہوتی ہے ان تمام باتوں کے علاوہ انسانی آزادی کو سلب کرنا خود ایک ایسا جرم ہے جس کی مثال نہیں ہے انسان کو قدرت نے اسی طرح آزادی عنایت فرمائی ہے جس طرح مچھلی کو پانی میں، پرندوں کو فضا میں آزادی حاصل ہے۔ وہ انسان جس سے آزادی سلب ہو جائے وہ ماہیٔ بے آب کی طرح ہے۔

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تعمیرات کے کام کے لیے موجودہ روٹین اور قوانین ضروری ہیں (اگر یہ نہ ہو تو کیسے تعمیرات کا کام ہوگا؟)

ہم ان کے جواب میں کہیں گے :۔ اسلامی اقتدار میں استنے خوبصورت، عظیم الشان، بلند و بالا عمارتیں کثرت سے کیونکر وقوع پذیر ہوئیں، اس کثرت سے آبادی بڑھتی گئی کہ آج کے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے :۔

۱) شہر واسط میں آٹھ ہزار بڑی سڑکیں تھیں

۲) سامراہ : یہ شہر آٹھ فرسخ یا اس سے زیادہ پر پھیلا ہوا تھا۔

۳) بغداد : اس شہر میں پیسٹھ ہزار حمام تھے۔

۴) فسطاط : اس شہر میں تیس ہزار مسجدیں تھیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ تعمیرات کے لیے موجودہ دفتری طریقہ جسے روٹین کہتے ہیں کیا ضرورت ہے؟ اس کی ضرورت پر کیا دلیل ہے؟

جی ہاں دلیل صرف یہ ہے کہ مغربی لوگ اپنے ساتھ اس نظام کو لے آئے اگر یہی دلیل ہے تو وہ شراب لے آئے کیا اس کی تقلید میں پینا ضروری ہے ۔ وہ فتنہ وفساد کو ہمراہ لائے کیا ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا ہے؟ وہ کافر سیاسی جماعتوں کو لے آئے؟ کیا ہمارے لیے اس پر کاربند رہنا ضروری ہے؟

بلدیہ کے ادارے میں تعمیراتی کام کے بارے میں جو قوانین ہیں وہ عقل، منطق اور شریعت کے خلاف ہیں ۔ پانی اور بجلی کے سوا بلدیہ جو امور انجام دیتی ہے اس پر قیاس کیجئے ۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جب بلدیہ سے اضافی امور کو ختم کر دیا جائے جب کمشنری کو زاید امور سے پاک کر دیا جائے تو بقیہ کام سادہ رہ جائے گا جو اسلامی حکومت میں والی کی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے ۔ شہر کا والی بلدیہ کے امور کو خود سنبھالے گا ۔ جدا ادارہ کی ضرورت نہیں ہے ۔

پولیس (POLICE)

جب ہم پولیس کے ادارے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ادارہ اس موجودہ دور میں تین کام انجام دیتا ہے :

۱۔ امن قائم رکھنا ۲۔ قوانین نافذ کرنا ۳۔ عوام پر حکومت وقت کا رعب قائم کرنا ۔

ان اُمور کو انجام دینے کے لیے پولیس کی مختصر تعداد کافی ہے ۔ اسلامی اقتدار قائم ہونے کی صورت میں کم سے کم تعداد سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائیگا جیسا صدر اسلام میں ہوتا چلا آیا ہے ۔ چنانچہ اس دور میں والی شہر کے ساتھ چند افراد پولیس کے نام سے موسوم موجود ہوتے تھے ۔ وہ شہر کو نہایت سادگی اور عمدہ طریقے پر بغیر کسی ایس۔پی، ڈی۔ایس۔پی کی مدد کے کام چلاتے تھے ۔ ہم نے اپنے بیان میں یہ قید لگا دی ہے کہ یہ سب اسوقت ہوگا جب ملک میں اسلامی نظام رائج ہو اس لیے کہ اسلام کے فیض سے معاشرہ میں جرائم اس قدر کم ہو جاتے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر کہا جا سکتا ہے ۔ پھر روٹین ختم ہو جانے کے بعد کام جلد سے جلد طے ہوتے ہیں ۔ اداروں میں کیس کم سے کم رہ جاتے ہیں جب اداروں کی تعداد کم ہونے کے سبب حکومت پر ذمہ داری بھی کم ہو جاتی ہے ۔ اس کے بعد شہر کے نظم و نسق سنبھالنے کے لیے قلیل تعداد میں پولیس کافی ہے اس لیے کہ شہر میں امن بحال اور جرائم کی کمی ہے ـــــ یہاں پر بھی ہم وہی کہیں گے جو بلدیہ کے محکمہ کے بارے میں کہا تھا ۔ پولیس کا محکمہ موجودہ صورت میں ختم کرنے کے بعد لوگوں کی دولت کا تحفظ، حقوق محفوظ اور آزادی بحال ہوگی ۔

اس محکمہ کے ارد گرد گھومتے رہنے والی تمام قوتیں قومی فلاح و بہبودی

کے لیے خرچ ہو جائے سے قوم بہت جلد ترقی کی منزل تک پہنچ جائے گی۔

فوج

یہاں ہم اسلام میں فوج کا تصور پیش کرتے ہیں اس کا اصل مدرک تین بنیادی قواعد ہیں :۔

۱۔ قاعدہ (لوگوں کو اپنے مال اور جان پر مکمل اختیار حاصل ہے) اس سے انسان کی فطری زندگی کا تصوّر ملتا ہے اس لیے کسی کو زبردستی فوج میں لینا درست نہیں ہے

۲۔ قاعدہ جہادِ اسلامی: جو اِس آیت سے استفادہ کیا گیا ہے : (واعدو لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم[1]) "ان کفار کے مقابلہ کے لیے جہاں تک تم سے ہوسکے طاقت، بندھے ہوئے گھوڑوں کو مہیّا کرو ایسا کرنے سے تم خدا کے دشمن اور دوسرے لوگوں پر دھاک بٹھالوگے۔"

۳۔ آغازِ اسلام میں رسول اللہ (ص) نے جو فوج تشکیل دی وہ ہمارے لیے ایک عام قاعدہ تشکیل افواج ہونے کی مصداق ہونے کے ساتھ اسوۂ عمل بھی ہے۔

یہاں کوئی دریافت کرسکتا ہے ؟

گذشتہ زمانہ کی عسکری تنظیم اور آج کے دور کی جدید ہتھیاروں کے زمانہ میں بڑا فرق ہے۔ آپ کیونکر آج اسلامی طرز تنظیم عسکری پر عمل کرسکتے ہیں ....

جواب :۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا چاہے کس قدر ترقی کرجائے اُس کے اصل جوہر میں تبدیلی نہیں ہوتی یعنی زمانہ بدلنے سے اسلامی اصول نہیں بدلتے بلکہ جس قدر زمانہ بدل جائے اس کے اصول کی تشریح، توضیح کے ساتھ اسکے لیے سند اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک طرز تشکیل افواج ہے جو

---

[1] الانفال ۶۰

آیندہ آنے والی سطروں سے واضح ہو جائے گا۔ اسلام میں تشکیل افواج میں اسبابِ جنگ مہیا کرنے اور آزادی انسان دونوں یکجا ہیں جبکہ اسلام کے علاوہ نظام میں انسان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے اور وہ جنگی ساز و سامان جمع کرنے میں لگا ہے۔ غور کیجئے کس قدر عوامی توانائی کا ضیاع کیا جاتا ہے !!

اسلام دونوں اُمور کو جمع کرتا ہے آیئے دیکھئے کیسے ؟

(اسلامی فقہ) میں ایک خاص باب ہے جسے (السبق والرمایہ) جس کے معنی ہیں گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی اس کے ساتھ اگر ہم جدید جنگی سامان کو بھی ساتھ ملالیں اس کے بعد اسلامی ریاست کا والی (حکمراں) ملک کے تمام عوام کو ہتھیاروں سے لیس کرے اور ساتھ ہی جنگی حکمت عملی اور علم سے اُنھیں معلومات فراہم کرے، یہ عمل اس طرح انجام پائے گا۔

ہر شہر کے باہر وسیع میدان کو فوجی تربیت کے لیے مخصوص کرنے کے ساتھ تمام جدید جنگی ساز و سامان مہیا کرے اس کے لیے ضروری ہے والی خود ہر شہر کے لیے ایک شعبہ مخصوص کر دے۔ ایک شہر میں رہنے والوں کو توپ چلانا سیکھایا جائے تو دوسرے شہر والوں کو ٹینک چلانا سکھایا جائے۔

ایک شہر فضائی جنگ کے لیے مخصوص کر کے انھیں جنگی طیارہ چلانا سیکھلایا جائے ایک شہر کو مزائل چلانے کیلئے مخصوص کرے۔

پھر ملک کا والی (حکمراں) اعلان کر دے کہ ہر شخص روزانہ عصر کے وقت فلاں قسم کی تعلیم اور تربیت کے لیے فلاں جگہ حاضر ہو ـــ اور یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوگوں میں سے چند کے سواء سب کو جنگی فنون و ثقافت سیکھنے کا شوق ہے پھر ایسی حالت میں جبکہ اس کے مُلک کو خطرہ لاحق ہو اس شوق میں اضافہ اس وقت ہوتا ہے جب ان میں بیداری ہو اور زمین پر عدل حقیقی جاری کرنا چاہیں۔

جب ایسا دور آجائے تو لوگ جوق در جوق فوجی تربیت حاصل کرنے کے لیے جس طرح ماضی کے سفید ہتھیاروں کے زمانہ میں جمع ہوتے تھے آج بھی توجہ دیں گے اگرچہ جدید اسلحہ کی دھوکہ دہی کئی گنا زیادہ ہے۔

اس طرح آپ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ملک کے تمام عوام کو جہاد اور دفاع کے لیے تیار پائیں گے۔ اس میں فائدہ یہ ہے:

۱۔ عام آزادی کی بحالی۔ اس لیے کہ لوگوں پر فوج میں شامل ہونے کے سلسلہ میں کوئی جبر نہیں ہے

۲۔ فوجی قوت ضایع ہونے سے بچ جاتی ہے۔ مغربی نظام میں اس قوت کا بے جا مصرف ہوتا ہے ان کے نزدیک فوج امن کے دوران کچھ کام انجام نہیں دیتی وہ اپنے تمام اوقات بیکاری میں گزارتے ہیں سوائے چند گھنٹے جو وہ تربیت حاصل کرنے میں گزارتے ہیں۔ اسلامی تشکیل افواج کے نظام میں ہر فوجی تربیت حاصل کرنے والا صبح کے وقت اپنے اور اپنے عیال کے لیے روزی کمائے گا اور شام کو میدان میں فوجی تعلیم حاصل کرے گا۔

اسلامی فوج کی مثال اس جدید دور میں شہری دفاع کے محکمہ سے دے سکتے ہیں اگرچہ ان دونوں میں بڑا فرق موجود ہے پھر بھی شباہت پائی جاتی ہے شہری دفاع میں شریک شخص کی طاقت ضایع نہیں ہوتی بلکہ وہ طاقت میں اضافہ کرتا ہے۔ بس یہی حال اسلامی فوج کا ہے

۳۔ لوگوں کی قوت کا عدم ضایع: اس سے وہ طاقت مراد ہے جو لوگ فوج کا بوجھ اُٹھانے میں صرف کرتے ہیں۔ جب فوج بیکار بیرکوں میں پڑی رہے، اپنی روزی کے لیے ہاتھ پیر نہ مارے تو فوراً اس کا بوجھ عوام کے کاندھوں پر پڑے گا جس کی وجہ سے ترقی کی راہ میں دوہری رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ وہ فوجی شخص جو روزآنہ ایک درہم

کماتا ہو دوسرا شخص وہ بھی محنت کرکے ایک درہم کماتا ہو۔ دونوں کے پاس ایک ایک درہم شام کو ہوتے ہیں لیکن اگر فوجی کام نہ کرے اور اپنا بوجھ دوسرے شخص پر ڈالدے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں صرف ایک روپے پر زندگی گذارتے ہیں۔ اس اقتصادی نقصان سے زندگی کمزور اور جسم کا نصف حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

۴۔ سرکاری ملازمین جو فوج کا کام انجام دیتے ہیں ان کی قوت کا ضیاع نہ ہوگا، مغربی نظام میں افواج میں باقاعدہ ایک ادارہ کام کرتا ہے جس میں ایک ڈائریکٹر اس کا اسسٹنٹ قوانین دستور وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے جس سے عملہ میں اضافہ ہوتا ہے اسلام ان سب سے بچاتا ہے ــــ یہاں کچھ لوگ سوال کرتے ہیں :۔

آپ نے اسلامی فوج کے بارے میں جو ذکر کیا کہ وہ لوگ فوجی تربیت حاصل کرتے جائیں، کیا ان سب کا جانا تربیت حاصل کرنا طاقت کا ضیاع نہیں ہے

جواب :۔ ضرورت کے مطابق کچھ وقت دفاع کے لیے تربیت حاصل کرنا طاقت کا ضیاع نہیں ہے بات تو وہاں کی ہے جہاں زیادہ سے زیادہ وقت گذارا جاتا ہے جبکہ ہم نے جو آزاد عسکری تربیت کا نظام پیش کیا وہاں عام لوگوں کی دلچسپی کے ساماں بھی موجود ہوں گے۔ تربیت کے ساتھ ایک تفریح بھی ہے جبکہ ایسے مواقع نہ ہونے کے بنا پر مصروف رہنے کے لیے انسان سڑکوں پر گشت کرتا ہے یا ہوٹلوں میں بیٹھ کر وقت ضایع کرتا ہے یہ تو جائز مقامات ہیں اور جو حرام مقامات پر وقت گذارتا ہے اس کا ذکر ہم نہیں کرتے۔

اسلامی طرز تشکیل افواج سے تمام پبلک لشکر میں شامل ہو جاتی ہے۔ ہر شخص دفاع اور جہاد کے لیے تیار ہوتا ہے مسلمانوں کو مغربی طرز تشکیل عسکری کی جو محض بکواس ہے کوئی ضرورت نہیں ہے یہ نظام اُس وقت اسلامی ملک میں آیا جب

استعماری طاقتوں نے ان ممالک اسلامی میں اپنے قدم جمائے ہم اُس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب اس استعماری طرز فکر و عمل کو چھوڑ کر اسلامی طرز حیات کی طرف پلٹ جائیں۔

موقع کی مناسبت سے یہ قصہ ذکر کرتے ہیں اگرچہ ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں بھی ذکر کیا ہے۔

سلسلہ قاچاری خاندان کے مشہور شہنشاہ ناصر الدین شاہ قاچار نے اپنے وزیر اعظم کے ہمراہ کسی ایک مغربی ملک کا سفر کیا وہاں کے بادشاہ کے مہمان ٹھہرے مغربی بادشاہ نے چاہا اپنی ہیبت، شوکت اور لشکر و عسکر دیکھائے ایک دن شاہی فرمان کے مطابق عسکری پریڈ کا مظاہرہ کیا گیا۔ میدان کے بیچ میں مہمان بادشاہ کے لیے پنڈال بنا رکھا تھا جہاں سے پریڈ کا مشاہدہ کر سکے۔ وزیر کا کہنا ہے ہم نے ایک منظم فوج کو دیکھا اور اُن کے چمکتے دمکتے جنگی ساز و سامان کو بھی دیکھا پریڈ کے درمیان میں میزبان بادشاہ نے مہمان بادشاہ سے دریافت کیا ایران میں آپ کی فوج کی تعداد کتنی ہے؟ وزیر کا کہنا ہے ــ میرا رنگ زرد پڑ گیا، میرے بند بند کانپنے لگے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اب یہ خیال تھا کہ شہنشاہ صاحب کیا سچ کہتے ہیں اگر ایسا ہے تو مغربی بادشاہ کی آنکھوں میں حقیر ہو جائیں گے یا اس گرداب سے نکلنے کے لیے جھوٹ کہتے ہیں لیکن میری نظر شہنشاہ کے چہرہ پر پڑی تو دیکھا ان کا چہرہ زرد نہ تھا نہ ان پر کوئی خوف طاری تھا وہ نہایت اطمینان سے کہنے لگے ایران میں تو امن کی حالت میں دس ہزار ہیں اور جنگ کی حالت میں دس لاکھ بن جاتے ہیں۔

مغربی بادشاہ تعجب سے یہ کیسے ممکن ہے؟

شہنشاہ نے جواب دیا امن کی حالت میں داخلی اعتبار سے امن برقرار رکھنے

کے لیے دس ہزار کافی ہیں۔ بس اتنے افراد کے لیے کھانا پینا اور لباس حکومت مہیا کرتی ہے۔ جنگ کے زمانہ میں جب ہماری سرحدوں پر دشمن حملہ کرتا ہے تو ہمارا عالم دین جو مسلمانوں کا مرکز اور مرجع تقلید ہے جہاد کے لیے فتویٰ دیتا ہے اس فتویٰ سے عوام جو دس لاکھ میں ہیں پر جہاد واجب ہو جاتا ہے پھر دشمن کو بھگانے اور شکست دینے کے بعد سب اپنے کاموں پر واپس چلے جاتے ہیں۔

وزیر کہتا ہے شہنشاہ کے جواب سے مغربی بادشاہ کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہیں بات ختم کر دی۔ چنانچہ اس بات کی صداقت کی مثالیں تاریخ میں کئی مقامات پر ہمیں ملتی ہیں ایک مثال ۱۳۴۰ھ ثورۃ (العشرین) کے سلسلہ میں امام شیخ مرزا محمد تقی شیرازی کا فتویٰ ہمارے سامنے ہے جس کے سبب سرزمین عراق کے غیور مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور سب جمع ہو کر انگریزوں کو اپنی سرزمین سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔

اس واقعہ سے قبل مشہور واقعہ تنباکو کے سلسلہ میں حضرت امام الحاج مرزا محمد حسن شیرازی صاحب کا جنھوں نے تنباکو کی حرمت پر فتویٰ دیا جس کے سبب ایران کے مسلمان انگریزوں کو اپنی سرزمین سے بھگانے میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے استعماری قوتوں کے بچھائے ہوئے جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

فوج سے اگر مغربی طرز تدابیر اور تربیت کو ختم کر کے اسلامی رنگ میں رنگا جائے تو حجم کم ہو جائے گا اور فائدہ زیادہ ہوگا۔ یہی طریقہ اسلام کا دوسرے اداروں کے بارے میں ہے۔ جب تعداد کم ہوئی تو مسلمان مملکت کا والی نہایت آسانی سے ادارہ کو چلا سکتا ہے۔

ٹیکس

اسلامی ٹیکس وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے اعتبار سے نہایت سادہ ہے۔

ٹیکس یہ ہیں:۔

(۱) زکاۃ (۲) خمس (۳) خراج اور مقاسمہ (۴) جزیہ۔

نہایت آسانی سے جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے الگ دفتر کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہر کا والی خود جمع بھی کر سکتا ہے اور تقسیم بھی۔ یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے:

ابتداء دور اسلام میں جب زندگی اتنی وسیع و عریض نہ تھی جس قدر آج کے زمانہ میں ہے۔ اس زمانہ کے اعتبار سے تو اسلامی زکاۃ کافی تھی لیکن اب چونکہ زندگی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے تو ٹیکس کا دائرہ بھی بڑھ جانا چاہیئے۔ جب ٹیکس بڑا ہو تو اس کے وصول کا دفتر بھی بڑا ہونا چاہیئے۔

جواب:۔ زندگی کی وسعت سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد دفتر اور حکومت کے اداروں میں توسیع ہوتی ہے تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اسلام ہر اضافی اداروں کو کم کرتا ہے صرف اس قدر باقی رکھتا ہے کہ جس قدر لوگوں کو ضرورت ہو۔ جب ادارے کم ہوں گے تو ان کے چلانے کے لیے مزید ٹیکس عاید کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

اب اگر توسیع حیات سے مراد لوگوں کے ضروریات زندگی میں اضافہ ہے جیسے مواصلات، پانی اور بجلی تو یہ پبلک سے متعلق ادارے ہیں حکومت سے کوئی خرچ نہیں مانگا جاتا۔ ان اداروں پر جو کچھ خرچ آتا ہے صارفین کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اگر توسیع حیات سے مراد شہر میں بنائی گئی سڑکوں اور تفریحی مقامات کی کثرت ہے تو جناب ہم نے پہلے عرض کیا کہ اسلامی دور حکومت میں شہر بہت زیادہ

بڑے اور با عظمت تھے ۔ یہ حقیقت ان کے لیے واضح ہے جو تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اس کے علاوہ ان پر خرچ ہونے والی دولت عوام کی جیب سے حاصل کی جاتی ہے ۔ اگر توسیع حیات سے مُراد علم اور صحت کے بارے میں درس گاہوں کی کثرت ہے یا جنگی میدان میں وسعت پانا ہے ہم اس کو جان لیتے ہیں لیکن ان میں سے بعض کے اخراجات بھی عوام برداشت کرتے ہیں ۔

کیا آپ خُمس کو کم سمجھتے ہیں ؟ آجکل تو ایسے اشیاء زمین سے نکلے جاتے ہیں جسے آغاز اسلام میں لوگ واقف نہ تھے جس پر شرعی ٹیکس خمس لگتا ہے جو ہمارے ضروریات سے بھی زیادہ ہے ۔

خلیج (گلف) کے علاقہ میں عراق، ایران، کویت اور سعودی عرب سے جو تیل نکلتا ہے اگر ان پر اسلامی ٹیکس ایک ہزار ملین ہو کیا یہ مقدار کم ہے ؟ کیا دور حاضر میں ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی رقم درکار ہے یہ تو صرف تیل کی بات ہے اُن دیگر معدنیات کا جو اس زمین سے برآمد ہوتے ہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔ ہمارا ملک دولت سے مالا مال ہے ہمیں مغربی طور پر ٹیکس عاید کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ مروجہ ٹیکس کا نظامِ استعمار کے طفیل میں ہم تک پہنچا ہے جس کی زد سے کوئی خشک و تر نہیں بچا ہے ۔ فضا میں پرندے، دریاؤں میں مچھلیاں، بچہ جب پیدا ہوا اور آدمی جب مر جائے مغربی ٹیکس اس پر لگ جاتا ہے

اس جانب ہم نے اپنی کتاب (فی ظل الاسلام) میں اشارہ کیا ہے اور دیگر کئی کتابوں میں بھی تذکرہ آیا ہے ۔ اسلام نظام ولایت اور مغربی نظام کمشنری کے درمیان ایک ایسا فرق بھی ہے جس کی بناء پر ولایتی نظام کامیاب ہے اور کمشنری نظام فیل ہے ـــ وہ یہ کہ اسلام لوگوں کے نفوس کو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ جلا بخشتا ہے ۔ یہاں ہر ایک کو کام کرنے کے سلسلہ میں مکمل اختیارات حاصل ہیں ۔

والی کو امیر یا خلیفہ سے اختیار ولایت کے بارے میں کوئی ربط نہیں ہے ہاں اگر ٹیکس سے کچھ بچ جائے تو مرکز کی طرف بھیجا جاتا ہے یا غیر معمولی کوئی مسئلہ پیش ہو تو مرکز کیطرف رجوع کیا جاتا ہے ورنہ اپنے مقام پر والی خود رئیس اعلیٰ کی طرح ہوتا ہے اگرچہ اس کا رشتہ مرکز سے مضبوط تر ہوتا ہے اس طرح وہ روٹین کا قلع قمع ہو جاتا ہے جیسے ہر وقت ہر کام کے لیے مرکز یا صدر دفتر سے رجوع کرنا پڑتا ہے مگر اسلامی نظام میں دونوں طرف ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتے بلکہ ہر محکمہ اپنا بوجھ خود برداشت کرتا ہے (اسطرح کام میں بھی تاخیر نہیں ہوتی) اس لیے کہ جب کمشنری علاقہ کے مسائل کو صدر مقام سے ربط رکھ کر وہاں بھیج دیا جائے تو یقیناً کام میں غیر معمولی سستی پائی جائے گی اور زندگی کی حرکت رک جائے گی اور کبھی تو بالکل مفلوج ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ کمشنری مرکز اور صدر مقام اور ان اداروں کی طرف رجوع کرنے والوں کے وقت اور قوت کا ضیاع ہے ــــ جب ان سے یہ پوچھا جائے کہ معاملہ کو اسقدر پھیلانے کا سبب کیا ہے؟ جواب دیتے ہیں :ــ

(۱) صدر مقام معین کردہ والی کے حالات سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔

(۲) صدر مقام چاہتا ہے کہ تمام اعمال اس کے تحت نظر ہو۔

(۳) امور مملکت یا جمہوریت میں نظم ونسق برقرار رہے۔

جی ہاں اس سے دونوں میں گہرا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے فائدہ کم نقصان زیادہ ہے۔ یہ صرف ایک خیالی فائدہ ہے جیسے اس موجودہ نظام نے سوچ رکھا ہے۔ اس لیئے کہ صدر مقام سے یہ ربط رکھنے کی وجہ سے چند اُمور کا پیدا ہونا لازمی ہے

۱) والی کا بے بس ہونا :

۲) صوبہ کے صدر مقام اور ان اداروں کی طرف رجوع کرنے والے

لوگوں کی قوت اور وقت کا ضیاع ہے۔

۳) آبادکاری اور ترقی کے راہ میں رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔

مثال: اگر ایک گھر کی تعمیر کے لیے صوبائی دفتر سے رجوع کرنا پڑے اور صوبائی دفتر کو مرکزی صدر مقام سے رجوع کرنا پڑے ... اگرچہ اس عمل سے صدر مقام کو اس عمارت کی تعمیر کے بارے میں علم ہو جائے گا اور صوبہ میں پیدا ہونے والی ہر حرکت اس کی نظر میں ہوگی اور تعمیراتی کام میں ایک نظم ونسق برقرار ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو غور کیجیے اس عمل سے مکان تعمیر کرنے والے کی آزادی سلب ہو کر رہ گئی وہ صوبائی دفتر کا چکر کاٹنے اور صوبائی دفتر والے صدر مقام کی طرف دیکھتے رہیں درمیان میں جو وقت ضایع ہوا اس میں تعمیرات کے کام میں رکاوٹ پڑ گئی اور یہ بھی معلوم ہے بہت سے لوگ ان دفتری مصیبتوں سے بچنے کے لیے آبادی اور تعمیراتی کاموں میں پیسہ نہیں لگاتے۔ وہ سمجھتے ہیں یہ ایک تھکا دینے والا عمل ہے۔ آدمی کا دفتروں کا چکر کاٹنا ہی اس کی قوت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے، اس طرح چکر میں رکھنے کا فائدہ کیا ہے؟

سب سے بہتر طریقۂ اسلامی ہے۔ یہاں والی کو عوام کے تمام کاموں میں مطلق اختیارات ہوتے ہیں اور یہ انسانیت کے قریب ہے یہی وجہ تھی کہ ماضی میں آبادی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ہم آجکل سوچ بھی نہیں سکتے اور نہ مغربی نظام کے پرستاروں کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے ـــــ

یہ حال صرف صوبائی محکمہ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ حکومت کے ہر ادارہ کا یہی حال ہے۔ اس کے علاوہ مغربی نظام میں تناقض پایا جاتا ہے ایک کام تو صدر مقام سے متعلق ہے اور دوسرے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک زمانہ میں کام مرکز سے مربوط ہوتا ہے تو دوسرے زمانہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثال:ـــ

لینز کے کاغذات کی منظوری کے لیے مرکز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے لیکن رہن کے معاملہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اقامہ: کا تعلق کبھی مرکز سے قائم ہوتا ہے اس لیے اقامتی ویزا حاصل کرنے کے لیے صدر مقام جانا پڑتا ہے اور کبھی مرکز سے جُدا ہو جاتا ہے اور صوبائی حکومت کی طرف دے دیا جاتا ہے ــــ یہ سب اس لیے کہ مغربی نظام کسی منطق کے اصول سے واقف نہیں ہے وہ تو لکیر کا فقیر روٹین پر گامزن ہے یا اندھے قانون پر، ہم یہاں کہتے ہیں بے وقوف روٹین اور اندھا قانون، تو کیوں لوگ روٹین کے گرویدہ ہیں اور کیوں ایک اندھے کے ہاتھ میں زمامِ حکومت دیتے ہیں۔ ہوشمند، باشعور اسلام ان متضاد پالیسوں سے بہت دور ہے۔ ہر شہر، مرکز سے وفاداری، اخلاص اور محبت کے اعتبار سے مربوط ہے اور ہر اہم کام میں صدر مقام سے رجوع کیا جاتا ہے رہ گیا دوسرے کام تو اسے مکمل اختیار ہوتا ہے وہ خود انجام دیتا ہے اس طرح حکومت اور عوام دونوں کی ذمہ داریوں کو برداشت کرتا ہے اور جب کبھی کوئی اہم معاملہ صوبہ کو پیش آئے یا مرکز کو تو اس صورت میں وہ صدر مقام کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ اس پیچیدہ گتھی کو سلجھایا جاسکے ایسے معاملات میں دونوں ایکدوسرے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

درحقیقت ملک میں رائج مغربی نظام زندگی پورے کا پورا زنجیر اور بیڑیوں کا مجموعہ ہے اور جب بھی اسلام برسر اقتدار آجائے تو پھر مسلمان اس آیت کے مفہوم سے لطف اندوز ہوں گے۔

ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم

ان سے بوجھ اور زنجیریں جو ان پر پڑی ہیں اُتار دی جائیں گی۔

عدالتی نظام

عوام کی زندگی سے متعلق ضروری اداروں میں سے ایک محکمہ عدالت ہے۔ اسلامی عدالتی نظام کی مثال بھی اسلامی طرز اقتدار ولایت کیطرح ہے اس نظام اور ملک میں رائج نظام میں کوئی مطابقت نہیں ہے بلکہ دونوں میں علمی، منطقی اصطلاح میں عموم من وجہ ہے۔ رائج عدالتی نظام میں ایک طرف تو حجم بڑھانے کی بیماری ہے اور دوسری طرف سے سکڑ جانے کی۔

حجم بڑھانے سے متعلق :۔ (۱) مالیہ :۔ ہر شخص کو جو اس ادارہ کی طرف رجوع کرتا ہے ضروری ہے کہ وہ ایک درخواست لکھے اور اس پر مالیاتی ٹکٹ چسپاں کرے وہ بھی کیس کے مطابق پھر اسی طرح کیس کی نوعیت کے لحاظ سے ٹیکس بھی ادا کرے۔

(۲) وکالت یہ خود ہیرا پھیری کے قانون کی پیداوار ہے۔ ملک میں ایک جم غفیر افراد اس پیشہ سے منسلک ہیں۔ یہ کس لیے؟ یہ اس لیے کہ حقدار اپنے حق کا دفاع نہ کر سکتے اور باطل قدم جمائے رکھے۔ اس پیشہ کے سہارے معاملات پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ ایک سیدھا سادہ کیس جو حق پر مبنی ہے حقدار اُس کے حاصل کرنے سے عاجز آجاتا ہے اِدھر باطل اس پیشہ کی آڑ میں چھپ جاتا ہے اور حق کے بڑھتے ہوئے ہاتھ سے اپنے گلے کو بچالیتا ہے۔

در حقیقت وکالت عجیب وغریب پیشہ ہے۔ کیس غلط ہے اور اس بات کو جانتے ہوئے بھی اس باطل کیس کی پیروی کرنے کے لیے ایک یا چند وکیل اس کی پشت پناہی کے لیے کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ راز تھا جس کی وجہ سے مہاتما گاندھی

نے اس پیشہ کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے کہا "میں نے دیکھا وکالت کا پیشہ باطل کی اسقدر خدمت کرتا ہے جس قدر حق کی خدمت کرتا ہے بلکہ کبھی باطل کی خدمت زیادہ کرتا ہے میں ایسے پیشہ کو اختیار نہیں کرتا جس کی یہ حالت ہو۔"

۳) فیصلہ کو تقسیم کرنا:۔ شرعی عدالت جس کی سرپرستی قاضی صاحب کرتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جب استعمار نے اسلامی ممالک کو اپنے تسلط میں لیا تو وہاں اسلامی قانون کو چلتا ہوا دیکھا تو اس نے اس قانون کی عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا مگر کھل کر ہمّت کرنے کی کوشش نہیں کرسکا اس لیے کہ محکوم ہونے کے باوجود مسلمان اب بھی اسلام پر باقی تھا تو اُس نے اپنی عیّاری سے کام لینا شروع کیا۔ اس نے شرعی عدالت کے سامنے قانونی عدالت کا دروازہ اس بہانے سے کھولا کہ یہاں مغربی اجنبی لوگ شرع کی طرف رجوع نہیں کرسکتے اس لیے یہ دفتر کھولا گیا ہے۔

یہی صورت حال اسلامی درسگاہوں کے ساتھ پیش آئی۔ اسلامی درسگاہوں کے پہلو میں استعمار نے اپنے اسکول کھول دیے۔ جب ان اسکولوں کی حالت بہتر ہوگئی تو اسلامی درسگاہوں کو کم سے کم کرنا شروع کیا اور آخر میں بند کروا دیا۔ اس کے بعد اسلامی درسگاہوں کی عمارت کو دیکھ نہ سکا بعض کو سڑک کی تعمیر کے حیلہ سے زمیں بوس کر دیا اور بعض افراد کو تیار کیا تاکہ ان مدارس پر ملکیت کا دعویٰ کریں چنانچہ وہ مدارس بند کرکے عمارت کو لوگوں کے حوالہ کر دیا گیا انھوں نے اس پر غصبی تصرف کیا۔ پھر اس نوآبادیاتی نظام نے اہل علم کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ دینی طلبہ کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا صرف وہ لوگ چھوڑ دیے جاتے جن کے پاس حکومتی دینی درسگاہوں کے شناختی کارڈ موجود ہوں پھر رفتہ رفتہ انھوں نے دینی درسگاہوں کو بھی بند کر دیا پھر علماء کرام پر حملہ بول دیا ان پر تہمت لگائی کہ وہ اجنبیوں کے ایجنٹ ہیں۔ جب انگریزوں نے ریڈیو بغداد سے پیش کیا جس میں علماء کے خلاف زہر اُگلا تھا آج بھی میں

وہ پروگرام یاد ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ انگریزوں نے ایران، ترکیہ، مصر، ہندوستان انڈونیشیا وغیرہ میں دینی علماء کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا۔ وہاں ایک جج صاحب کا تقرر عمل میں لایا گیا پھر رفتہ رفتہ جج کے اختیارات میں اضافہ کر دیا اور قاضی صاحب کے اختیار سمیٹ دیے گئے چنانچہ جج کا دائرہ عمل وسیع ہو گیا اور قاضی صاحب کا دائرہ سمٹتا چلا گیا۔ بیچارہ قاضی صرف عائلی قوانین تک محدود ہو گیا اور بعض اسلامی ملکوں میں تو قاضی صاحب کو ہمیشہ کے لیے چھٹی دیدی گئی اور جن ملکوں میں شرعی عدالت کو ختم نہ کر سکا وہاں صرف ڈھانچہ برقرار رکھا روح نکال دی گئی اور شرعی عدالت کو بھی سول قانون کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

یہی وجہ ہے آپ بہت سے اسلامی ملکوں میں سول عدالتوں کے پہلو میں ایک شرعی عدالت بھی پائیں گے۔

استعمار نے یہی رویہ ہر اسلامی معاملات میں برقرار رکھا اسلام کے مقابلہ میں سول نظام کا تقرر کیا پھر رفتہ رفتہ اسلام کو کم کرتا گیا اور کفر کو آگے بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ اسلام برائے نام رہ گیا ـــــ یہی سلوک اسلامی حکم 'پردہ' کے ساتھ کیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ سرکاری افسر کی بیوی کو بے پردہ ہونا چاہیئے اگر ایسا نہ ہوا تو اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا مزید ترقی کے لیے رجوع کرنا ہو تو اپنی بے پردہ بیوی کے ذریعہ متعلقہ محکمہ سے رجوع کرے۔ پھر اس کے بعد اسکول کی لڑکیوں کو بے پردہ کیا پھر عام بے پردگی کی باری آئی۔

ایران :- میں سرکاری ملازمین کو اہل علم کا لباس پہنا کر سنیماؤں، تھیٹروں اور شراب خانوں میں بھیجتے تھے۔ اس کے علاوہ عمامہ پہننے کے لیے گورنمنٹ کی اجازت کی ضرورت تھی۔ کیا وہ اجازت دیتی ؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اس طرح انھوں نے اہل علم جن کی تعداد بیس ہزار تھی دو سو تک پہنچا دی۔

ترکی :۔ میں عمامہ کو سرے سے ختم کر دیا اور اُسے آثار قدیمہ میں شمار کیا جاتا ہے جو قدیم زمانہ کی یادگار ہو۔ اب اگر کوئی صاحبِ عمامہ کسی شہر میں داخل ہو جائے لوگ تماشہ دیکھنے ٹوٹ پڑتے ہیں جیسا کہ اس شخص کا تعلق فرشتوں سے ہو یا جنات سے۔

مصر :۔ استعمار نے اپنے گھوڑے گدھے جامع ازہر میں باندھ دیے۔ اس عظیم علمی ادارے کو اصطبل میں بدل دیا اور ایران میں دینی درس گاہوں کو اُس دور میں پولیس کے حوالہ کر دیا اُنھوں نے اسے اسٹور یا اسکول میں بدل دیا۔

ہندوستان :۔ میں دینی عالموں کو فلموں میں بدترین صورت پر پیش کرتے جسے دیکھ کر لوگ نفرت کرنے لگتے اور اُن کی ہنسی کا باعث بنتے۔

انڈونیشیا :۔ میں اسلامی درس گاہوں کو وحشیوں کا اسکول کہتے تھے اور علماء کے خلاف ہر قسم کی بُرائی منسوب کرتے وغیرہ وغیرہ۔ اس بات سے قطع نظر کہ استعمار نے علماء کو ہر منصب سے محروم کرنے کے ساتھ مالی وسائل سے بھی محروم کر دیا۔۔۔۔ یہاں تک کہ چوتھائی صدی قبل ایران میں (رضاخاں) ہر اُس تاجر کو سزا دیتا تھا جو علماء کی مدد کرے چاہے وہ مال مانند خمس وزکاۃ واجبات میں ہی شامل ہو۔

ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں اس لیے کہ اصل کتاب کے موضوع سے خارج ہے اگرچہ اس موضوع پر قلم اُٹھایا جائے تو ایک ضخیم کتاب مُرتّب ہو سکتی ہے بلکہ استعمار کے اعمال کے سلسلہ میں ہر علاقہ کے بارے میں ایک جلد لکھی جا سکتی ہے۔

(۴) افسران کی کثرت :۔ (حجم بڑھانے کے سلسلہ میں) یہ سول جج ہے یہ سیشن جج یہ ہائی کورٹ کا جج ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۵) محکمہ اور حکّام کی کثرت :۔ ایک ادارے میں کئی شعبے کھول دیے گئے اور ہر شعبہ میں ایک حاکم مُسلط کر دیا گیا۔

(۶) حکام کی قسمیں :۔ یہ سول حاکم ہے یہ عرضی حاکم ہے یہ فلاں وقت کا

حاکم ہے۔

(۷) حکام کے اصناف : یہ سول قانون کا حاکم ہے یہ قبائلی جرگہ کا حاکم ہے۔

(۸) حکام کا مرکز میں وزارتِ انصاف سے ربط جس کے سبب روٹین پر چلنا اور وقت اور طاقت کا ضیاع جیسے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

عدالتی نظام میں حجم بڑھ جانے سے جھگڑوں کے فیصلے کھٹائی میں پڑ جاتے ہیں بعض کیس تو عدالت میں ایک ماہ دو ماہ، سال، دو سال تک التواء میں پڑا رہتا ہے بلکہ ہمارا عینی مشاہدہ ہے کہ ایک کیس تیرا برس تک عدالت میں چلتا رہا اس وقت ختم ہوا جب ایک فریق کا انتقال ہوگیا۔

میرے ایک پاکستانی باخبر دوست نے بتلایا پاکستان کے ایک شہر میں جج کے پاس ایک جھگڑے کے سلسلہ میں ایک ہزار فائل جمع ہو گئے اور جج صاحب فائلوں کے مطالعہ سے عاجز آنے پر فیصلہ نہ دے سکے۔

اسلامی عدالت میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں ایک قاضی جھگڑوں کو منٹوں میں نمٹتا ہے۔ وہ مدعی سے سوال کرتا ہے آیا گواہ ہے؟ اگر گواہ نہ ہو تو منکر سے کہتا ہے تم قسم کھاؤ گے؟ معمولی سوال جواب کے بعد جس میں چند منٹ ہی لگ جاتے ہیں فیصلہ ہو جاتا ہے اور حقدار کو حق مل جاتا ہے اس لیے کہ اس قانون میں معاملہ کو التواء میں نہیں ڈالا جاتا اور باطل کو من مانی کا موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ آگے بڑھ کر حق کا گلا گھونٹ دے۔ مگر آج کل عدالتوں میں حق نہایت کمزور ہے اور باطل کا وجود طاقتور اور مضبوط ہے اس لیے کہ ان عدالتوں کو مشرقی اور مغربی نظام کی تائید حاصل ہے اور اسلام کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ یہاں ایک لطیفہ پیش خدمت ہے، کہتے ہیں باطل قانون، شہر میں سڑک پر اکڑتا چل رہا تھا۔ اس کا جسم فربہ تھا اچانک ایک شخص دیکھائی دیا جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے دیوار کے سہارے چل رہا

ہے۔ جب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ حق ہے نہایت تعجب سے دریافت کیا یہ حالت کیسے ہوئی ؟ ـــ

حق : حق بات کرنے سے۔

باطل : کیا ایسی غذا کھانا پسند کرو گے جس سے تم مضبوط اور تازہ و توانا ہو جاؤ۔

حق : کوئی حرج نہیں۔

باطل : شرط یہ ہے کہ جو بھی دیکھو خاموش رہو ـــ دونوں ساتھ ایک ریستورانت میں داخل ہوئے باطل راستہ دیکھا رہا تھا۔ ریستورانت میں ہر قسم کا کھانا رنگ برنگی ماکولات اور مشروبات موجود تھے۔ حق آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ باطل نے اپنے لیے اور حق کے لیے طرح طرح کے لذیذ کھانے کا آرڈر دیا۔ حق نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے سے جسم میں چستی پیدا ہوگئی دونوں اُٹھے اور سڑک کی جانب جانے لگے۔ ریستورانت کا مالک آیا اور باطل سے جو میزبان نظر آرہا تھا رقم کا مطالبہ کیا باطل نے کہا میں تو پیسہ ادا کر چکا ہوں

ریستورانت کا مالک : ہرگز نہیں ـــ جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ باطل نے مالک پر حملہ کر دیا اُسے خوب پیٹا۔

ریستورانت کا مالک : فریاد کرنے لگا حق کہاں ہے ؟

حق : میں یہاں ہوں اور مالک کی طرفداری شروع کی۔

باطل : حق کی طرف دیکھ کر ـــ کیا اسی لیے لایا تھا ـــ ؟ سچ ہے جو حق کی بات کرے اُسے کمزور اور ناتواں رہنا چاہیے۔

یہ وہ حق ہے جو اداروں میں قدموں تلے روندا جاتا ہے اور یہ باطل ہے جو قانون کے سہارے پھلتا اور پھولتا ہے۔ اکثر حکام بالا اور انصاف پسند وکیلوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ "ہم حق ایک طرف دیکھتے اور قانون کو دوسری طرف ـــ" اب ان حضرات سے سوال کیا جائے آپ کیا کرتے ہیں۔ کیا آپ حق کو چھوڑ دیتے

ہیں؟ ایسا کرنے سے ضمیر مجروح ہوجاتا ہے اور حق کا ساتھ دیتے ہیں تو روٹی ہاتھ سے جاتی ہے۔ یہ لوگ اکثر معروف شاعر فرزدق کے قول پر عمل کرتے ہیں جو اُس نے امام حسین (ع) اُس گفتگو کے وقت کہی تھی جب امامؑ نے اہل کوفہ کے بارے میں دریافت کیا۔ "دل تو آپ کے ساتھ اور تلوار بنی اُمیہ کے ساتھ۔" بہرکیف ـــ اسلام میں کوئی ادارہ نہیں ہے کوئی اسٹامپ، درخواست، ٹیکس اور خاص ادارہ نہیں ہے اسی طرح حکمرانوں میں تعدد اور اقسام نہیں ہیں۔ قاضی اپنے گھر، مسجد یا عام جگہ بیٹھ کر جھگڑوں کو طے کرتا ہے۔ اسلام نے فیصلہ کی جگہ کو شہر کے وسط میں ہونے کے بارے میں سفارش کی ہے تاکہ سب لوگ بآسانی رسائی حاصل کر سکیں۔

تنازع سے متعلق دونوں فریق قاضی کے پاس آتے ہیں اور نہایت سادگی سے جھگڑے کو پیش کرتے ہیں۔ قاضی عادل گواہ طلب کرتا ہے اور دیگر دلائل اور وثایق کو دیکھ کر حق کا پتہ چلتے ہی فوراً فیصلہ دیتا ہے اس سلسلہ میں معمولی سا وقت ایک گھنٹہ بلکہ چند منٹوں میں فیصلہ سُنا دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے جب اُن کے عالم گھر میں بیٹھے جھگڑوں کا فیصلہ کر دیتے تھے اس سلسلہ میں اسٹامپ، درخواست شروط و قیود کی کوئی ضرورت نہ تھی نہ کسی وکیل کی ضرورت تھی۔ ایسے دور میں باطل کی جرأت نہ تھی کہ اپنے کو زبردستی منوائے۔

حجم کے کم ہونے کے بارے میں

اسلامی نظام قضاوت کافی وسیع ہے۔ قاضی مندرجہ ذیل امور کو خود طے کرتا ہے:-

۱۔ خرید و فروخت، ۲۔ رہن اور کرایہ، ۳۔ مزارعت اور مساقات، ۴۔ امانت اور عاریت ۵۔ نکاح اور طلاق ۶۔ یتیموں، پاگلوں، قاصرین،

غائب ہونے والوں اور وہ اوقاف جن کا خاص متولی نہ ہو قاضی کفالت کرتا تھا۔ ۷۔ لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ۸۔ میراث تقسیم کرنا۔
۹۔ قصاص اور دیات کا فیصلہ سُنانا ۱۰۔ مجرموں پر حد جاری کرنا۔

یہ سب اسلامی دور کا قاضی انجام دیتا تھا۔ آج کل قاضی کا کام صرف جھگڑے طے کرنا ہے اور وہ بھی نہایت معمولی طور پر اور ساتھ کیس کا حجم بڑھایا جاتا ہے جبکہ اُس دور کا قاضی صرف ایک منشی یا چند منشیوں اور حدود جاری کرنے والے کے ذریعہ معاملات طے کرتا تھا۔ یہ لوگ بڑے شہروں میں دس سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔

آج بھی مسلمان اس دور کو یاد رکھتے ہیں جب قاضی خرید و فروخت کے صیغے کے ساتھ دوسری طرف نکاح کا صیغہ بھی جاری کرتا تھا۔ ایک طرف تو وہ مجرم پر حد جاری کرتا دوسرے جانب میراث تقسیم کرتا۔ ایک وقت یتیم کے معاملہ کو طے کرتا اور ساتھ ہی اس وقف کے املاک کے لیے جس کا متولّی نہ ہو متولّی مقرر کرتا۔

لیکن آج کل مغربی قانون کے زیرِ سایہ :۔

خرید و فروخت کے لیے ایک دفتر۔ رہن کے لیے ایک دفتر۔ وقف کے لیے ایک دفتر۔ قضاوت کے لیے ایک دفتر۔ یتیموں کے لیے ایک دفتر حدود کے لیے قید خانے اور دفتر وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ خود بہتر جانتا ہے ان دفتروں نے کس طرح لوگوں کے سکون و اطمینان کو چھینا ہے۔ جہالت پھیلانے اور نوآبادیاتی نظام کی تطبیق میں کس قدر معاون ثابت ہوئے ہیں۔

اِسلامی نظام :۔

خریدار اور فروخت کنندہ دونوں قاضی کے پاس ہوتے قاضی یا اس کا وکیل صیغۂ بیع (بعت و اشتریت) جاری کرتا پھر اس کا منشی ایک کاغذ لکھ دیتا یہ سب کچھ

منٹوں میں طے ہوجاتا نہ کچھ دینا پڑتا۔

آپ یہاں سوال کرتے ہیں :۔

یہ سادہ ورق جس پر تحریر کیا گیا آیا اس کا کوئی اعتبار بھی ہے ؟

جواب : جی ہاں ۔ بالکل کافی ہے۔

گھر وارث ہونے کے اعتبار سے باپ سے بیٹے کی جانب دادا سے پوتوں کی جانب منتقل ہو جائے گا۔

آپ دریافت کر سکتے ہیں پھر آج کل ایسے لکھے ہوئے ورق کا اعتبار کیوں نہیں ہے

جواب : برسر اقتدار حکومت نے اس کی حیثیت ختم کردی ہے تاکہ وہ لوگوں کے مال لوٹ لے اور اپنی کرسی باقی رکھے ۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ عالم قاضی کے ہاتھ کا نوشتہ قابل اعتبار ہے کوئی مال فضول خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کی کرسی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اس لیے اس کی کرسی کی حفاظت وہ عدل و انصاف کرتا ہے جو عوام میں برقرار رکھا گیا۔

اس کے علاوہ اسلامی نظام میں حاکم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور عوام بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے لوگ ایکدوسرے کے حق کا خیال رکھتے ہیں کوئی کسی کا حق تلف کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

اگر کوئی بد بخت انسان باطل کی طرف مائل ہو جائے تو اسلامی حدود کے نفاذ کے بعد پھر کسی دوسرے شخص کو ایسے جرم کی جرأت نہیں ہوتی۔

اسلامی نظام قضاوت :۔ حکومت اسلام میں ولایت کے بعد دوسرا ادارہ ہے جو اپنے کم حجم اور لوگوں کی قوت کو ضایع ہونے سے بچاتے ہوئے مغربی نظام میں رائج بہت سے اداروں کی جگہ لے لیتا ہے ۔ یہاں سے ہمیں پتہ چلا کہ عوام الناس کے لبوں پر ہمیشہ زندگی کے مشکلات کی جو شکایت ہے وہ درحقیقت زندگی کی

مشکلات کے باعث نہیں بلکہ کافر نظام کی وجہ سے ہے۔

بعض یہ سوال کرسکتے ہیں :۔ اسلام نے بعض جرائم کے لیے جیل کی سزا مقرر کی ہے آپ کیسے جیل کے نظام کو مغرب سے مخصوص کرتے ہیں ؟

جواب :۔ اسلام نے چند جرائم کے لیے جیل کو معین کیا ہے جو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے اور جس کا وقوع بہت کم ہے۔ جیسے مرتد عورت کے لیے اسلام نے جیل کی سزا مقرر کی ہے۔ جب تک وہ پھر اسلام کی طرف پلٹ نہ جائے۔

وہ قرضدار جو ادا کرسکتا ہو اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہو اُسے جیل میں اسوقت تک رکھا جائے گا جب تک وہ رقم قرضدار کو ادا نہ کردے یا حاکم اُس کے مال سے ادا نہ کردے۔ یا وہ شخص جو کسی کو پکڑلے دوسرا شخص اس کو قتل کردے تو پکڑنے والے کو جیل بھیجا جائے گا۔

اسلام میں جیل جانے کے مواقع بہت کم ہیں اسلام میں قید خانہ کے لیے کوئی مخصوص عمارت نہیں ہے وہ تو اگر ایسا موقع آجائے تو والی شہر یا امیر اس شخص کو جسے جیل کا حکم ہو چکا ہو اپنے کسی مخصوص شخص یا نوکر کو حکم دیتا تھا کہ اس کو گھر کے فلاں کمرے میں بند کردو۔

جی ہاں کبھی جب حکومت کو ضرورت پڑنے پر مختصر سادہ جیل کی عمارت بنائی گئی تھی جیسا کہ حضرت علی (ع) کے دور خلافت میں گذشتہ حکومت کے ہنگاموں کے اثرات باقی رہنے کے سبب ضرورت پڑی اس کے بعد آنے والے اپنے خواہشات کے مطابق جیل بناتے چلے گئے اس سلسلہ میں مشرق اور مغرب کی تقلید کی گئی۔ جیل کی عمارت کے ساتھ نئے قسم کی سزائیں بھی داخل کی گئیں۔ بات اسلام اور نظام اسلام کے بارے میں تھی کہ اس میں کوئی مخصوص عمارت، دفتر، مال اور کوئی خاص قانون جیل کے لیے نہیں ہے۔ اسلام نے جیل کو ختم کردیا۔ مشہور دو دنیا کی طاقتیں فارس اور روم

نے اسلام سے پہلے جو جیل بنا رکھے تھے سب ختم کر دیئے ـــــ آپ دریافت کر سکتے ہیں ـــــ اسلام مجرم کو کہاں بھیجے گا ؟

جواب : جیل کی عمارت اور جیل کے لیے قانون کی تشکیل چند وجوہات سے غلطی پر مبنی ہے ۔

(۱) جیل میں انسان کی فطری قوتوں کا نقصان ہوتا ہے : ـــــ اگر قیدی کو چھوڑ دیا جائے تو وہ معاشرہ میں ایک متحرک فرد کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے ساتھ اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے اس طرح یہ شخص زندگی کی گاڑی کو آگے کی طرف چلاتا ہے جب یہ شخص قید خانہ میں چلا جائے تو یہ تمام متعلق افراد بے کار ہو جاتے ہیں ۔ ایک جمود کا غلبہ ہو جاتا ہے ۔ بہت سے لوگوں کی زندگی تاریکی میں چلی جاتی ہے جس سے معاشرہ پر بُرا اثر پڑتا ہے ۔ اب یہ کہنا کہ جناب جیل میں قیدی بے کار نہیں بیٹھتے وہاں وہ کام کرتے ہیں یہ بات درست مگر سب کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے ۔ بہت سے انسان ہیں جو تاریکی میں چلے جاتے ہیں اور جمودیت کا شکار ہو جاتے ہیں

(۲) جیل خانہ اور اسکا ادارہ : ـــــ یہ بھی لوگوں کے قوت کا ضیاع ہے جیل جیل کا سپرنٹنڈنٹ ، جیلر ، صفائی کا عملہ اور عمارت بنانے والا راج جو اس ادارہ پر گذارا کرتے ہیں انسانی قوت کا نقصان ہے اگر یہ جملہ قوتیں زندگی کے مثبت مقام پر کام کریں تو بہت زیادہ ترقی کے امکانات ہیں اور وہ بوجھ جو عوام الناس کے جیب پر پڑتا ہے خرچ ہوتا بند ہو جائے گا ۔ اگر ہم اس ادارہ کو بند کر کے اس میں ضایع ہونے والی قوت کو دوسرے لوگوں کی قوت کے ساتھ ملا دیں تو تیسری طاقت وجود میں آتی ہے ۔

(۳) قید خانے جرائم کو روک نہیں سکتے : ـــــ روز کا مشاہدہ ہے جرائم میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ ایک جرم میں ملوث شخص دوسرے جُرم کے الزام میں

گرفتار ہوتا ہے۔ جیل میں جانے والے شخص کو کیا فکر لاحق ہے وہاں کھانا، کپڑا، آرام کی جگہ مہیا ہوتی ہے پھر اُسے کون جرم کے ارتکاب سے روک سکتا ہے۔ بہت سے نکمے" لوگ جرائم کا ارتکاب اس لیے کرتے ہیں کہ وہ گرفتار ہو کر پس دیوار زنداں چلے جائیں' کمانے' محنت کرنے سے بچے رہیں۔ اس لیے یہ ہمارا اشارہ درست ہے جس قدر قید خانے بنتے گئے جرائم میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا...

یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟

یہ اُس وقت تک ایسا ہی رہے گا جب تک اللہ مسلمانوں کو صحیح راہ کی ہدایت فرمائے اور انھیں توفیق دے کہ وہ پھر پلٹ کر اسلام کی طرف آئیں اور خود ساختہ مغربی قوانین سے اُسے چھٹکارا نصیب ہو۔

کچھ لوگ دریافت کر سکتے ہیں :- کیا اسلام زمام حکومت تھامتے ہی قید خانوں کو توڑ ڈالے گا کیا یہ ہتھکڑیاں بیڑیاں ختم کر دیگا ؟ کیا لوگ مطلق آزاد ہوں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ہر طرف ہنگامے ہوتے نظر آئیں گے جب قاتلوں اور سفاکوں کو جیل سے رہائی مل جائے گی تو وہ لوگ نئے جرائم کا ارتکاب کریں گے۔ اسلام اُن کے ساتھ کیا سلوک کرے گا ؟ کیا اسلام ان قیدیوں پر جو اس وقت قید خانے میں ہیں اپنے شرعی سزاؤں کو نافذ کرے گا یا سزاؤں سے ہاتھ اُٹھالے گا۔ دونوں صورتوں میں بات بگڑے گی۔ اگر مجرم کو آزاد کر دیا تو حدود الٰہی کو باطل کرنا لازم آئے گا اور یہ شرعی طور پر حرام ہے اگر اسلامی حد جاری کر دی گئی تو ہنگامے کھڑے ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ اس عمل سے برسر اقتدار اسلامی سلطنت کو ٹھیس پہنچے گی جیل میں ایک دو تو ہوتے نہیں ہزاروں کی تعداد میں مجرم ہوتے ہیں سب کو سزا دینا عوام الناس پر غلط تاثر قائم کرے گا۔

(۱) جواب :- جی ہاں جب اسلامی حکومت قائم ہوتے ہی یہ قید خانے اسٹور

اور رہائشی مکانات میں تبدیل ہو جائیں گے اور لوگوں کو آزادانہ ماحول فراہم کیا جائے گا جہاں وہ اپنی زندگی گذاریں گے۔

(۲) قیدیوں کی رہائی سے ہنگامہ نہیں ہوگا اس لیے کہ لوگوں کو سزا کا حتمی یقین ہوتے پر وہ جرائم سے دور رہیں گے۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس کی بنا پر ماضی کی اسلامی حکومتوں میں دو صدیوں میں چھ چوروں کے علاوہ ہاتھ نہیں کاٹے گئے۔ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ چوریاں بہت کم ہوتی تھیں چنانچہ جب دو صدیاں گذرنے کے بعد علماء کو یہ پتہ نہ چلا کہ چور کے ہاتھ کہاں سے کاٹے جائیں اس لیے کہ کافی عرصے تک چوریاں ہوئی نہیں اور حد جاری کرنے کی نوبت نہیں آئی یہاں تک کہ اس مسئلہ کو حضرت امام محمد جواد (ع) نے حل کیا اور بتلایا چور کے ہاتھ کاٹنے سے مُراد انگلیاں ہیں اور ہتھیلی کو چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ سجدہ کر سکے اور سجدہ کے اعضاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اگر حکومت اعلان کر دے کہ قاتل کی سزاء قتل ہے اس کے بعد اس جُرم میں کمی ہوگی تین یا چار سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس لیے جب پہلے قاتل کو برسرعام میدان میں قتل کر دیا جائے کسی دوسرے شخص کو اس جرم میں ملوث ہونے کی ہمت نہ ہوگی۔ اگر فرض کیے لیتے ہیں کسی دوسرے نے قتل کیا اس کو بھی برسرعام قتل کی سزاء مل گئی پھر کسی تیسرے شخص کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

جی ہاں اگر جیل کی سزا کچھ مدت کے لیے ہو یا وکیل صاحبان کی کوششوں، رشوت اور عید کی چھٹیوں کی سبب مدت میں تخفیف ہو جائے یا جیل میں کھانا، پینا، بستر، پانی اور بجلی کے ذریعے قیدیوں کی خدمت کی جائے تو قتل کے جرائم میں روز افزوں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہی حال دیگر جرائم کے بارے میں ہے۔

ایک میگزین کے مطابق :۔ امریکہ میں چوروں کی تعداد جن کی تصویریں پولیس یا سی۔ آئی۔ اے کے پاس محفوظ ہیں ان کی تعداد ساٹھ لاکھ ہے۔ امریکہ جیسے

ترقی یافتہ ملک میں اتنی تعداد میں چور موجود ہوں تو آپ اسلامی دور حکومت میں چھ چوروں سے موازنہ کیجیے۔ محکمہ شماریات نے جو جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کو پیش کیا وہ نہایت تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کیا یہ شماریات درست ہیں؟

جی ہاں درست ہیں اس میں تعجب کی بات کیا ہے اس لیے کہ جو قانون نافذ ہے وہ زمینی ہے اس سے فتنہ وفساد برپا ہو جائے تو تعجب کی بات کیا ہے؟

اسلام لوگوں کے دلوں کو ایمان سے بھرتے کے ساتھ ان میں جرائم سے نفرت بھی پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ ارتکاب جرم نہیں کرتے۔ جب ان مجرموں پر تحقیق کی گئی تو ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو اسلامی عبادات، نماز، روزہ وغیرہ بجا نہیں لاتے اور وعظ وارشاد کے محفلوں میں شریک نہیں ہوتے۔

کیا آپ نے کسی پانچ وقت نماز کے پابند شخص کو زنا کرتے؟ یا کسی نفس محترم کو قتل کرتے، کسی کی عزت سے کھیلتے، یا غیروں کے ہاتھ قوم کو کرسی کی لالچ میں فروخت کرتے دیکھا ہے؟

ہماری خواہش یہ ہے کہ سربراھان مملکت، جو اس دور میں ہیں اپنے لیے راہ راست دکھانے والے، وعظ کرتے والے واعظین کا انتخاب کریں تاکہ وہ اُنکو نصیحت کرتے رہیں اس لیے کہ دلوں کی جلاء اور روشنی موعظہ ہی سے ملتی ہے اور جب ایسا ہو یعنی حکمراں طبقہ اپنے لیے واعظ انتخاب کریں اور موعظہ سنیں تو یقیناً یہ عمل حکمراں طبقہ کا عوام پر رحم کا باعث ہوگا۔ من مانی کرنے کا اصل سبب یہی ہے کہ ان کو کوئی سمجھانے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم سنتے چلے آئے کہ فلاں خلیفہ واعظ کے وعظ سُن کر رو دیے ـــ فلاں حکمراں نے مرشد یا واعظ کے کہنے پر فلاں جرم کو ترک کر دیا۔ تاریخ میں یہ قصہ تو مشہور ہے کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام متوکل عباسی کے دربار میں جب آپ نے چند اشعار کو پڑھ کر جو موعظہ کیا تو متوکل

نے کاسہ شراب کو توڑ دیا اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی وہ اشعار یہ تھے:

باتوا علی قلل الاجبال تحرسهم ✤ غلب الرجال فلم تنفعهم القلل

واستنزلوا بعد عز عن معاقلهم ✤ واسکنوا حفراً یا بئس ما نزلوا

"بہت سے بادشاہ اپنی حفاظت کے لیے پہاڑوں کی چوٹی پر قلعہ بناکر رہے ان کی حفاظت کے لیے ایک جم غفیر انسانوں کا محافظ بنے رہے مگر انھیں موت آنے پر کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔"

"پہاڑوں کی چوٹی سے (موت آنے پر) ان کو وہاں سے اتارا گیا اور قبر کے گڑھے میں ان کو رکھا گیا۔ کیا برا اترنا ہے۔"

ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں (نیرون) سفاک اور ظالم بادشاہ گزرا ہے جب تک وہ اپنے مرشد سے وعظ سنتا رہا اس کی سلطنت بام عروج پر پہنچ گئی اور وہ نیک بادشاہوں میں شمار تھا یہاں تک کہ اُس نے موعظہ سننا چھوڑ دیا اپنے مرشد کو دور کر دیا بادشاہ اور عوام دونوں مختلف جرائم میں ملوث ہو گئے نتیجہ میں خود اور عوام دونوں بدبختی میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے برعکس (نوشیروان) ایک عام بادشاہ تھا اس کے بعض وزیر نے موعظہ کیا اُس نے وعظ ونصیحت پر عمل کیا تاریخ میں عدالت کی صفت کی مثال نوشیروان سے دی جاتی ہے (اس روایت کے صحت پر جو اس کی عدالت کے بارے میں موجود ہے)

اسلام اپنے حکیمانہ تین اصولوں سے جرائم کو ختم کرتا ہے

(۱) حتمی سزا۔

(۲) معاشرہ کے بدن میں تقویٰ اور فضیلت کی روح پھونکتا ہے۔

(۳) لوگوں کی ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے۔

ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ جیل ختم کر دئیے گئے اور حکومت چور کے ہاتھ کاٹنے، قاتل کو موت کی سزا، عوام کے مال میں خیانت کرنے پر کوڑوں کی سزا وکا اعلان کر دے اور ان لوگوں پر جو ان جرائم کے ارتکاب کر چکے ہیں شرعی حد جاری کر دئیے جائیں تو بتلائیے جرائم کس قدر باقی رہ جائیں گے؟

عقل اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ دو چور کے ہاتھ کٹ جانے کے بعد چوری ختم ہو جاتی ہے ایک شخص کی سزائے موت کے بعد پھر کوئی قتل میں ملوث نہیں ہوتا ایک خائن کو کوڑوں کی سزا ملنے کے بعد کوئی خیانت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اس کے برعکس موجودہ قانون کی حکومت میں ہمارا مشاہدہ ہے ایک شخص نے سولہ افراد کو قتل کیا۔ وہ ایک شخص کو قتل کرتا جیل چلا جاتا پھر جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور دوسرا قتل کیا جیل گیا رشوت دے کر معافی نامہ حاصل کر لیا تیسرا قتل کیا وکیلوں کی تگ و دو سے وہ چھوٹ گیا۔ اس طرح وہ مسلسل قتل کرتا رہا جیل سے باہر آتا رہا زیادہ سے زیادہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتا رہا جہاں اُسے کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس مقام پر ہمیں آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے: "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب۔" (اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے خرد مندو) ایک قاتل، دو قاتل، تین قاتل کو سزاد موت سے تین افراد کی موت ہوتی ہے (جس سے لوگ عبرت حاصل کر لیتے ہیں) اس کے برعکس اگر ایک قاتل کو یا ہزار قاتل کو قید خانے بھیجنا قتل کی شرح میں اضافہ کرنا ہے۔

آج ہمارے اخبارات کے کالموں میں دہشتناک قتل کے واردات کی خبریں چھپتی رہتی ہیں لیکن ہوتا کیا ہے۔ کیا ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا ہے — نہیں جناب صرف قید یا جرمانہ یہ دونوں سزائیں ان سفاکوں اور قاتلوں کے لیے

بقرہ ۲ / ۱۷۹

بہت آسان ہیں۔

یہ بحث نہایت طویل ہے مکمل ایک جلد لکھی جا سکتی ہے ہم اس قدر بیان پر اکتفاء کرتے ہیں اس لیے کہ اصل کتاب کے مقصد سے دور ہو جائیں گے۔

تیسرا سوال یہ تھا:۔ کیا اسلام قیدیوں پر حد جاری کرے گا اس سے ملک میں گڑبڑ پھیلنے کا اندیشہ اور اسلامی حکومت کی ساکھ کو ٹھیس پہنچے گی یا حدود جاری نہیں کیے جائیں گے تو حدود کا تعطل لازم آئے گا جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

جواب:۔ نہ یہ درست ہے نہ وہ! اسلام گڑبڑ پھیلنے کی حد تک مجرموں کو سزا نہیں دے گا اور نہ اللہ کی معین کردہ حدود میں تعطل لازم آئے گا۔

آپ پھر سوال کر سکتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟

اس کا جواب یہ ہے:۔ موجودہ دور کے قیدیوں کو دو گروہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) ایک گروہ تو وہ ہے جو قطعاً سزا کا مستحق نہیں ہے۔ یہی قیدیوں کی اکثریت ہے۔ یہ شخص اس لیے قید میں ڈال دیا گیا چونکہ اس نے ٹیکس ادا نہیں کیا' فلاں شخص اسلئے جیل بھیج دیا گیا کہ اس نے موجودہ خلاف شریعت قانون کی مخالفت کی ہے۔ اس قسم کے قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے گا۔

(۲) وہ گروہ جو اسلامی سزاؤں کے مستحق ہیں۔ یہ گروہ بہت کم تعداد میں ہوتے ہیں۔ ان کی بھی قسمیں ہیں۔

(الف) کچھ تو ایسے ہیں جن پر حد جاری نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ حُجت پوری نہیں ہوتی ہے اور گواہ عادل نہ تھے۔

(ب) وہ لوگ جنھوں نے نادانی یا شبہ کی بناء پر ارتکاب جرم کیا۔ (شبہ کے مقام پر حد جاری نہیں کی جاتی)

(ج) وہ لوگ جن سے جرم مجبوری کے تحت صادر ہوا (مجبور شخص معذور ہے)

وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح حد جاری کرنے کے افراد چند ہی رہ جاتے ہیں جن میں شرطیں پوری ہوں پھر اس فقیہہ، نائب امام (ع) کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ حضرت رسول اللہ (ص) کے فتح مکہ کے وقت اور حضرت علی (ع) نے فتح بصرہ کے وقت عام معافی کا اعلان فرمایا۔

اس حسن سلوک سے تو اسلامی سرکار کی نیک شہرت ہوگی جس کے سبب لوگ اور زیادہ اسلام کے گرویدہ ہوں گے۔

بلکہ ہو سکتا ہے کہ دوسری کافر حکومتیں اسلامی نظام اپنے یہاں اپنائیں اور یہ بات انوکھی نہیں ہے کیونکہ ماضی میں اسلامی حکومت کے قیام کے دوران دوسری حکومتوں نے بھی بعض شعبوں میں اسلامی احکامات کی پیروی کی ہے اس میں کوئی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مشرقی ممالک کی موجودہ تہذیب کی پیداوار ہے اور مغربی تہذیب میں صالح اور اچھے پہلو اسلامی تمدن سے لئے گئے ہیں۔

اس موضوع پر ہماری تائید کلام الٰہی سے یوں ملتی ہے۔

"وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"

ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے صرف مسلمانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا بلکہ فرمایا سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس آیت میں اسلامی تہذیب و تمدن، سمندر کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلنے کی طرف وہ لطیف اشارہ موجود ہے۔

حضور اکرمؐ کی ہستی وہ نقطہ ہیں جہاں سے عالم انسانیت کو

تہذیب و ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لئے روشنی ملتی ہے۔

بہر کیف :۔

اسلامی نظام کے نفاذ کی صورت میں جو عمل سرانجام پائے گا وہ یہ کہ قید خانے بند کر دیئے جائیں گے۔

ہتھکڑیاں اٹھالی جائیں گی اور معاشرہ کو جرائم سے پاک کیا جائیگا یہ اسلامی نظام کی خصوصیت ہے۔

۞ ۞ ۞

اسلامی محکمہ انصاف (کورٹ) اور مغربی طرز عدالت میں فرق یہ ہے کہ اسلام امور کو سمیٹتا ہے اور مغرب معاملہ کو پھیلا کر حجم بڑھاتا ہے۔

اس لئے کہ اسلامی نظام انصاف میں اولین امر حاکم اور گواہ دونوں میں پاکیزگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے جسے اسلامی زبان میں "عدالت" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عدالت :۔ یہ ایک نفسی اور قلبی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان میں ایک مستقل نیک عادت پڑ جاتی ہے۔

یہ صفت دل میں راسخ ہونے کی وجہ سے انسان کو اپنے تمام اعمال و اقوال ہی بلکہ تمام حرکات اور سکنات میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا اور روز جزاء کا خوف اس پر حاوی رہتا ہے چنانچہ اس کے تصوّر کے سبب جو بھی عمل واضح ہوتا ہے وہ حقیقت سے قریب اور رضائے معبود کے مطابق ہوتا ہے

اس کام کی کامیابی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے. بے شک کامیابی سو فیصد ہے.

اس لئے کہ اگر جج خود اللہ سے ڈرے تو وہ جو فیصلہ دے گا یقیناً حق کے مطابق ہوگا.

جب گواہ کے دل میں خوفِ خدا ہو تو وہ حق کے علاوہ کسی پر گواہی نہیں دے گا.

اب رہ جاتی ہے غلطی بھول چوک یہ نادر امور ہیں جو کبھی کبھار واقع ہوتے والے ہیں یہ تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی کبھی کبھار ہو جاتا ہے جیسے تجارتی، معاشرتی معاملات ہیں.

اب رہ گیا مغربی طرزِ انصاف :-

وہاں ان اقدار کا کوئی خیال نہیں ہے وہاں تو جج کے لئے ڈگری دیکھی جاتی ہے اور گواہ میں گویائی. یہ بات ہم سب جانتے ہیں. اس نظام کے زیر سایہ کتنے مجرم عناصر محض ہاتھ میں ڈگری ہونے کے سبب عہدہ پر سرفراز کئے گئے اگر چہ پاکیزگی کے اعتبار سے وہ صفر ہوں.

اور ہم اپنی ان آنکھوں سے خود ہر روز ضمیر فروشوں کے ٹولوں کو دیکھتے رہتے ہیں جو عدالتوں کے دروازے پر روزی کی تلاش میں اس گھناؤنے کام کو انجام دیتے ہیں.

دو روپے کا گواہ پانچ روپے کا گواہ بیس روپے کا گواہ (جس درجہ کا

ضمیر فروش چاہیئے)

اب خریدلیں وہ خود بھی راضی ہیں اور جج بھی ان کی گواہی کو قبول کر لیتا ہے۔
چنانچہ چند سال ہوئے ایک ایسا اتفاق بھی ہوا کہ دو معزز حضرات کے درمیان ایک زمین کا جھگڑا چلا چنانچہ طرفین کی جانب سے یومیہ سو سو گواہ عدالت میں پیش کئے گئے جو عدالت میں موجود افراد اور جج صاحب کی حیرانی کا باعث ہوئے۔

سو افراد اس شخص کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ اور دوسری جانب ان مخالف کے حق میں سو افراد گواہی دیتے ہیں۔

آپ کا ایسے جج اور ایسے گواہوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟
ہم ان دونوں گروہوں پر ایک اور گروہ کا اضافہ کرتے ہیں وہ وکلاء کا ٹولہ ہے۔ یہاں وکلاء سے مراد وہ وکیل ہیں جو صفت پاکیزگی اور عدالت سے عاری ہوں؟

جب ہماری نظر ان گواہوں اور ان جج حضرات اور ان وکیلوں کی طرف پڑتی ہے اُن کے حالات کو دیکھتے ہی ہمیں اسلامی دور کے قاضی گواہوں اور حق کا دفاع کرنے والے جنہیں ہم آج کل وکیل کہتے ہیں اگرچہ اسلام میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کوئی وکیل کا وجود نہیں ان کے قصّے یاد کراتے ہیں۔
اب گوش ہوش کھول کر گزرے ہوئے حقیقت پر مبنی قصّے سنئے۔

قاضی شہر شریح قاضی کی عدالت میں امام امیر المومنین حضرت علیؑ اور ایک دوسرا جس نے مال مسلم سے ایک ذرہ چرائی تھی پیشی ہوئی جب کہ اس وقت حضرت علیؑ ملک شام کے علاوہ عراق، ایران، افریقہ، حجاز اور یمن وغیرہ پر حکمرانی فرما رہے تھے یہ سب آپ کے قلمرو میں شامل تھے شریح آپ ہی کے۔

کے جانب سے قاضی نصب ہو چکا تھا لیکن فیصلہ میں قاضی صاحب نے غلطی کی اور ذرہ حضرت علی کے مدِ مقابل جو شخص تھا اُسے دیدی۔ یہاں تک کہ امامؑ نے اس کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ بھی کیا۔

اس قصّہ میں جو امر باعثِ عبرت ہے وہ یہ ہے کہ شہر کے قاضی نے باوجود اپنے اختیارات کے مال کو ملک کے حکمران کو نہ دیا جو اُس دور میں بڑا حکمراں مانا جاتا تھا بلکہ حکمراں کے مخالف شخص کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جبکہ وہ عام لوگوں میں شمار تھا۔

موسیٰ بن بغا عباسی سلطنت کے عہد میں فوج کے کمانڈروں میں سے ایک تھا جو ایک یتیم کے ساتھ زمین میں شریک تھے اور قاضی اس مال پر نگہبان تھا ابن بغا کی نیت بدل گئی اور اُس یتیم کے مال کو اپنی ملکیت میں لانے کی غرض سے ایک شخص کو زمین کی قیمت کے ساتھ قاضی کے پاس بھیجا۔

قاضی صاحب نے صاف انکار کر دیا اور معذرت چاہی کہ یہ یتیم کا مال ہے اس کی فروخت جائز نہیں ہے درمیان میں جو شخص گیا تھا اُس نے کہا قاضی صاحب آپ انکار تو کر رہے ہیں یہ بھی سمجھ لیجئے وہ ابن بغا ہے اس کہنے میں اُس کا مقصد قاضی کو ڈرانا دھمکانا تھا لیکن قاضی صاحب نے ایک اطمینان اور سکون کے ساتھ جواب دیا۔ لیکن وہ خدا ہے یعنی اگر یہ ابن بغا ہے تو کیا ہوا جو مجھے منع کر رہا ہے وہ خدا ہے۔

درمیانی شخص نہایت غصّے میں واپس پلٹا تاکہ قاضی کے جواب سے ابن بغا کو خبر دے ماجریٰ بیان کر دیا تاکہ وہ مناسب سزا ہو قاضی کو دے جب ابن بغا کے سامنے قصّہ بیان کیا گیا تو ابن بغا قاضی کے جملہ کو بار بار دہرانے لگا۔

لیکن وہ خدا ہے۔ لیکن وہ خدا ہے۔ لیکن وہ خدا ہے۔ ابن بغا کے بدن پر

کانپنے لگے۔ قاضی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس کے اس عمل سے ابن لغا کی آنکھوں میں قاضی کی شان اور عظمت میں اضافہ ہوا ہم اس قصہ پر اپنی جانب سے کوئی تبصرہ نہیں لکھتے اور ہم آجکل کے ججوں پر اس زمانے کے اس قاضی سے قیاس بھی نہیں کرتے

ایک بار ایسا بھی ہوا۔

ایک بڑے تاجر صاحب نے ایک کیس میں جو سراسر غلط تھا حق اور سچ ثابت کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ کئی گواہ حاضر کئے گئے ان میں ایک لمبی مونچھوں والا شخص بھی تھا لمبی مونچھیں شریعت میں مکروہ ہیں) اس تاجر نے ان گواہوں کو خوب چرب کھانا کھلایا اور قاضی کے پاس اس کے کہنے کے مطابق گواہی دینے کے لئے ایک ایک دینار بھی دیا اسی دن عصر کے وقت گواہوں کے ساتھ خود اس عالم کے پاس پیش ہوا جہاں فیصلہ ہونا تھا تاجر نے اپنا مدعیٰ بیان کیا اور گواہوں سے خواہش کی کہ وہ اس پر گواہی دیں۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی باری پر پہنچتے ہی گواہی دی اور جب لمبی مونچھوں والے صاحب جس کا نام کریم تھا باری آئی تو عالم نے اس کی جانب دیکھ کر فرمایا تم اس حالت میں کیسے گواہی دو گے۔

عالم :۔ لمبی مونچھیں شریعت میں مکروہ ہیں۔

کریم :۔ میں صفائی چاہتا ہوں میرے پاس شراب صاف کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے میں نے مونچھیں اس لئے بڑھائیں ہیں تاکہ شراب پیتے وقت کوئی کچرا منہ میں نہ جائے بلکہ صاف ہو کر شراب منہ میں جائے۔

عالم :۔ (حیران ہو کر) عجب تم شراب بھی پیتے ہو۔

کریم :۔ جناب والا میں ہر وقت نہیں پیتا ہوں تو میں کبھی کبھار اس وقت

پیتا ہوں جب عیش و نشاط کے لئے کوئی عورت نہ ملے۔

عالم:۔ (پریشان ہوکر) اے فاسق تو زنا بھی کرتا ہے۔

کریم:۔ حضور والا یہ ہر وقت ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھار جب کوئی نوجوان لڑکا نہ ملے۔

عالم:۔ (غصّہ میں) اے فاجر یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔

کریم:۔ حضور والا یہ سب باتیں کہوں گا مگر غلط گواہی نہ دوں گا۔

جناب والا میرے ہاتھ ابھی بھی سیٹھ صاحب کے کھانے سے چرب ہیں۔ میری جیب میں مدعی صاحب کی جھوٹی گواہی دینے کے لئے دیا ہوا ایک دینار موجود ہے ہم سب دوپہر کے وقت مدعی (تاجر) کے گھر پر مدعو تھے ہم سب کو کھانا کھلایا گیا اور ایک ایک دینار سب کو دیا گیا تاکہ آپ کی خدمت میں جھوٹی گواہی دیں۔

میں اس تاجر کے گھر گیا اور کھانا کھایا اور ایک دینار لیا محض اس لئے تاکہ اس کے جھوٹ کو آشکار کرسکوں اور جو کچھ اس سلسلہ میں آپ کی خدمت میں کہا تھا وہ محض میری لفاظی اور بطور لطیفہ گھڑا تھا ورنہ میں ایسا نہیں ہوں۔

اب آپ جو چاہیں فیصلہ دیں۔

اس گفتگو کے علاوہ دیگر قرآئن سے حقیقت کا پتہ چلا کہ کریم سچ بول رہا ہے۔ عالم صاحب نے حق کو باطل بنا کر پیش کرتے تاجر اور گواہوں کو رسوائی کے ساتھ اپنے یہاں سے نکال دیا۔

کچھ دن قبل دو دولت مند تاجروں کے درمیان جھگڑے کو ایک عالم نے تصفیہ کیا جبکہ دونوں میں سببی رشتہ بھی تھا یہ جھگڑا عدالت میں تقریباً ۱۳ برس

چلتا رہا۔

عدالت کا خرچہ اور وکیل صاحبان کی فیس پر ایک بڑی رقم دونوں خرچ کر چکے تھے چند گھنٹوں میں جب جھگڑے کا فیصلہ عالم کے ہاتھوں وجود میں آیا تو طرفین میں سے ایک کے وکیل صاحب بہت بگڑ گئے اور اس فیصلہ پر ناراضگی کا اظہار کیا یہ کیوں ناراض ہوئے ؟ وکیل صاحب کی زبانی سنیئے

وکیل صاحب :۔ یہ لوگ اسی کے مستحق ہیں یعنی ان لوگوں کا کیس چلتا رہے یہ لوگ اپنے مال سے اللہ کے حقوق کو ادا نہیں کرتے اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس طرح ان کی رقم کھینچتے رہیں اب کیا ہوگا۔ اب تو فیصلہ ہو گیا۔ آپ ان کی جیب سے ایک روپیہ بھی معاشرہ کے لیئے یا حق خدا ادا کرنے کے لیئے نکال نہیں سکتے۔

جی ہاں :۔ جناب وکیل صاحب آپ کی پوری کوشش کی انتہا روپیہ ہے۔

جناب آپ کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہیں اور ساتھ ہی (حق اللہ) کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اللہ اور روز جزاء کا خوف جسے اسلام نے عام مسلمانوں کے دل کی گہرائیں بویا ہے جس کے سبب اُن کے کاموں میں استقامت زندگی میں پیش رفتگی وجود میں آتی ہے یہ امر ایسا ہے جس کا حصول بہت ہی آسان اور خوشگوار ہے چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، گواہ ہو یا دفاع کرنے والا دولتمند ہو یا فقیر سب کے لیئے میسّر ہے۔

اگر ایمان معاشرہ سے اُٹھ جاتے اور فرد اپنے کو مسلمان کہلائے تو بھی تمام اوزان میں خلل پیدا ہوگا۔ اور زندگی اجیرن بن جائے گی۔

یہ جو کچھ عرض کیا صرف قضاوت کے متعلق نہیں. بلکہ اگر کوئی انجینئر جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہو یعنی بنیادی طور پر ایمان سے عاری ہو وہ ضرور کام میں خیانت کرے گا۔

وہ عالم جس نے علم کے تمام گوشوں پر احاطہ تو کر لیا ہے مگر ایمان نہ رکھے تو وہ وہی کہے گا جو خدا نے نازل نہیں فرمایا۔

وہ صدر مملکت جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو وہ لوگوں کو قتل کرے گا ان کے مال لوٹے گا، اُن کی عزّت و آبرو سے کھیلے گا اور اس کام میں کوئی سیب وغیرہ نہ ہو گا۔

وہ ڈاکٹر جس کے دل میں خوف خدا اور دل میں ایمان نہ ہو وہ لوگوں کے مال پر ڈاکہ ڈالے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک لطیفہ ذکر کرتے ہیں کچھ حرج نہیں ہے۔ ایک قصائی گوشت کاٹتے وقت اچانک ایک ہڈی کا چھوٹا سا ٹکڑا آنکھ کے گوشہ میں رہ گیا قصائی کچھ روپے اور ایک بکری کی ران لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا ڈاکٹر صاحب نے ران اور روپے لئے اور قصائی کی آنکھ میں چند قطرے دوائی کے ڈال دیئے اور کل آنے کی سفارش کی۔ دوسرے دن پھر وہ ایک ران اور روپے لے کر گیا اور ڈاکٹر صاحب نے وہی کل کا سلوک آج بھی کیا۔ اس طرح یہ قصاب روزانہ ایک ران اور روپے لے جاتا ڈاکٹر صاحب چند قطرے کے ڈالنے کے سوا کچھ علاج نہ فرماتے ایک دن اتفاقاً ڈاکٹر صاحب اپنے مطب سے غائب رہے دوسرے دن آنے والے مریضوں میں اس قصاب کو نہ پا کر اپنے بیٹے سے دریافت کیا جو خود بھی ڈاکٹر تھا جب وہ حاضر نہ تھا۔ کیا وہ قصاب آیا تھا؟

لڑکے نے کہا جی ہاں۔

ڈاکٹر:۔ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

لڑکا:۔ میں نے چمٹی سے ہڈی کے ٹکڑے کو نکالا اور آنکھ میں ڈالنے کے لئے دوائی دی وہ خود آنکھوں میں دوا ڈالے تاکہ زخم بھر جائے۔

ڈاکٹر:۔ افسوس تم نے برا کیا۔

لڑکا:۔ کیوں بابا!

ڈاکٹر:۔ تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ہر روز ہمارے لئے ایک ران اور روپے لے کر آتا تھا۔

میں جان بوجھ کر اس ہڈی کے ٹکڑے کو اس کی آنکھ سے نہیں نکالتا تھا اور مجھے اس بات کا ڈر تھا اگر ہڈی کا ٹکڑا نکال لیا تو پھر وہ مطب کی طرف رُخ نہ کرے گا۔

دیکھئے:۔

بیچارہ قصاب رات بھر اس ہڈی کے ٹکڑے کے سبب سو نہیں سکتا تھا اور دن میں کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کو آرام پہنچانے کے لئے صرف اتنا کام کرنا تھا کہ ایک چمٹی لے کر ہڈی کو باہر نکالنا تھا۔

لیکن وہ ڈاکٹر جو بنیادی طور پر ایمان سے دور تھا۔ خوفِ خدا نہ ہونے اس نے کسی کے دُکھ کا خیال نہ کیا اسے تو ران اور روپے چاہیئے تھے۔

مغربی نظام زندگی نے سارے معاشرے کی بنیادوں سے ایمان کو خارج کر دیا جس کے نتیجہ میں ہم آج زندگی کے ہر شعبہ میں انحطاط اور بدبختی میں مبتلا ہیں۔

آپ کا کیا خیال ہے، کیا یہ گمان صحیح ہے کہ یہ ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، جج،

تاجر، عالم اور صدر مملکت کو مادہ کے پیچھے رواں ہونے سے انہیں خوشگوار زندگی نصیب ہوتی ہے؟

نہیں جناب ہزار دفعہ نہیں! نہیں!

بے شک یہ مقولہ صحیح ہے (ایک ظالم دوسرے ظالم کا شکار ہو جاتا ہے۔

وہ معاشرہ جو بگڑ گیا ہو اس کا ہر شعبہ بگڑ چکا ہوگا۔

وہ ڈاکٹر جو ایک طرف قصائی سے روپے اونڈا ان وصول کرتا رہا دوسری طرف ہو سکتا ہے وہ کسی ایسے جج کے چنگل میں پھنس جائے جو رشوت خور ہو یا کسی وکیل کے ہتھے چڑھ جائے، ہو سکتا ہے وہ اپنے گھر کی تعمیر کے سلسلہ میں کسی انجینئر کے جال میں پھنس جائے جو نقشہ اس طرح غلط بنائے کہ بعد میں صحیح بنانے کے لیئے اس سے زیادہ سے زیادہ رقم اینٹھ لے۔

یا ایک ایسے صدر مملکت کی حکومت اس پر نافذ ہو جائے جو کمر شکن ٹیکس لگا دے اس طرح۔ ۔ ۔ ۔

اور اس کے بعد (وان ربک لبالمرصاد) تمہارا رب گھات میں بیٹھا ہے۔

یہی گفتگو جو ہم نے ڈاکٹر کے سلسلہ میں بیان کی۔ ایک بدچلن وکیل، حاکم صدر اور انجینئر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

یہ ایک ہمہ گیر المیہ ہے جس نے تمام شعبہ ہائے حیات کو گھیر لیا ہے۔ ہمارے معاشرہ کی کشتی ایک ایسے بھنور میں پھنس چکی ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ عوام کے جھگڑوں اور فسادات سے نجات کا واحد حل صرف اس میں ہے کہ اسلامی نظام عدل کا نفاذ عمل میں آئے۔

قاضی ایک ہو ۔ کوئی رنگ کوئی قسم کوئی درجہ بندی نہ ہو۔

قاضی میں ضروری ہے کہ وہ عادل ہو۔

گواہوں میں ضروری شرائط عدالت ہوں یہ تمام جھگڑے کسی درخواست پر اسٹامپ لگانے اور اس پر ٹیکس ادا کئے بغیر ایک گھنٹے یا اس سے کم وقت میں طے ہو سکتے ہیں ہر شخص اسلامی عدالت میں بغیر کسی وکیل کے سہارے خود اپنی پیروی کر سکتا ہے سوائے اگر معاملہ نہایت اہم ہو تو اس وقت مددگار لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ہم ۱۳ سو برس کی تاریخ میں اسلامی عدالتوں کے حالات کو دیکھتے ہیں وہاں فیصلے فوراً ہو جاتے ہیں۔ اسلامی دور کا آج کل کے مغربی ایڈووکیٹ سسٹم سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

اور یہ سب کچھ ان لوگوں پر عیاں ہے جو اسلامی نظام عدل اور مغربی نظام عدل کے درمیان تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔

کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہیں۔

اسلامی عدالتی طریقہ اس دور میں قابل تطبیق نہیں ہے۔

کیوں ؟

کیا اسلامی نظام تجربہ کے دور سے نہیں گزرا۔ کیا اس لئے کہ مغربی طرز انصاف مجرم کی مشکلات حل کرنے میں اسلامی طرز انصاف سے بالاتر ہے کیا اس لئے لوگ اس نظام پر خوش نہ ہوں گے چونکہ یہ مشکل ہے ؟

یا اس لئے اب اسلامی طرز انصاف کو قابل نفاذ نہیں سمجھتے چونکہ عادل حکمرانوں، عادل گواہوں کا فقدان ہے یا ملتے ہیں تو بالکل کم جو معاشرے کی

ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔

جناب نہ یہ تصور صحیح ہے نہ وہ۔

تیرہ صدیاں بیت گئیں ان ادوار میں اسلامی نظامی عدل نے اپنا تجربہ بہتر انداز میں پیش کیا ہے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لئے اسلامی طرز انصاف کے بہتر ہونے پر پوری دنیا کل بھی تھی اور آج بھی معترف ہے لیکن سامراجی طاقتوں نے یہ گمان بد لوگوں میں پھیلایا تاکہ وہ خود اپنے وجود کو لوگوں میں دوام بخشے

اور اپنا تسلط باقی رکھے۔

مسلمانوں کے سادہ لوح افراد کو ورغلایا وہ ایسے جیسے جملوں کی طوطے کی طرح رٹ لگاتے رہے اور یہ بیچارے استعماری چالوں اور عیاریوں سے غافل ان کے جال میں پھنستے چلے گئے

یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟

اسلام قابل تطبیق نہیں ہے۔ قرآن کا زمانہ گزر گیا اسلامی نظام اپنا پیغام دے چکا اسلامی قانون انصاف کا زمانہ گزر چکا ہے۔

کیا آپ راکٹ کو نہیں دیکھتے؟ کیا آپ ہوائی جہاز کو نہیں دیکھتے؟ کیا آپ پانی اور بجلی کا مشاہدہ نہیں کرتے یہ کہنے والے حقیقت میں غفلت کا شکار ہیں۔

کسی چیز کی ایجاد اور ہے نظام زندگی اور ہے۔ اگر مغربی دنیا ایجادات میں کامیاب ہو گئی تو اُس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک بہتر نظام زندگی بھی دے سکے آپ خود بہتر جانتے ہیں یہ پانی اور بجلی بیک وقت لندن اور ماسکو دونوں شہروں کے ہر گھر میں موجود ہے کیا آپ

یہ بتلا سکتے ہیں دونوں ملکوں کا نظامِ زندگی بھی ایک ہے؟
نہیں ایسا نہیں ہے۔
کسی آلہ کا ایجاد کرنا اور ہے نظام اور قانون پیش کرنا اور ہے۔
وہ چیز جو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں یہ ہے۔
پوری دنیا جان چکی ہے اسلام بہترین نظامِ حیات ہے۔
ہمارے اس دعویٰ پر مختلف قرائن اور گواہ ہیں جنہیں ہم بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں۔

اور اس بات میں کوئی منافات نہیں ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ انسان جدید ایجاد شدہ آلات سے استفادہ بھی کرے اور اس کا نظامِ زندگی اسلام ہو جیسا کہ کمیونسٹ ممالک میں ان ایجادات سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے جو مغربی ممالک نے ایجاد کئے اور اس کے ساتھ زندگی کے لئے نظام کمیونسٹ کو اپنایا ہے۔ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں سے بعض لوگ اس طرح اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ بھی یہ ہے مغربی نظام تو بس ایک ہی ہے۔ ایک ہمیں یا تو سرے سے ان کو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے اور دوبارہ اپنی سواری کے لئے گھوڑے خچر اور گدھوں کی طرف رجوع کریں۔
روشنی کے لئے شمع۔ پینے کے لئے مشکوں کا استعمال کریں۔
یا پھر جو وہ پیش کریں اسے سب کے سب لے لیں یہ کتنا سراسر مغالطہ ہے۔

نہ وہ درست ہے نہ یہ۔
ہم جدید ایجادات سے استفادہ کریں گے اور ان کے اس

بد بودار اور فساد سے بھرپور نظام زندگی کو چھوڑ دیں گے۔

اور در حقیقت دونوں میں کوئی ربط بھی نہیں ہے اب خود سوچئے ان دونوں میں کیا ربط ہے۔

ایک شخص دین دار جو اللہ اور روزِ جزاء پر ایمان رکھے اور اس ایمان کے ساتھ وہ پانی بجلی، ہوائی جہاز ہیں اور راکٹ وغیرہ ہیں سوار بھی ہو کیا کا استعمال کرے مانع ہے؟

یہ ایک طویل بحث ہے جو ہماری اس کتاب کے اصل مقصد سے خارج ہے ہم صرف اتنے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب ہم ان اداروں کی طرف رُخ کرتے ہیں جن سے ہمارا بلا واسطہ ربط ہے۔

ادارہ نشر و اشاعت

یہ ان اداروں میں سے ایک ہے جس کی ہمیں ولایت اور قضاء کے اداروں کے بعد ضرورت پڑتی ہے۔

یہ ادارہ نشر و اشاعت ہے۔

ریڈیو، ٹیلیویژن، اخبارات، کتابیں، رسالے، ڈائجسٹیں، اسکول اور اکیڈمیز وغیرہ سب اس ضمن میں آتے ہیں۔

اسلام ان تمام ذرائع سے جن سے تعلیم میں فروغ حاصل ہوں فائدہ اٹھاتا ہے آج کا انسان اسلامی دور کے تعلیمی و ثقافتی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔

اگر آج کی دنیا علم و ثقافت میں کافی آگے بڑھ چکی ہے مگر اس دور اسلامی تعلیم و ثقافت کے درجہ پر نہ پہنچ سکی۔

اسلامی ثقافت کا آغاز اس دن سے ہوا جس دن غارِ حرا میں رسولِ اکرمؐ پر سورۂ علق نازل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔"(۱)

پڑھ (اے حبیب) اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون سے پڑھ تیرا رب بڑا کریم وہ جسے قلم کے ذریعہ سکھایا انسان کو علم دیا جو وہ جانتا نہ تھا۔

اور یہ رسولِ اکرم (ص) کا فرضِ منصبی تھا جو ادا کیا کہ وہ مسلمانوں کو تربیت علمی دیں جیسا کہ آیت میں ذکر ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ(۲)...)

وہ ذات جس نے مکّہ کے باشندوں میں ان میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور سیکھاتے ہیں ان کو علم اور حکمت۔"

جنگ بدر کے اسیروں میں کچھ لکھنا پڑھنا جانتے تھے پیغمبر اکرمؐ نے اُن کے فدیہ کے بدلے دس مسلمانوں کو تعلیم دینا قرار دیا پھر انہیں آزاد کر دیا۔ مسلمانوں میں تحصیلِ علم کا شوق اس قدر بڑھ گیا کہ وہ لوگ

(۱) ۵ علق ۹۶ -۲،

چین تک پہنچ گئے اور آسمان میں موجود علم کی تلاش کی طرف متوجہ ہوئے۔

چنانچہ رسول اکرمؐ نے فرمایا لَوْكَانَ الْعِلْمُ فِي الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِس۔ اگر علم ثریّا میں ہو تو بھی ملک فارس کے مرد اس کو پالیں گے۔

حضور نے فرمایا۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّين۔

علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو چنانچہ بعض علماء نے ان دو روایتوں کی تشریح فرماتے ہوئے کہا ہے اس میں واضح اشارہ اس جانب ہے کہ علم زمین کے دور دراز علاقوں میں ہو ان کا حاصل کرنا ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔

بہرکیف:۔ مسلمان علمی میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے یہاں تک کہ حضرت امام رضاؑ جب نیشاپور پہنچے تو تاریخ گواہ ہے وہاں استقبال کے لئے آنے والے وہ علماء جو قلم دوات لے کر آئے تھے ان کی تعداد چوبیس[۲۴] ھزار تھی۔

جب کہ یہ علماء حضرات لکھنے کی نیت سے نہیں آئے تھے مگر اچانک انہیں لکھنا پڑا۔ واقعہ تاریخ میں مشہور ہے۔

چنانچہ علمائے مغرب کا قول ہے مسلمان جدید علوم کے باپ ہیں یہاں پر ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم ان تفصیلات کی طرف جائیں جو مسلمانوں کی علمی کاوشوں کے نتیجہ میں وجود میں آئیں یا اُن علوم کے تفصیلات کی طرف جائیں جو رسولِ اکرمؐ کے دریائے فیض سے حاصل کئے۔ مقصد ہمارا یہاں اس ادارہ کے سلسلہ میں ہے جسے ادارۂ تعلیم و تربیت یا نشر و اشاعت کہتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ ادارہ کتنا بڑا یا چھوٹا ہونا چاہیئے۔

ہم کہتے ہیں:۔ آجکل تعلیمی ذرائع تین ہیں۔

(۱) اسکول۔ اکیڈمی۔

(۲) کتابیں اور جرائد

(۳) ریڈیو۔ ٹیلیویژن، سینما اور کھیل کے میدان۔

اس میں کوئی شک نہیں ہمارے تمام ذرائع تعلیم پر کافی سامراجی طاقتوں نے قبضہ کرلیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

(ا) اپنی ضخامت کو بڑھایا

(ب) سکڑ جانا۔

(ج) فساد اور جھگڑے۔

اگر ہماری تعلیم ان آلائشوں اور گندگی سے پاک ہو جائے اور اسلامی پیش کردہ اقدار سے مزین ہو جاتے تو یقینا ایک عجیب در عجیب امر وقوع پذیر ہوگا۔

کیونکر ایسا نہ ہو جبکہ اسلام نے اس دور میں جب وسائل کا فقدان تھا اپنی تعلیم کی روشنی سے مسلمانوں کو عروج بخشا یقیناً اس دور میں اسے زیادہ فائدہ دے سکتا ہے۔

(۱) ضخامت (تعلیم) میں اضافہ۔

آپ وزارت تعلیم سے متعلق کسی بھی ادارے میں چلے جائیں آپ کو وہاں کے معمولات کے مطابق دس چکروں اور دس رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جو لوگ اس محکمہ سے منسلک ہوں چاہے وہ اُستاد ہو یا شاگرد، پرنسپل ہو یا اسسٹنٹ پرنسپل۔ منشی ہو یا ناشر وغیرہ وغیرہ جو بھی اس ادارہ سے معمولی تعلق اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیشنلٹی سارٹیفکیٹ، شناختی کارڈ اور ورک پرمٹ کیریکٹر سرٹیفکیٹ سروس وغیرہ وغیرہ رکھتا ہو۔

یہ تمام چیزیں اگرچہ چند سطروں پر مشتمل ہیں مگر ان کا حصول جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر ملنے کی امید بھی ہو جائے تو ملتے ملتے ہفتوں بلکہ مہینے انتظار میں گزر جاتے ہیں لاکھوں افراد کی قوت وقت اور مال کا ضیاع ہوتا ہے اس کے بعد مغربی طرز تعلیم مختلف شرائط و قیود کا پابند ہے جسے ہم علم کی تباہی کہتے ہیں کیونکہ لوگوں کی تباہی اور علم کی تباہی دونوں برابر ہیں۔

اسلام کی نظر میں یہ دونوں صحیح نہیں ہیں انسان ہر اس عمل میں جو اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو انجام دینے میں آزاد ہے علم حاصل کرنا سب کا یکساں حق ہے سوائے ان کے جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا اس لئے کہ وہ باعث غلاظت و فساد ہیں۔

(اَلنَّاسُ مُسَلَّطُونَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ)

عام لوگوں کو اپنے جان اور مال پر اختیار حاصل ہے۔

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ کہہ دے میرے پالنے والے میرے علم میں اضافہ کر دے۔ (۱)

اسلام نے علم کو کائنات کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ وہ یکجا ہو گئے اسلامی علم کائناتی ہے اس طرح وہ روح، جسم، دنیا، آخرت، عقل، جذبات ابتداء اور معاد، (قیامت) پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اسلام حکم دیتا ہے کہ ذہن کو ثقافت سے روح کو فضیلت سے دنیا کو آباد کر کے آخرت کو نیک اعمال سے عقل کو حقائق سے جذبات کو محبت سے مبدا کو تصدیق کر کے قیامت کو تیاری سے سرشار کرو۔

اسلام لوگوں کو بلا واسطہ دنیاوی طور پر برداشت کرتا ہے۔

وہ مادہ کو روح پر اس لئے فضیلت نہیں دیتا کہ یہ دنیا محض تجارت

(۱) ۱۱۴ طہ ۲۰

اور جنگ کا اڈہ نہ بن جائے جیسا کہ آپ موجودہ ترقی یافتہ ممالک کو دیکھتے ہیں اور اس طرح مادہ کے مقابل میں روح میں کچھ زیادہ ترجیح کا قائل نہیں کہ لوگ دنیاوی زندگی کے حسن سے فائدہ نہ اٹھائیں وہ ثقافت کو فضیلت پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ ثقافت کے بارے میں فضیلت کو ترجیح دیتے ہیں اور نہ وہ دنیا کو محض ایک بھڑکتا شعلہ قرار دیتا ہے جس کے پہلے کچھ نہ ہو اور اس کے بعد بھی کچھ تصور نہ ہو اس طرح انسانی اقدار و اعمال اس کی بلند تمنّیں صرف اس کے چھوٹے سے ٹکڑے پر منحصر ہو کر رہ جاتے۔

ج :- رہ گیا فساد۔

اس بارے میں اسلام کا ایک نظریہ ہے وہ یہ کہ تہذیبی، فتنہ پروری، دیدہ دری، توڑ پھوڑ، وغیرہ۔ معاشرہ کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں

(۱) صحت کی تباہی

یہ سب مذکورہ امور صحت کو سخت نقصان پہنچاتی ہیں اگر تمام لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جو چاہیں کریں کچھ ہی دن میں ان لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنے امراض اور مختلف النوع تکلیفوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے ترقی یافتہ ممالک میں دیکھتے ہیں فرانس کی دس فیصد آبادی مختلف بیماریوں کی شکار ہے۔

(۲) اجتماعی تباہی

جب معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے تو اس کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے لوگ ٹکڑوں میں بٹ جاتے ہیں تعاون کی فضا ختم

ہو جاتی ہے اور نفرت کا بول بالا ہوتا ہے۔ لوگ آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں۔

(۳) مالی تباہی

مال کی مقدار تو بہت کم ہوتی ہے اگر اس میں سے کچھ کھیل کود کے نذر ہو جائے تو معاشرہ پر یقیناً اس کا بُرا اثر پڑے گا جتنا مال کم ہوا اتنا ہی معاشرہ پر انحطاط کے اثرات مرتب ہوں گے۔

(۴) ذات کی تباہی

جو شخص فتنہ پرور ہو وہ شخص اپنے کو بھی تباہ کر دیتا ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کی عزت و ناموس پر نگاہِ بد ڈالتا ہے وہ شخص جو شرابی ہو یقیناً جب وہ ہوش میں نہ ہو وہ سب کچھ کرے گا جو ایک جنگلی جانور بھی نہ کرے انھیں وجوہات کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کے فتنہ و فساد کو حرام قرار دیا تاکہ ایک صحیح شرافت اور فضیلت سے مالا مال معاشرہ وجود میں آسکے۔ موجودہ ثقافت جو مغرب سے حاصل کی گئی ہے اس کی بنیاد فتنہ و فساد پر رکھی گئی ہے۔ نام نہاد ثقافت اور فساد کا میل پانی اور ریت کا نہیں بلکہ دودھ پانی یا دودھ اور زہر کا ملاپ ہے۔ ذرا نظر اٹھا کر ابلاغِ عامہ کے وسائل کی جانب دیکھئے ٹیلیویژن، ریڈیو وغیرہ فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے بہترین ذریعہ بن گئے ہیں۔

آئے دن کے ہنگامے، فتنہ پردازیاں، انحرافات، مشکوک

ملاقاتیں یہ فسق وفجور سب کچھ موجودہ نظام تعلیم ہی کا کرشمہ ہے۔
اگر کوئی موجودہ دور کے علم اور ثقافت کے بارے میں ہم سے کوئی مثال دریافت کرے تو ہم کہہ سکتے ہیں اس کی مثال شراب اور جوئے جو قرآن مجید میں ذکر کیا گیا۔

(اے حبیب) اور تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کریں گے تو آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ بھی ہے۔ ان دونوں کا گناہ فائدے سے بڑھ کر ہے۔
(مطلب یہ کہ موجودہ دور کی تعلیم میں فائدہ ہے مگر نقصان فائدے سے کئی گنا زیادہ ہے)

موجودہ رائج طرز تعلیم جو اجنبی کافر سے مستعار لیا ہے اس پر ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا۔
سلسلۂ تعلیم کی بے راہ روی پر ایک تفصیلی جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔
بچوں کی تعلیم کا آغاز (نرسری اسکولوں) سے ہوتا ہے۔ ان نرسری اسکولوں میں کیا ہوتا ہے؟
خوبصورت گارڈن، تالاب، فوارے، مختلف کھیل، مسیں (معلمات) رقص وموسیقی کی تعلیم، گانے کی دھن اور سارنگی بجانے

کی تربیت ان تمام پر اس وقت اہمیت زیادہ دی جاتی ہے جب اسکول مشنری ہو۔

ان تمام خرافات کی تعلیم کے ساتھ مسیحیت کی تبلیغ بھی کی جاتی ہے اور اصول تثلیث سکھائی جاتی ہے۔

کیا ان نرسری اسکولوں میں صداقت، امانت، حیاء عفت، اسلام، سلام (سلام وعلیکم) اور دینی آداب سکھائے جاتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں۔

یہ تمام ادارے فقط اس لئے کھولے گئے تھے تاکہ عمدہ اقدار اور اسلامی اصولوں سے جنگ کریں۔

یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ برسرپیکار دشمن اپنے حریف پر رحم کھائے؟

اس مقام پر ہمیں رسول اکرمؐ کی حدیث یاد آتی ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرة الا ان ابویہ ھما اللذان یھودان وليمجسانہ

ہر بچہ" فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے سوائے اُس کے والدین ان کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں

حضور اکرم فرماتے ہیں۔

من حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمه وادبه وزواجه۔

باپ پر اولاد کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اس کے ادب کو بہتر بنائے اور اس کی شادی کرے۔ مگر ہمارا رویہ

اس حدیث کے بالکل خلاف ہے۔

بہر کیف نرسری نظام اس جدید دور میں بچوں کو راہ راست سے منحرف کرنے کا پہلا ذریعہ ہے۔

ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، ایسے سینکڑوں واقعات ہمارے ملک کے گوشہ گوشہ میں ہوتے رہتے ہیں۔

ایک صاحب نے اپنی بچی کو (مشنری اسکول) میں داخل کیا محض اس لئے کہ وہاں صفائی ہے کچھ عرصہ داخلہ کو گذر گیا ایک دن اتفاقاً اس بچّی کے رشتہ دار جمع ہوئے اور سب نرسری اسکول کے ماحول کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے بچّی سے دریافت کیا بیٹی تمہارا رب کون ہے؟

وہ کہنے لگی سیدنا مسیح (ع)

ان نرسری اسکولوں کے زیر تعلیم بچّے اور بچیاں جب گھر واپس آتی ہیں تو حسب عادت گھر میں بھی ناچنے اور گانے لگتے ہیں۔

(۲) نرسری ماحول کے بعد بچّے پرائمری اسکول میں داخل ہوتے ہیں اب ذرا پرائمری کلاسوں کے نصاب تعلیم پر غور کریں۔ کیا کچھ ہے؟

(۱) بیشتر اسکول میں لڑکے اور لڑکیاں باہم مخلوط ہو کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(۲) لڑکیوں کے اسکول میں بعض اوقات مرد ٹیچر سبق پڑھاتے ہیں۔

(ج) اسکول لڑکیوں کا انسپکٹر کوئی مرد متعین ہے۔

(د) اسکول لڑکیوں کا ہے اور چوکیدار مرد ہے۔

(ھ) اب رہ جاتا ہے (دین) مذہب پورے اسکول میں اس بیچارے کا نام و نشان نہیں ملتا۔

ہمارے اس بیان پر ہو سکتا ہے بعض افراد آگ بگولہ ہو کر کہیں یہ کیا بات ہے؟ جناب نصاب میں یہ قرآنی آیات یہ اسلامی سیرت پر اسباق موجود ہیں۔

جی ہاں۔ صحیح فرماتے ہیں کچھ موجود ہے وہ صرف آپ کے جذبات کو سرد کرنے کے لئے دین کے بارے میں کوئی پرسش نہیں ہے۔

آپ بتلایئے مذہبی معلومات کا کیا درجہ ہے۔

دین پڑھانے کے لئے کوئی استاد معین نہیں ہے اس پر کوئی توجہ نہیں ہے اور نہ یہ امتحانات میں شامل ہے اس کے برعکس نصاب تعلیم میں کھیل اور ڈرائنگ شامل ہے مگر دین نہیں ہے۔ اگر اس شعبہ کو پڑھانے کے لئے کوئی ٹیچر رکھ بھی دیا تو انتخاب غلط۔ بچے مسلمان۔ ان کے لئے کرسچن کمیونسٹ ملحد، ٹیچر بطور استاد تعین کیا گیا۔

اسکولوں میں کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آیا مذہبی ٹیچر کلاس میں دینی درس دینے کے بجائے اپنے غلط کرتوتوں کے قصے بیان کرتا ہے۔ کوئی دیکھنے والا نہیں۔

اکثر عربی ممالک میں دین اور عربی زبان کو ایک سبق میں شمار کیا جاتا ہے یہ سب کچھ کیا دھرا سامراجی نظام کا ہے۔ دین اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے وہ اس کے سبق کے لئے اپنے اسکول میں علیحدہ وقت کیوں دے وہ ہرگز تیار نہیں ہے۔

اس تمام گفتگو کے بعد ذرا غور سے استاد محمد قطب اپنی کتاب میں جو تحریر فرماتے ہیں، پڑھئے۔

کیا ہم مسلمان ہیں؟

ہمارے اسکولوں میں مذہبی اسباق کا وقت چھٹی کی گھنٹی بجنے کے قریب ہوتا ہے۔ اس وقت کا انتخاب دیکھئے جب طلبہ کے اعصاب پر تھکن کا غلبہ ہوتا ہے وہ اس وقت قید و بند سے کھلی فضا میں جانا چاہتے ہیں وہ اپنی تھکن دور کرنے کے لئے باہر سڑکوں پر آنے کے خواہشمند ہیں (بھلا ایسے وقت میں مذہبی سبق پڑھایا جائے تو بھلا ان کے پلّے کیا پڑے گا)

دوسری جانب مذہبی ٹیچر کے انتخاب میں کسی بزرگ سن رسیدہ شخص کو چنا جاتا ہے۔ جس کا زیادہ ٹائم کلاس میں کھانستے (اُگالدان) میں تھوکتے گزر جاتا ہے اور وہ مذہبی معلم بوڑھا شخص زندگی کی تمام تر کمزوریوں اور زوال کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے جب طالب علم ایسے شخص سے دینی باتیں سنتا ہے تو اس کی نظروں میں دین کمزوری، تباہی اور بڑھاپے کے تصوّر سے بھرا ہوتا ہے جس کا نتیجہ مایوسی، تنگدلی اور نفرت جگہ لے لیتی ہے۔

یہ تو ایک پہلو تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا آئیے ذرا دوسری جانب ایک نظر ڈالتے ہیں۔

نصابی کتابوں میں قرآن، اسلام اور سیرتِ پاک سے کیا کچھ ہے؟ صرف چند آیات اخلاق کے بارے میں اور بس نہ یہ بتلایا گیا اس پر عمل کیونکر ہوگا۔ اور چند قصّے لکھ دیئے گئے مگر یہ نہیں بتلایا کہ ان سے عبرت کیسے لی جائے۔

ایک ناقص اسلام سے طلبہ کو روشناس کرتے ہیں جس کا نہ سر کا پتہ ہے نہ پیر کا کچھ اُدھر سے اور کچھ اِدھر سے چن کر کتاب بنالی۔ سیرتِ نبی لکھی بھی گئی تو نہایت ناقص اسلامی سیرت کے ضمن میں بادشاہوں کی سیرت کو لکھ دیا

گیا ان خلفاء کا ذکر کیا جنہوں نے تخت و تاج کو اپنایا چاہے یہ لوگ مجرم ہوں یا نیک سیرت سب کا ذکر کر دیا ان کے چند اخلاقی اور چند فتوحات کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا۔ قرآن، سیرتِ پاک اور اسلام جن جامع امور پر مشتمل ہے نظر انداز کر دیئے گئے۔

احکام قرآن، فضائل قرآن، معجزہ قرآن وغیرہ وغیرہ اسلام کا نظام سیاسی، عسکری، مالی، اقتصادی، اجتماعی، اسلامی آزادی، حقوقِ زن، حقوق کاریگر اور حقوق مالکان جیسے عنوان کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔

سیرت حضرت محمد مصطفےٰ اور اہل بیت طاہرینؑ جو حقیقی خلفاء اسلام تھے اُن کی صحیح سیرت اُن کے اخلاق، ان کے اعمال ان کے امن و جنگ میں کردار ان کا لین دین کا نظام طور طریقے طرز حکومت ان کا عقیدہ وغیرہ وغیرہ موضوعات جنہیں قابل توجہ نہیں سمجھا گیا، چنانچہ اسکولوں کے کورس میں ان تمام اہم امور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے میں نے ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے دوران گفتگو کہا جناب آپ کے اسکول میں اسلام کا نام و نشان نہیں ہے؟ میری بات پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

یہ کیسے کہہ رہے ہیں ذرا کتابوں کو دیکھئے ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔

میں نے کہا جناب نماز، روزہ اور ناقص سیرت اور چند منتخب آیات کے اسباق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

ہیڈ ماسٹر:۔ جی ہاں پھر اور کیا ہوگا۔

میں نے کہا:۔ کیا آپ کے اسکول میں یہ بتلایا جاتا ہے کیونکر

انسان مال جمع کرے اور کس طرح اس کا بٹوارا ہوتا ہے۔ اسلام میں سیاست کے خطوط، طلبہ کو بتلائے جاتے ہیں ؟

آیا یہ بتلایا جاتا ہے کہ اسلام میں ملوکیت ہے یا جمہوریت کیا بتلایا جاتا ہے ؟ کہ اسلام میں اقتصادی نظم ونسق کیا ہے۔

اسلامی اقتصادیات کے بنیادی ارکان کیا ہیں ؟

کیا بتلایا جاتا ہے ؟ اسلام نے عام لوگوں کو کیا آزادی بخشی ہے ؟ کیونکہ اسلام فقر وجہالت، بیماری اور پستی کا مقابلہ کر کے اُسے دور کرتا ہے۔

میں نے جب یہ سوالات کیئے جانتے ہیں جواب کیا تھا ؟ وہ حیرت زدہ شخص کی طرح انگشت بدنداں رہ گیا وہ میری باتوں کو کان لگا کر ایسی توجہ سے سُن رہا تھا جیسے کوہ قاف کے عجیب وغریب داستانوں کو لوگ سنتے ہیں میں نے اپنے قریبی ایک دوست سے گفتگو کے دوران یہ بتلایا جب آپ کے شعبۂ تعلیم کے ایک ذمہ دار افسر کی اسلام کے بارے میں یہ معلومات ہوں وہ صرف چند آیتوں اور ناقص سیرت اور کچھ عبادات کے سوا کچھ نہ جانتا ہو تو پھر طلبہ کی لیاقت اور قابلیت کیا ہوگی۔

خلاصہ

اسکولوں میں رائج نصاب کا یہ عالم، استادوں کی قابلیت کا یہ حال اب بتلائیے بیچارے طلبہ کی حالت کیا ہوگی۔

(۳) جب طالب علم پرائمری کلاس پاس کرتا ہے:۔

تو وہ سیکنڈری اسکول میں داخلہ لیتا ہے پھر وہاں سے کالج کا رُخ کرتا ہے۔ جب طالب علم اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اسلام دشمن

" استعمار کا مقصد پورا ہو جاتا ہے یہاں دینی تعلیم کا وہ حصہ بھی نظر نہیں آتا جو پرائمری کلاسوں میں پڑھایا جاتا تھا بلکہ نصاب مشرقی یا مغربی ہے یہاں اس کام کا آغاز ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ تنگدستی، جہالت، مرض ارتکاب جرائم کا شکار ہو جاتا ہے توہین اسلام، زندگی میں مایوسی کی واضح جھلک نمودار ہوتی ہے۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~

طالب علم اس منزل پر پہنچ کر ہر چیز کو مغرب کی نگاہوں سے دیکھتا ہے.

زندگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ وہ جو مغرب نے اپنائی .

خوش بختی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ وہ جو مغرب نے حاصل کی ۔

کائنات پر نظر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ اندازِ نظر وہ جو مغرب کا ہے ۔

آزادی ، اقتصاد ، ثقافت ، تمدن ، تہذیب ، انداز سیاست و حکمرانی احزاب (پارٹیوں) کے مابین نظم و نسق وغیرہ وغیرہ ، وغیرہ یہ سب کس روش پر ہوں ؟

جواب صرف ایک ہے اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں ہے وہ یہ کہ صرف مغربی دنیا نے جو دیا ۔ جو کچھ ان کے اذہان نے ڈھال کر پیش کیا اور کبھی یہ بھی کہتے ہیں وہ انداز بہتر ہے جو مشرقی کمیونسٹ نے پیش کیا ۔

رہ گیا "اسلام" اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں ۔

وہ تو خرافات ، رجعت پسندی ، جمود ، پستی ، عقب نشینی پر مبنی ہے وہ تو صرف دقیانوسی زمانہ کے قابل ہے اور اس کا وقت گزر چکا ہے ۔

جب آپ پلٹ کر ان سے دریافت کریں ، یہ اسلام جس کے بارے

میں آپ کے یہ خیالات ہیں اور اتنی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ کیا آپ اس سے واقف ہیں ؟

اسلام نے جو پروگرام پیش کیا ہے کیا آپ کے علم میں ہے ؟

اسلام کے بتائے ہوئے قوانین اور کائنات اور زندگی کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں کیا آپ واقفیت رکھتے ہیں ؟

کیا آپ نے اسلامی قوانین کا مغربی اور مشرقی پیش کردہ نظاموں کے درمیان تقابلی مطالعہ فرمایا ہے ؟

جواب میں کہتے ہیں ؟

زندگی کے بارے میں اسلام کوئی پروگرام مرتب رکھتا ہے ؟ اسلام میں کوئی نظام اور قانون کا وجود ہے ؟

کیا اسلام میں نماز، گھنی ڈاڑھی، ٹوپی، مسجد، گوشہ نشینی کے علاوہ بھی کچھ ہے ؟

یہ ان نوجوانوں کا خلاصۂ گفتگو ہے جو ہمارے سکنڈری اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔

بیان کرنے کے لئے حکایات تو بہت ہیں ہم آپ کی دلچسپی کے لئے ایک قصہ بیان کرتے ہیں ۔ ایک دفعہ میری ملاقات کالج کے ایک طالبعلم سے ہوئی جو کلیۃ التجارۃ (کامرس کالج) میں تحصیل کر رہا تھا اس لئے میں نے ان کے کالج کے بارے میں چند سوالات کئے ۔

نصاب تعلیم کیا ہے ؟ طلباء کا رجحان کیسا ہے ؟

طالب علم نے جواب دیا۔ جناب والا ستر فیصدی طلباء تو کمیونسٹ اقتصاد کی طرف مائل ہیں اور تیس فیصد طلباء مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی طرف

رجحان رکھتے ہیں ۔

ہمیں جو علم اقتصاد پڑھایا جاتا ہے وہ صرف انہیں دو نظریہ کے مطابق ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ کیا اسلامی نظام اقتصاد پڑھایا جاتا ہے؟

جواب :۔ (انتہائی حیرت سے) کیا اسلام کے لئے بھی کوئی اقتصاد ہے؟

میں نے کہا (برخوردار) اسلام کا پیش کردہ نظام اقتصاد کمیونسٹ اور سرمایہ دارانہ نظام سے کئی گنا برتر اور افضل ہے ۔

کمیونزم اور کیپٹیلزم کے اقتصاد میں بعض وجوہ میں اضافہ ملتا ہے مگر اسلام ایک مکمل نظام اقتصاد رکھتا ہے جس میں کسی قسم کی خامی موجود نہیں ہے ۔

پھر میں نے اس کے ذہن کے مطابق چند گوشے اقتصادِ اسلامی کے بیان کئے ۔

اب رہ جاتا ہے تذکرہ بے پردگی اور بے حیائی کا

ہمارے موجودہ اسکولوں میں طالبات کو تاکید کی گئی کہ وہ یہ شعر زبانی یاد رکھیں ورنہ ان کے نمبروں میں بیس نمبر کٹ جائیں گے ۔

السفری فالحجاب یابنت فہر

ھو داء فی الاجتماع وخیم

اے عرب بیٹی بے پردہ ہو جا اس لئے کہ پردہ معاشرہ کے لئے بیماری اور بزدلی ہے ۔

ایسا لگتا ہے جیسے یہ اسکول کسی غیر اسلامی ملک میں ہے اور اسکے طالب علم مسلمان نہیں انہیں خدا و رسول سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

جبکہ قرآن بہ بانگ دہل کہتا ہے۔

اور اگر تمھیں کچھ دریافت کرنا ہو تو پردہ کے عقب سے پوچھو۔
مختصر یہ ہے کہ۔
مغربی طرز زندگی اپنے تمام تر پہلو سمیت اسلامی طرز حیات سے بالکل خلاف ہے۔
اسکولوں کے بارے میں جو اسلامی نقطۂ نظر ہے وہ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے۔
(۱) اسلام پہلا وہ مذہب ہے جس نے علم اور تعلیم پر زور دیا اور اُس کے وجود کو اس قدر وسعت دی کہ وہ آفاقی بن گیا اگر قرآن میں فضیلت علم پر صرف اگر یہ ایک آیت ہی ہوتی تو بھی کافی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔
ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون
کیا جاننے والے اور جو نہیں جانتے ہیں دونوں برابر ہیں؟
یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات
اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ان کے درجے بلند کرتا ہے۔
اور فرمایا وقل رب زدنی علماً
کہہ دے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔
اسلام نے جس قدر علم و دانش کو اہمیت دی اس پر اگر تمام حدیثوں میں صرف یہ ایک حدیث ملتی تب بھی کافی تھا۔

ارشاد ہے۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

تحصیل علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

مدرسہ اور اسکول کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

یہ استعماری نظام کا پروپیگنڈہ تھا اور اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سازش تھی کہ علماء دین علم کے مخالف ہیں جمود پسند اور ترقی کے خواہاں نہیں ہیں اس لئے انہوں نے اسکولوں میں بچوں کے داخلہ کو حرام قرار دیا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا واقعی علماء نے اسکولوں میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی ہے؟ اور اگر انہوں نے داخلہ سے روکا تو اصل سبب تو معلوم کیا ہوتا۔

یہ امر واضح ہے علماء اسلام نے اسلامی دنیا میں کھلنے والے ان نئے اسکولوں کو روز اوّل سے آج تک شک کی نگاہوں سے دیکھا ہے کچھ علماء نے تو ان اسکولوں میں داخلہ کو قطعاً حرام قرار دیا تھا۔ اگرچہ ان مدارس کے ابتدائی ایام میں کوئی خلاف مذہب بات دکھائی نہیں دیتی تھی ان کے آغاز میں علماء مذہب کا شک اور دل میں کھٹکا ان کی بصیرت اور دور بینی کی غمازی کرتا ہے۔ وہ بخوبی واقف تھے کہ نتیجہ کیا ہو گا انہیں اس بات کا علم تھا ان اسکولوں کے افتتاح کا مقصد تعلیم و ثقافت نہیں بلکہ ان کی بنیاد اس لئے رکھی گئی تاکہ مسلمانوں کو فکری طور پر استعماری فلسفہ سے مانوس کریں اور اس کے ساتھ اسلامی افکار کو تہس نہس کر دیں اس طرح وہ اسلامی ملکوں کو لقمۂ تر بنا کر آسانی

سے نگل سکیں جس طرح اس نو آبادیاتی نظام نے آتشیں ہتھیار کے سہارے لوگوں پر تسلط حاصل کیا اسی طرح وہ لوگوں کی فکر و نظر پر بھی مسلط ہونا چاہتا تھا۔

یہ سوچ سو فیصد صحیح تھی۔

چنانچہ سامراج کے چشم و ابرو کے اشاروں پر بنیاد رکھی گئی۔ اسکولوں کا شروع میں کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا لیکن جب چوتھائی صدی گزر گئی تب انجام اس کا سامنے آیا حقیقت واضح ہو گئی پھر معلوم ہو گیا اس وقت کے علماء نے کیوں ان اسکولوں کی مخالفت کی تھی۔

حقیقت سامنے آگئی یہ اسکول استعماری درخت کے لئے بیج تھا جسے انہوں نے اسلامی زمین میں بویا چنانچہ وہ درخت اگا، تناور بنا، اس کی شاخوں پر پتے پیدا ہوئے اس گھنے درخت کے زیر سایہ سامراجی حکومت نے اپنے باقی ماندہ ایام گزارے اور وہ اس سازش کی بدولت اسلام کے غیض و غضب سے بچا رہا۔

اس میں کوئی شک نہیں ان اسکولوں نے اسلامی قوت کو مغربی طاقت میں بدلنے میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ ان اسکولوں کو تحفظ حکومت وقت نے مادی اور معنوی طاقت فراہم کر کے دیا چنانچہ ان اسکولوں کو پائیداری نصیب ہوئی البتہ ان اسکولوں سے انہوں نے شجر اسلام کی جڑوں تک پہنچنے والی ہوا اور پانی کو بند کر دیا جس کی وجہ سے ان ممالک میں یہ درخت خشک ہو گیا، اور اس کے کھلتے ہوئے پھول مرجھا گئے

یہاں ہم دو باتیں ضرور بیان کر دیتے ہیں۔

(۱) اسلامی ذرائع کیونکر مغربی ذرائع میں تبدیل ہو گئے۔

(۲) دنیوی اعتبار سے مغربی ذرائع کے کیا نقصانات ہیں؟
اسلامی ذرائع لوگوں کی زندگی سدھارنے میں مغربی ذرائع سے بہتر ہونے کی کیا دلیل ہے۔

پہلی شک کے بارے میں:-

اسلامی دور حکومت میں انتظامیہ میں وہی افراد لئے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح کسی دینی درسگاہ سے سند یافتہ ہوتے دینی حوزہ علمیہ سے فارغ التحصیل شخص کو محکمہ، عدالت کا قلمتدان سپرد کیا جاتا تھا۔ جہاں نکاح، طلاق، خرید و فروخت رہن اور اجارہ سے متعلق فیصلے ہوتے، اور ساتھ ہی حدود و قصاص نافذ کئے جاتے، میراث، وقف اور یتیموں کے مال کی حفاظت کی جاتی تھی۔ دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں طب، علم فلکیات، ہندسہ وغیرہ شامل تھے

طبیب، نجومی اور مہندس حضرات اپنے تمام معلومات دینی درسگاہوں سے حاصل کرتے۔ اس طرح وہ لوگ ان علوم میں مہارت رکھتے ہوئے دیندار خدا پرست ہوتے۔

علاوہ ازیں خلیفہ وقت یا امیر سلطنت یا والی ملک وہ بھی دوران حکومت اپنے گرد و پیش علماء اسلام کا ایک گروہ اپنے قریب رکھتا، تا عینوں کی ایک جماعت ہوتی یہی لوگ تمام پیش آنے والے ہر حرکت و سکون کا اصل مصدر اور سرچشمہ ہوتے۔

اس دور کے جملہ اسلامی وسائل چاہے وہ حکمرانی سے متعلق ہوں یا قیادت سے لوگوں کے صحت اور علاج معالجہ سے ان تمام تر وسائل پر ان لوگوں کا تسلط ہوتا جو دینی درسگاہوں کے فارغ التحصیل ہوتے یہی حضرات

تمام اُمور کے مصدر و منشا ہوتے ہیں انہیں حضرات کے کاندھے پر تمام ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا اور عوام بھی ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

بدترین دور کا آغاز اس وقت ہوا جب مغربی کافر قوتوں نے یکجا ہو کر اسلامی ممالک کو حملوں کا نشانہ بنایا اور اس کے وجود کی اینٹ سے اینٹ بجادی تہذیب و تمدن اسلامی کو تہس نہس کر دیا یہ حملہ آور اس بات سے بخوبی واقف تھے ان ممالک میں اپنے قدم جمانے اور اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ عوام کو ان ملکوں میں دین سے مکمل طور پر جدا کر دیا جائے اور اس کے بدلے مغربی طرز فکر اور زندگی کو ان میں رائج کیا جائے۔ استعمار جو مغرب کا پیدا کردہ فرزند ہے وہ کہاں سے سیراب ہوگا؟ یہ بات یقینی طور پر مسلم ہے کہ استعمار کی پیاس قرآن و سنت سے نہیں مغرب سے بجھے گی۔ اس طرح وہ دین سے عوام کو جدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی مغربی صلیبی قوتوں کا مقصد آخر بھی یہی ہے۔ عیار اور مکار سامراج کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ دینی مدارس ایک دن یا دو دن میں بند کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور یہ بھی جان چکا تھا اُس کے افواج بھی ان ممالک میں زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتے یہاں کے باشندے ان کو برداشت نہیں کریں گے۔ مرض کو دیکھ کر سامراج نے علاج میں سوچ لیا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ وہ یہ کہ اسکول کھول دیئے جائیں اُس میں علم و ثقافت، صفائی نظم و ضبط خوبصورتی موجود ہو۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والوں کو فاتح صلیبی حاکم دولت و منصب سے نوازے گا۔

حاکم ہو یا انجینئر، ڈاکٹر ہو یا قاضی یا کمشنر وہی ہوں گے جو ان سامراجی

مدارس سے ڈگری حاصل کئے ہوئے ہوں انہی لوگوں کو مال اور منصب دیا جائیگا
ان استعماری درسگاہوں میں دین کا پتہ تک نہیں۔ جی ہاں درست ہے اس لئے کہ یہ مدارس دین کی بیخکنی کیلئے کھولے گئے تھے۔ ان درسگاہوں میں وطن کا بھی کوئی مقام نہیں وہ جسے اسلام نے ایک وسیع معنوں میں روشناس کرایا تھا یہاں اگر ہے تو وطن کا تصوّر، خود ساختہ سرحدوں، رنگ و نسل اور مقامی زبانوں میں محدود کر دیا۔ یہ وہ بدترین روش تھی جس کے باعث تمام اسلامی معاشرتی زندگی مغربی سانچوں میں ڈھلتی گئی ان میں اسلام کی بو بھی باقی نہ رہی۔ ہمارے ذرائع حیات نے مغربیت کو اپنانے کے بعد دین اور اہل دین سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اس مرحلہ میں داخل ہو گئی ہے کہ اس کا دامن دینی معلومات سے خالی ہو کر درجہ صفر تک پہنچ گیا ہے۔

جب عوام کے توجہات مبذول کرنے کے ذرائع، وسائل قیادت اور علاج وغیرہ جو ایک زمانہ میں دینی درسگاہوں کے سرپرستی میں پروان چڑھتے تھے وہ ان سے چھن چکے ہیں۔ اب وہ جو کچھ بھی ہے ان مدارس کے ہاتھوں میں ہے جنہیں مغربی سامراج نے اپنی اغراضِ بد کی تکمیل اور اسلام سے نبرد آزما ہونے کے لئے کھول رکھا ہے۔

جی ہاں ...... اللہ کی زمین پر کچھ مدارس ایسے رہ گئے تھے جنہوں نے مغربی استعمار کی حمایت سے انکار کر دیا تھا اور مسلمانوں میں کچھ لوگ ہی تھے جو ان درسگاہوں کو اہمیت دیتے تھے ظالم سامراج کو یہ چند مدارس کا وجود بھی گوارا نہ تھا اُس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا چنانچہ بعض ملکوں میں یہ درسگاہیں بند کر دی گئیں۔ جو مدرسے کھلے رہے ان میں طلباء حاضر تو ہوتے تھے مگر انہیں اسلامی طرز کے لباس پہن کر

آئے تھے عائد کر دی گئی خلاف ورزی کرنے والے بعض افراد کو پس دیوار زندان میں ڈال دیا گیا اور بعض کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔

ان اسلامی ملکوں میں جہاں وہ ان درسگاہوں کو بند نہ کر سکے انہیں نئی سڑک بنوانے کی اسکیم پاس کر کے اس بہانے منہدم کر دیا گیا۔ انہیں محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے دیا گیا۔

ان بدترین سازشوں کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن عناصر کی مدد سے استعمار نے ان درسگاہوں کی ساکھ ختم کرنے کے لئے گمراہ کن پروپیگنڈہ کی مہم شروع کی نتیجہ یہ ہوا یہ دینی مراکز کم سے کم ہوتے گئے صرف چند ادارے باقی رہے جسے اللہ نے اپنی حفاظت میں رکھا اور ان کا ایمان سے امتحان لیا گیا۔

دنیا میں اسلام کی تباہی کے لئے اس سے بڑھ کر سازش کیا ہو سکتی ہے؟

جی ہاں ۔۔۔۔ ! مکار مغرب اپنے مقاصد شوم میں کامیاب ہو گیا اسلامی علمی اداروں کو مغربی صلیبی درسگاہوں میں بدل دیا صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جملہ ذرائع توجیہہ اور وسائل ابلاغ عامہ کو مغربی رنگ میں رنگ دیا۔ اس طرح ظالم سامراج مسلمانوں سے حکمرانی چھیننے میں کامیاب ہو گیا یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ وہ مطلق العنان حکمرانی کر سکے اور اسلامی ممالک اس کے لئے لقمۂ تر بن جائیں۔

پہلی شق کے بارے میں ہم انہی الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ لکھنے کے لئے تو بہت کچھ باقی ہے۔

دوسری شق :-
دینوی (ہماری موجودہ زندگی) اعتبار سے مغربی ذرائع کے کیا نقصانات ہیں؟
اسلامی ذرائع لوگوں کی زندگی سدھارنے میں مغرب سے بہتر ہونے پر دلیل کیا ہے ؟

ان سوالات کے جواب کے لئے اور اس مطالب کو روشن کرنے کے لئے اس بحث کو تین جدا فصلوں میں تقسیم کرکے بیان کریں گے۔

دینوی لحاظ سے سعادت مندی کا تصوّر کیا ہے ؟

سعادت مندی ، فقر کے بدلے دولتمندی ، مرض کے بدلے صحت اور ذلالت کے بدلے شرافت میں ہے۔

یقیناً یہ بات صحیح ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا والے سو فیصد بھی چاہتے ہیں اور اس کے برعکس حالت ، دنیا کی شقاوت اور بدبختی ہے اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلا کہ بدبخت انسان وہ ہے جو فقیر ہو ، مریض ہو ، رذیل ہو۔

کسی بھی معاشرہ کی ترقی اور انحطاط کا معیار نئے آلات اور مصنوعات کی ایجاد نہیں ہے ترقی یافتہ معاشرہ اُسے کہیں گے جہاں صحت ، دولت اور سلامتی ہو اگرچہ وہ نئی ایجادات نہ رکھتے ہوں وہ معاشرہ جہاں فقر ، مرض ، انحراف کا شکار ہو اگرچہ وہاں آلات و مصنوعات ایجاد بھی ہو وہ بدبخت ہے۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی دو آنکھوں کے بدلے ایک بجلی کے پنکھے کو پسند کرے ؟ انتہائی بھوک کے دوران ایک لقمہ کے بدلے موٹر گاڑی کو ترجیح دے ؟

بھوکا شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کھانا نہ ملے تو وہ مر جائے گا اگرچہ اس کے پاس ہزار گاڑیاں ہوں۔

ہم میں کون ایسا ہے جو چھوٹے سے مکان میں اطمینان اور سکون کی

زندگی کے عوض دس منزلہ عمارت میں لفٹ کے ذریعہ جا کر قیام کرے بے چینی اور اضطرابی کیفیت میں وقت گزارنے کو ترجیح دے؟ یقیناً انسان سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہنا زیادہ پسند کرے گا

سعادت مندی، خوش بختی کے معیار کا پتہ چل گیا:-

دولت ، صحت ، شرافت

اب آیئے دونوں نظاموں کا تقابلی مطالعہ کرکے یہ جائزہ لیتے ہیں انسان کی خوش بختی اور سعادت مندی کے لئے کون سب سے بہتر ہے ان میں سے کون خوش بختی دلانے کا ضامن ہے اور کون ہلاکت اور بدبختی کا باعث ہے۔

پہلی فصل

دولت مندی اور فقر

مغربی ذرائع دولت بخش ہیں یا اسلامی وسائل؟

یہ وہ سوال ہیں جس کا جواب دینا ضروری ہے تاکہ مطلب واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ انسانی معاشرہ کے لئے کونسا نظام بہتر ہے۔

یہ جاننے سے پہلے ہمیں دولت مندی اور فقر و تنگدستی کے حقیقی اسباب جاننا ضروری ہیں۔

وسائل دولت:-

(۱) تجارت، شکار، غوطہ خوری، درخت، معدنیات وغیرہ نکال کر کسب دولت کیا جا سکتا ہے۔

(۲) صنعت۔

(۳) زراعت۔

(۴) آبادکاری، تعمیرات

(۵) صحیح مالی نظام

یہ بنیادی کام ہیں جن سے افزائش دولت ممکن ہے ان ذرائع سے معمولی انحراف تنگدستی کا سبب ہے۔

وسائل فقر اور تنگدستی:۔

(۱) سود۔

(۲) ذخیرہ اندوزی

(۳) تسلط پسندی

ان اہم افزائش دولت کے ذرائع کے بارے میں مغرب کا طریقہ کار کیا رہا اور اسلام کیا موقف رکھتا ہے؟

تجارت

کاروباری دنیا میں اسلام نے اعتدال پسندی کے رویہ کو اپنایا ہے نہ حق تلفی ہونے دی اور نہ فساد کا راستہ چھوڑا یہی وہ راز ہے یہی وہ اعتدال پسندی ہے جس کی وجہ سے اسلامی طرز تجارت کو فروغ رہا اور ہر سو دولت، بے نیازی اور تونگری کا دور دورہ رہا۔

مغربی طرز تجارت میں حق تلفی سر فہرست ہے دوسری جانب فساد کی راہیں کھولتا ہے جس کی وجہ سے تمام امور معیشت کا ستیاناس ہو کر رہ گیا ہے یہی دنیا میں فقر اور تنگدستی بڑھنے کا واحد سبب ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے:۔

(۱) مغرب کا رائج کردہ طریقہ تجارت کو تباہ کر دیتا ہے:۔

(الف) لائسنس:۔ تجارت کے لئے اس نظام نے اجازت نامہ ضروری قرار دیا۔ درآمد برآمد کے لئے لائسنس یہ خود تجارت کی دنیا میں مغرب کی ایجاد کردہ لعنت ہے جس کا حصول جوئے شیر لانے کے برابر ہے جس کے سبب بے پناہ قومی طاقت کا ضیاع ہوتا ہے۔

(ب) ٹیکس

(ج) چوکی اور کسٹم

ان بکواس اور خرافات کی وجہ سے بہت سی چیزوں کی تجارت ہو ہی نہیں پاتی۔ کتنے ایسے سود مند نفع بخش کام ہیں جو ان سامراجی فرضی خود ساختہ قوانین کی نذر ہو جاتے ہیں وہ کام جو انجام پانا چاہیئے تھا ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔

بطور مثال:۔

اگر تجارت سے پابندیاں اٹھا کر آزاد کر دی جائے تو بطور مثال اگر دس قسم کی تجارت وجود میں آجائے اور ہر تجارت پر سو دینار کا فائدہ ہوتا ہے اس کے بہ نسبت موجودہ سامراجی طریقہ پر رکاوٹوں کے ساتھ صرف پانچ کاروبار ہو پاتے ہیں ہر ایک تجارت پر ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی ادا کرنے پر اسّی دینار فی کاروبار خرچ ہوتا ہے اس طرح کاروبار انجام دینے سے موجودہ رکاوٹوں کی وجہ سے کاروباری لین سے متعلق لوگوں کو چھ سو دینار یومیہ کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے۔

اس سرمایہ کا کیا ہوگا جو لوگوں کے پاس بطور ذخیرہ رہ جاتا ہے اور وہ اُسے کاروبار میں نہیں لگاتے؟

جو عوام سے کسٹم ڈیوٹی یا مالیاتی ٹیکس کی طرح جمع ہونے والی رقوم سے معاشرہ پر ہی خرچ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دولت اور ٹیکس کی رقوم دونوں معاشرہ میں موجود ہیں اس میں کیا حرج ہے اگر وہ کاروبار نہ کریں اور مجموعی طور پر سرمایہ پر مالیات لگا دی جائے۔

مثلاً چھ سو دینار کے برابر مال موجود ہے اب اس میں کیا فرق کہ یہ اس تاجر کے پاس ہے یا اُس تاجر کے پاس ہے بالکل اسی طرح اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ٹیکس حکومت کی جیب میں ہو اور وہ عوام کی بھلائی کے لئے خرچ کرے یا یہ کسی تاجر کی جیب میں چلا جائے اور بھلائی پر خرچ کرے۔

جواب:۔

جب کاروبار برباد ہو جائے تو چھ سو دینار کے برابر مال کا وجود کہاں ہوگا؟ ہاں مال ہوگا مگر خام شکل میں یہ اس وقت کارآمد ہوگا جب وہ اشیاء کی شکل اختیار کرے یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اشیاء کو استعمال کرتے ہوں جب ہم یہ کہتے ہیں تجارت برباد ہو چکی ہے تو اشیاء کا استعمال کیسے ممکن ہے نتیجہ یہ نکلا کہ مال کا معادل موجود ہی نہیں ہے اسی کو خسارہ کہتے ہیں۔ تاجر کی جیب میں جب رقم ہو تو وہ عوامی فلاحی کاموں پر خرچ ہو سکتی ہے مگر جب سامراجی انداز پر تمام وسائل روزگار پر چونگی، ٹیکس اور ڈیوٹی لگا کر تجارت کے دائرہ

کو تنگ کر دیا جائے تو یقیناً وہ دولت جو قومی فلاح وبہبود پر خرچ ہونا تھی وہ ان بکواس امور پر خرچ ہو کر ضائع ہو جاتی ہے۔

مثلاً :۔ اگر یہ جملہ رکاوٹیں نہ ہوں اور تجارت آزاد ہو تو تاجر وہی بیس دینار جو حکومت اس سے لے لیتی ہے دوبارہ کاروبار میں لگاتا ہے جس سے مقامی باشندوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس کے برعکس یہی بیس دینار تاجر ان رکاوٹوں کو دور کرنے پر خرچ کرتا ہے تو یقیناً یہ ایک قومی خسارہ ہے۔

یہ مغربی سامراج نظام تجارت کا ایک نیا رُخ ہے جس سے کاروبار تباہ ہو کر رہ گیا ہے مگر اسلام ان خرافات سے پاک ہے۔

مغربی طرز تجارت کا فسادی پہلو۔

نوع انسانی کو ضرر رساں تمام کاروبار مغرب کے نزدیک جائز ہے۔ جیسے شراب، سور، جوئے کے آلات اور دیگر نقصان دہ چیزوں کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

یہ بالکل عیاں ہے اس قسم کے کاروبار سے تجارت کو دُگنا نقصان ہے۔

(۱) اس لئے کہ وہ مال جو ان ضرر رساں اشیاء کی خریداری میں خرچ ہوا ضائع ہو گیا اور اُس کے ساتھ جسمانی اور معاشرتی ضرر اس پر اضافہ ہے۔ گزشتہ مثال ہی کو لے لیجئے چار سو دینار کی بچت ہے چنانچہ صارفین نے سو دینار ان ضرر رساں اشیاء کی خریداری پر خرچ کر دیئے اس رقم سے حاصل کردہ نقصان کو رفع کرنے کے لئے پچاس دینار خرچ کرنا پڑے۔ اسی طرح ہزار کا (تین) تہائی حصہ برباد

برباد ہو جاتا ہے اس مثال کے بعد اس مقام پر اسلامی آزاد تجارت اور مغربی تباہ کن اور فاسد تجارت کے درمیان فرق کا خلاصہ سامنے آجاتا ہے۔

کاروبار ایک ہے اسلام کے طرز تجارت سے تاجر کو ایک ہزار دینار فائدہ ہوتا ہے اور مغربی طرز تجارت سے تاجر کو ڈھائی سو دینار کا نفع ہوتا ہے یہ ایک تخمینی حساب ہے ورنہ ہوسکتا ہے حساب میں نفع اور نقصان کا رجحان کچھ زیادہ ہو ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم بحث کو خارجی مثال سے سمجھائیں۔

بہر کیف آپ یہ بتلائیے آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا۔ ان بیانات کی روشنی میں آیا اسلامی طرز تجارت زیادہ مفید ہے یا مغربی طرز تجارت۔

جواب:۔ گزشتہ بیانات سے مطلب آشکار ہے۔

مغربی طرز تجارت کی بہ نسبت اسلامی طریقہ تجارت نفع کے اعتبار سے چار گنا بڑھا ہوا ہے۔

یہی کچھ مندرجہ ذیل اشیاء کی تجارت میں کچھ درستگی کے بعد پایا جاتا ہے۔

(۱) شکار:۔ چاہے وہ پرندہ ہو یا مچھلی یا بری جانور

(۲) کان سے معدنیات نکالنا:۔ تیل، روغن، نمک، سونا، چاندی وغیرہ۔

(۳) غوط خوری، (۵)

(۴) جنگل سے لکڑیاں کاٹنا۔

ان تمام کاروبار میں اسلام میانہ روی اختیار کرتا ہے نہ اس میں

بُردباری ہے اور نہ فسادان تمام کاموں میں نہ کوئی حدبندی ہے اور نہ کوئی ٹیکس نہ کوئی لائسنس۔ اور اس کے ساتھ جو معاشرہ کو نقصان دے منع کر دیا گیا جیسے ضرر رساں مچھلیوں کا شکار ممنوع قرار دیتا ہے مگر مغربی تجارت ضرر رساں اشیاء کی خرید و فروخت کی کھلی اجازت دیتا ہے اور دوسری طرف مفید کاروبار کے راستہ میں کانٹے بچھاتا ہے۔

مغربی سامراجی طرز تجارت کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو مہمان کے لئے تھوڑا کھانا سامنے اس طرح رکھے کہ آدھا ٹھیک ہو اور آدھا خراب ہو نتیجہ یہ ہو اچھی غذا سے پیٹ نہ بھرے اور خراب غذا سے وہ محفوظ نہ رہے۔

صنعت :۔

اس میدان میں بھی مغربی دنیا نے وہی کچھ کام انجام دیا ہے جو اس نے تجارت کے سلسلہ میں انجام دیا مگر صنعت کے میدان میں اسلام نے وہی اعتدال پسندی کی پالیسی جو تجارت میں اختیار کی تھی اپنائی ہے۔

اسلام :۔ ہر قسم کی صنعت کاری کی ہر ایک ملکی باشندے کو اجازت دیتا ہے، آزادی ہی آزادی ہے اس میں کوئی قید، شرط، ٹیکس اور ڈیوٹی نہیں ہے جبکہ مغرب کے نزدیک تمام صنعتیں محدود ہیں اور خاص دائرہ میں اجازت ہے۔ اسلام مطلق نوع انسانی کو نقصان پہنچانے والی صنعت کو ممنوع قرار دیتا ہے چاہے وہ شراب سازی کی صنعت ہو یا تباہ کن بم بنانے کی، مکروہات کی افزائش کی صنعت ہو یا فضا کو آلودہ کرنے والی گیس بنانے کا کارخانہ ہو، یہ تمام اسلام کے

نزدیک حرام ہے مگر مغربی دنیا میں ان تمام ضرر رساں امور کو صنعت کا مقام حاصل ہے۔

درحقیقت اس اندھیری نگری میں صنعت ایک ایسے آدمی کی طرح ہے جس کے دو ہاتھ ہوں مگر ایک ہاتھ بڑا اور ایک ہاتھ چھوٹا ہو، ایک ہاتھ معمول کے مطابق ہو دوسرا معمول کا نصف ہو آپ خود ملاحظہ کیجئے مغربی دنیا میں شراب سازی کا کارخانہ، روٹی فراہم کرنے کے بیکری کے پہلو بنا ہے اور دونوں فیکٹریوں پر ٹیکس لاگو ہے۔

اسلامی نظام میں صرف روٹی کے کارخانے کو تمام تر آزادی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت ہے۔

مقام بحث :۔ یہ ہے کہ شراب سازی کا کارخانہ دوہرے فقر کا موجب ہے جس کا تذکرہ ہم ناجائز کاروبار کے سلسلہ میں عرض کر چکے۔

روٹی کی صنعت پر جملہ پابندیاں ضرر رساں ہیں اسلام صنعت کاروں کو ایک ہزار دینار روٹی کی صنعت پر خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے جو دولت اور تونگری کا باعث ہے۔

مغربی دنیا میں جب صنعت کار کو اجازت ملتی ہے تو وہ ہزار دینار میں سے پانچ سو دینار فیکٹری پر خرچ کرتا ہے اور سو دینار لائسنس کے حصول اور ٹیکس وغیرہ کے سلسلہ میں دے دیتا ہے اور ڈیڑھ سو دینار شراب کے سبب پیدا ہونے والے امراض اور نقصانات کی تلافی پر صرف کرتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسلامی طرز تجارت مغربی سامراجی کاروباری طریقہ سے منفعت کے لحاظ سے چار گنا زیادہ ہے۔

(۲) زراعت :-

کاشتکاری کے فروغ سے بہت فائدے ہیں۔

(ا) لوگوں کی صحت بہتر ہوجاتی ہے اس لئے کہ جب زمین کاشت ہو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے اس کا اثر بہت اچھا ہوتا ہے فضا آلودگی سے پاک ہوجاتی ہے لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں کو دیکھ کر انسان اپنے وجود پر اچھا اثر محسوس کرتا ہے وہ مختلف رنگا رنگ مناظر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کا دماغ خوشبوؤں سے معطر ہوجاتا ہے اور یہ سب صحت کے لیئے بے حد مفید ہیں۔

ان سبزہ زاروں سے امراض سے بچاؤ کے ساتھ علاج بھی اور صحت بھی ہے۔

(ب) کام میں اضافہ :-

زراعت کا پیشہ کامیاب ہو تو اُس کے سبب بہت سے دیگر کام وجود میں آتے ہیں۔ زراعت میں روزافزوں ترقی سے دیگر کاموں میں ترقی ہوتی ہے اس طرح ملک سے تمام نزاع اور جھگڑوں کی تخم کاری ختم ہوکر رہ جاتی ہے۔

(ج) تجارت اور سرمایہ میں اضافہ

(د) دودھ، گوشت، انڈے اور اون وغیرہ بکثرت ملتا ہے۔

حیوانوں کی زندگی کا دارومدار زراعت پر ہے جب ہر طرف زمین زیر کاشت ہو اس علاقہ میں جانوروں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ دین اسلام نے اپنی حکیمانہ پالیسی سے زراعت کے پیشے کے بارے میں خصوصی طور پر ہدایات دی ہیں اور لوگوں کو رغبت دلائی

ہے ملکیت کا معیار صرف زمین کو آباد کرنا قرار دیا۔ ارشاد ہے۔
(من احییٰ ارضاً میتۃ فھی لہ) جو کسی بنجر زمین کو آباد کرے وہ اس کی ہے۔

جی ہاں۔۔۔۔ اگر زمین مسلمانوں کی ملکیت میں شامل ہو اس طرح کہ یہ علاقہ جملہ شرائط کے ساتھ مسلمانوں کی لشکر کشی سے ہاتھ آیا ہو۔

اس صورت میں والی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس علاقہ سے خراج اور مقاسمہ وصول کرے اور یہ بہت تھوڑی رقم ہوتی ہے۔

اسلام نے ہر مقامی گورنر کو زراعت پر اہمیت دینے کی سفارش کی ہے جیسا کہ عہد نامہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے مالک اشتر کو جب مصر کا گورنر قرار دیا تو انہیں خصوصی طور پر زراعت کے بارے میں تاکید کی اور ساتھ ہی اسلام نے زراعت اور جانوروں پر بہت معمولی ٹیکس زکوٰۃ کے نام سے قرار دیا۔ جو صرف اونٹ، گائے اور بھیڑ پر ہے۔

سونا، چاندی پر بھی ہے مگر فی الحال ہم یہاں اس سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ کھجور، گندم، جو، کشمش پر بھی زکوٰۃ ہے۔

ہزار اونٹ پر بیس اونٹ، ہزار گائے پر پچیس گائے ہزار بھیڑ پر دس بھیڑ۔ سونا، چاندی میں ۱/۴ عشر کا چوتھائی عشر اور نصف عشر چہارگانہ میں زکوٰۃ ہے۔

ان تمام پر وجوب زکوٰۃ کے لئے چند شرائط ہیں لبسا اوقات کسی سبب سے پچاس فیصد معاف بھی ہو سکتا ہے۔

یہ فریضہ خمس کے علاوہ ہے خمس تو سال بھر کے اخراجات نکال لینے کے بعد جو بھی بچ جائے اس پر خمس ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

زراعت کے سلسلہ میں اسلام نے جس قدر ممکن تھا عوام کو آزادی دی ہے۔

زمین کا مالک وہ ہے جو کاشت کرے، اور جو ٹیکس اسلام نے لگایا ہے وہ کسان کے برداشت کے مطابق اور ساتھ ہی تجارت میں بھی آزادی دی ہے۔

جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ماضی کی طرف چلے جاتے ہیں اور صدر اسلام میں زراعت کی کیفیت پر نظر ڈالتے ہیں ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے اس وقت اسلامی ملکوں میں زمین کا کوئی ٹکڑا خالی نظر نہیں آتا تھا، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ عراق ہی کو لے لیجئے ابتدا اسلامی دور میں کثرت زراعت اور کاشت کاری کی بنا پر اسے سواد عراق کے نام سے پکارا جاتا تھا زمین کی آبادی کا یہ عالم کہ بصرہ سے لے کر بغداد تک متصل تھا اگر بصرہ میں مرغ بانگ دے تو بغداد تک یہ خانگی مرغ ہم صدا ہو جاتے ہیں۔

مصر کو لیجئے:۔

مشہور مسیحی مورخ (جرجی زیدان) لکھتے ہیں۔

مصر کی زرعی حالت آغاز اسلام میں موجودہ دور کی نسبت کئی گنا زیادہ تھی جب کہ اس زمانہ میں کاشتکاروں کو جدید آلات میسر نہ تھے۔

مورخین لکھتے ہیں :-

صرف بصرہ میں ایک لاکھ بیس ہزار نہریں تھیں جس میں کشتیاں چلتی تھیں (تاریخ تمدن اسلام)

اس دانشمندانہ جدوجہد سے جو انھیں اسلام کے صلہ میں نصیب ہوئی اس کے سبب دیگر نعمتیں، دودھ وغیرہ

مرغیاں، انڈے وغیرہ بکثرت دستیاب تھیں۔

حکومت اسلامی کے دور میں یہ تمام روزمرہ کے ضروری اشیائ بکثرت سستے داموں بازار میں فروخت ہوتی تھیں۔

ان نعمتوں کے علاوہ کثرت زراعت کی بنا پر اور کثرت جانوروں کی وجہ سے ان کی صحت پہ بھی گہرا اثر تھا۔

یقیناً جس علاقہ میں سبزہ ہی سبزہ ہو وہاں کے مقامی لوگوں کی صحت بہتر ہوتی ہے۔

کثرتِ زراعت کی بناء پر کام میں اضافہ تھا جس کی وجہ سے ان علاقوں میں کوئی بے کار شخص نظر نہیں آتا تھا اس طرح معاشرہ سے بیکاری کی لعنت بھی ختم ہو چکی تھی۔

ان تاریخی تفصیلات کے مطالعہ کے بعد آیہ کریمہ کے مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ"(۱)

ترجمہ:- اگر یہ شہر والے ایمان اور تقویٰ کو اپنائیں تو ہم ان پر آسمان

(۱) ۹۶ اعراف ۷ -

اور زمین سے برکتوں (کا دروازہ) کھول دیتے۔ اس دور کے مسلمانوں کا اسلامی مقرر کردہ نظام پر گامزن ہونا ان کے ایمان پر دلیل ہے جس کے سبب آسمان اور زمین کی برکتیں انھیں حاصل ہوئیں۔

حقیقت میں آسمان اور زمین بندگان خدا کے لیے برکت کی کان ہے اگر انسان زمین کو آباد کرے اور آسمان سے برسنے والے پانی کو جمع کرے اور سورج کی شعاعوں کو قابل استفادہ بنایا جائے تو یہ سب باعث برکت ہیں۔

ذرا غور تو کیجیے آسمان سے پانی اس لیے برستا ہے تاکہ زمین سیراب ہو مگر انسانوں کی غفلت سے کروڑوں کیوسک پانی سمندروں میں چلا جاتا ہے اور زمین بنجر رہ جاتی ہے سورج کی شعاعیں، نسیم سحر کے جھونکے ہماری وجہ سے ضایع ہو جاتے ہیں۔ جب ہم قدرتی وسائل سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا تو نتیجہ میں ہماری دنیا کو فقر و فاقہ، قحط و بلاء کا شکار ہونا پڑا اور انسان ان بلاؤں کی زد میں آگیا۔

یہ واضح ہے :۔ زراعت اور پالتو جانوروں کے فروغ سے اگرچہ ٹیکس ان پر بہت کم ہے مگر جب فروغ زراعت اور اشیاءِ دیگر کی وجہ سے حکومت کے خزانہ میں محصولات کی رقم مقدار میں بہت زیادہ ہو تو عوام کا بھی فائدہ ہے اور حکومت کا بھی۔ یہاں ایک ضمیمہ پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے:

زندگی کے لیے اسلام کے اس پیش کردہ پروگرام کے ساتھ کچھ اور امور جو اسلام نے پیش کیے ہیں یکجا ذکر کیا جائے تو بات اور واضح ہوگی وہ امور جسے اسلام نے مذکورہ باتوں کے علاوہ بتلایا مسئلہ شادی، نسل بڑھانے کی اسکیم: جیسا کہ ارشاد ہے: "وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ"[1]

ترجمہ :۔ اور ان سے نکاح کرو جو تم میں سے مرد بے عورت اور عورت

---

[1] ۳۲۔ النور (۲۴)

بے مرد کی ہوں اور اپنی صالح غلاموں اور کنیزوں کی بھی اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ اُنھیں غنی کر دیگا اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا واقف کار ہے۔

تَنَاكَحُوا وَتَنَاسَلُوا فَانِّي اُبَاهِي بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ:

ترجمہ: "شادی کر و نسل بڑھاؤ میں قیامت کے دن دوسرے امتوں پر تم سے اگرچہ سقط شدہ بچہ کیوں نہ ہو فخر کروں گا۔"

اَلنِّكَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي:

ترجمہ: "نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے منھ موڑے وہ مجھ سے نہیں۔"

اگر ہم اسلامی اصولوں پر عمل کریں گے تو یقیناً ایک اچھا نتیجہ حاصل کریں گے لوگ حیرت سے انگشت بہ دنداں ہو جائیں گے۔ جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھیے زمین زیر کاشت ہوگی۔ عوام پر نظر ڈالیے سب کام کاج میں مشغول نظر آئیں گے۔ تجارت، صنعت و حرفت میں روز افزوں ترقی پائیں گے۔ انسان کو اس کی زندگی کا بہتر نتیجہ اور اس کے کیے کا پھل مل جائے گا۔ اُس کو وہ تمام آسائش زندگی بآسانی میسّر آئے گی جو تمدن اسلامی کے آغاز میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں اسلامی تمدن کو جو ترقی نصیب ہوئی آسائش و دولت کی فراوانی کے ساتھ آبادی میں حد سے زیادہ اضافہ ہوا اس کی یہی وجہ تھی انھوں نے حقیقی معنوں میں اسلامی اصولوں کو اپنایا۔ اس زمانہ میں اسلامی شہر آباد ہوئے اور پھر بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑے ہو گئے کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے

کوفہ: کے شہر کی مثال لے لیجئے اسلامی دور میں اس کی بنیاد پڑی رفتہ رفتہ اس کی آبادی بڑھتے بڑھتے کئی ملین ہو گئی

بغداد: اسلامی دور میں وجود میں آیا۔ یہ شہر بھی آبادی کے اعتبار سے

اضافہ ہوتے ہوئے کئی ملین نفوس پر مشتمل ہوگیا۔ آپ کا کیا خیال ہے ایسے ایک شہر کے بارے میں جہاں لوگوں کے نہانے کے لیے پینسٹھ ہزار حمام ہوں اور عبادت انجام دینے کے لیے تین لاکھ مسجدیں ہوں جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے۔

سامراء : اسلامی دور میں اس کی بنیاد رکھی گئی پھر یہ شہر بڑھتے ہوئے کئی ملین نفوس تک پہنچ گیا۔

شہر واسط : اسلامی دور تمدن میں اس کی نیو پڑی بعد میں بڑے شہروں میں گنا جانے لگا۔ کہتے ہیں وہاں آٹھ ہزار سڑکیں تھیں۔

شہر فسطاط : اسلامی دور حکومت میں اس کی بنیادیں استوار ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے یہ شہر بھی بڑا ہوتا گیا۔ اس شہر میں نمازیوں کے لیے پینتس ہزار مسجدیں تھیں۔ اسی طرح دوسرے شہروں کا حال تھا۔

اسلام کے روشن اصولوں پر چلنے سے مسلمانوں کا تمدن تھوڑے ہی عرصہ میں بام عروج پر پہنچ گیا اور لوگ ان کی ترقی کو دیکھ کر انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ جب افرادی قوت اور کام زیادہ ہوں تو ہر سو امن کا پرچم بلند ہو جاتا ہے اور عوام خوشگوار زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اس طرح تعجب خیز نتائج سامنے آجاتے ہیں جیسا کہ صدر اسلام میں ایسا ہی ہوا ہے۔

مگر مغربی سامراجی نظام کا حال اس کے بالکل برعکس ہے زمین کا مالک، حکومت یا کوئی شخص بھی زمین میں تصرف کا حق اس وقت تک نہیں رکھتا جب تک خریدی نہ جائے اور زمین کی خریداری حکومت سے ہو۔ اسی طرح انسانی قوت اور صلاحیت کا بیشتر حصّہ حکومت کے دفتروں کے طواف کرنے میں گذر جاتا ہے۔ آنے جانے رشوت دینے، دلالوں سے ساز باز کرنے کورٹ اور وکیلوں کے چکّر میں وقت صرف ہو جاتا ہے۔ چلیئے زمین کی خریداری عمل میں آئی، کیا

آپ آزاد ہیں ؟ ۔ نہیں جناب کاشت کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت ہے اور یہ اجازت نامہ (پرمٹ) اُس وقت تک میسر نہ ہوگا جب تک کسان کا سانس گلے تک نہ پہنچے ۔ جی ہاں ، پرمٹ کے ملنے کے بعد پانی کے لیے دوڑ شروع ہوجاتی ہے چونکہ محکمہ زراعت کی اجازت کے بغیر نہر سے پانی لے نہیں سکتے چنانچہ اس دفتر سے دوسرے دفتر میں گھومنا پڑتا ہے ۔ کوئی شخص اس بات پر یقین نہیں کریگا بغیر پرمٹ کے پانی زمین کو دینے پر کسان کو جیل اور جرمانہ دونوں سزائیں دیجاتی ہیں ۔ اگر انسان ان تمام ہلاکت خیز حالات سے نکل کر زراعت کرنے میں کامیاب ہوجائے اُس کے فوراً بعد حکومت کی جانب سے پابندیاں اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتا ہے ۔ حاصل شدہ فصل کو فروخت کرنے کے لیے اجازت ، کھیت سے حاصل شدہ فصل اُٹھانے کے لیے اجازت ، جس شہر میں فروخت کے لیے لے جائے اُس کے لیے اجازت ، اور شہر میں جس مارکٹ میں فروخت کریگا وہاں کیلئے خصوصی پرمٹ حاصل کرنا اور ان تمام مراحل سے گذرنے کے لیے ٹیکس بھرنا اور شروط وقیود کی پابندی کرنا ۔ ان تمام خودساختہ مصائب وآلام کے بعد سامراجی نظام کا یہ فرسودہ جملہ رونے والے غمزدہ انسان کو بھی ہنسا دیتا ہے :۔

"قانون اصلاح زراعت" اس جملہ کے معنی کیا ہیں ؟

اصلاح وفروغِ زراعت نہیں ، فساد اور بربادی زراعت ہے جس کے سبب لوگوں میں بغض وعناد کا اضافہ ہوتا ہے ۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ سر سے پیر تک گناہوں میں ڈوبا ہوا مغرب ان فرسودہ قوانین کو بناتا ہے اور ہمارے اسلامی ممالک آنکھ بند کرکے ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں ۔

صرف زراعت کے میدان میں نہیں بلکہ دیگر مغرب کے بنائے ہوئے قوانین اتباع کرتے ہیں ۔ اور دوسری طرف الٰہی قانون اسلام کو پس پشت ڈالتے ہیں ۔

اسلام کہتا ہے : زمین کا مالک خدا ہے جو اس کو آباد کرے وہی مالک ہوگا اس قانون کی وجہ سے صدر اسلام میں آبادکاری کا کام برق رفتاری سے انجام پاتا تھا ہر طرف بنجر زمینیں آباد تھیں ۔

نئی زرعی اصلاح کا اعلان یہ ہے :۔ زیر کاشت جملہ اراضی کسان اور مالک کے درمیان تقسیم کی جائے اس پالیسی سے زمین آباد تو نہ ہو سکی بلکہ آباد زمین بٹ کر رہ گئی ـــ کیا گاڑی یہاں پہنچکر رک جاتی ہے ؟ ـــ نہیں ایسا نہیں ـــ کون ایسا ہے جو اپنی اراضی سے دستبردار ہو جائے ؟ ـــ نہیں کوئی ایسا نہیں بلکہ وہ مقابلہ پر تل جاتا ہے جس کے نتائج مندرجہ ذیل صورتوں میں سامنے آجاتے ہیں :۔

(۱) اس تنازعہ سے نمٹنے کے لیے ایک نئے دفتر کا وجود :۔

ایک نئے دفتر کے کھل جانے سے درد کا درماں نہیں بلکہ ایک نئی مصیبت کا سامنا ہے جیسا کہ بیان گذر چکا ہے یہ تمام دفاتر عوام میں خوف وہراس پیدا کرنے کے لیے اُن کی فطری قوتوں اور صلاحیتوں کو برباد کرنے کے لیے تشکیل دیے گیے ہیں ۔ یہ ادارے اپنی زلیست کے لیے لوگوں کے وقت اور دولت کو لوٹتے ہیں ۔ اور اپنی زندگی بڑھانے کے لیے عوام کا خون چوستے ہیں اور عوام کی حالت یہ کہ روز بہ روز نقصان برداشت کرتے ہیں

(۲) مالک اور کسان کا جھگڑا :۔

اس جھگڑے سے ان کے درمیاں سے جو قدیم رشتہ چلا آرہا تھا ٹوٹ جاتا ہے اور آپس میں پھوٹ اور دشمنی کی دیوار درمیان میں حائل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عوام کے آلام اور مصائب میں کمی نہیں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

(۳) زراعت میں کمی :۔

بیان شدہ دو وجوہات کی بناء پر زراعت میں کمی واقعی ہو جاتی ہے چونکہ کسان

کا کافی وقت باہمی تنازعہ پر خرچ ہو جاتا ہے جھگڑے کے سبب بغض و عناد کی فضا قائم ہو جاتی ہے جس کے باعث ہاری (کسان) ان وسائل زراعت سے محروم رہ جاتا ہے جو زمیندار فراہم کرتا ہے (کھاد، بیج، ٹریکٹر وغیرہ)۔ اس طرح زیر کاشت زمین زراعت سے محروم رہ کر بنجر بن جاتی نتیجہ میں ایک بحران سے گزرنا پڑتا ہے۔

مغربی سامراج کا یہ نظام زمین کے جس خطہ پر نافذ ہوا بالکل ناکامیاب رہا اس علاقہ میں اجناس کی پیداوار کی قلت کی وجہ سے دیگر غذائی وسائل، جانور، پرندوں اور انڈوں میں کمی واقع ہوئی معیشت اسقدر گر گئی کہ وہ ممالک جو اس قانون کے نفاذ سے قبل غذا میں خودکفیل ہونے کے ساتھ دوسرے ملکوں کو برآمد کرتے تھے خود ان کے یہاں پھلوں، جانوروں اور بیج کی اس قدر کمی ہوگئی کہ وہ اس بحران سے نمٹنے کے لیے دوسرے ملکوں سے درآمد کرنے لگے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ انسان جسے خدا نے پیدا کیا اپنے رب کے قوانین کو چھوڑ کر جو باعث خیر و برکت ہے کافروں کے بنائے ہوئے نظام کو اپناتا ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جی ہاں ارشاد الٰہی ہے:

"وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"[1]

(اور لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے کیے کے سبب اپنی گرفت میں لے لیا)

اب رہ جاتی ہے یہ گفتگو کہ اس سامراجی کافر نظام نے زندگی کے دیگر شعبوں میں کیا گل کھلائے ہیں؟

عائلی ازدواجی نظام کو لیجیے:۔

شادی کرنا ایک مصیبت ہے۔ اس نظام کے تحت کئی شروط و ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب تک اسلامی ممالک الٰہی نظام کو چھوڑ کر کفار کے خود ساختہ نظام اور عادات کے گرویدہ بن جائیں تو مسلم معاشرہ

[1] پ ۹ الاعراف ۹۶

کی ازدواجی حالت پست سے پست تر ہوتی جائے گی۔ اگر ہمارے یہاں شادی بیاہ
کے طریقے اس سامراجی قانون کے تحت جاری رہے تو وہ دن دور نہیں ہے کہ ہم بھی
اہل فرانس کی طرح ہو جائیں گے وہاں ہزار افراد میں چھ شخص شادی شدہ ہیں۔

نسل:۔

"روئے زمین پر بنی آدم کو قدرت نے اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسرے
انسان کو جنم دے۔" مغربی نظام نے اس پر بھی اپنی کاری ضرب لگائی ہے
اس کے برخلاف اس قدر اس نے پروپیگنڈہ کیا ہے اب اگر کوئی اپنی نسل کو
بڑھانا چاہے تو اُسے کہا جاتا ہے کیا تو پاگل ہے؟ زیادہ بچوں سے کیا فائدہ
(بچے کم خوشحال گھرانہ) کیا تو بے وقوف ہے؟ تیرے لڑکے اور لڑکیوں کی کون
پرورش کرے گا؟ کیا تجھے اپنی بیوی پر رحم نہیں آتا؟ ـــــ تمہیں یہ معلوم نہیں بچے
زیادہ ہوں تو والدین کو کس قدر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے ایک
بیٹا اور ایک بیٹی کافی ہے۔ تم ضبط تولید والوں کی ایجاد کردہ (ربر) استعمال کیوں
نہیں کرتے؟ ـــــ اے عورت تو مانع حمل گولیاں استعمال کر، اسپتال چلی جا وہاں
انجکشن لگوالے (یا آپریشن کروا) کوشش کرو تم دونوں اپنی زندگی کو تاریک نہ بناؤ"
یہ وہ نعرے اور الفاظ ہیں جو مغربیت سے متاثر لوگ یا سامراجی ایجنٹ
مسلمانوں کی نسل کی بربادی اور تباہی کے لیے کہتے پھرتے ہیں۔ ان تمام سیاہ کاریوں
سے مغرب اپنی حیلہ گری کے ترکش سے آخری تیر انسانیت کے سینے کی طرف روانہ کرتا
ہے اس سلسلہ میں آفریقہ اور ایشیا کے ان علاقوں کو ہدف بنایا گیا جہاں مسلمانوں
کی بستی ہے ـــــ ان سے یہ کہتے ہیں:" ہم فرض کرتے ہیں کہ پیدائش کے
روز افزوں رجحان کو سختی سے کچل دیں یہ سب کس لیے؟"
کیا اللہ کی زمین آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے تنگ ہے؟ کیا خصوصیت

سے مسلمانوں کے لیے جو تعدادِ ازدواج کے قائل ہیں زمین میں گنجائش نہیں ہے ؟

تعجب کی بات تو یہ ہے ان افواہوں اور بکواس باتوں کی ترجمانی کرنے والے بعض لوگ مسلمان ہیں۔ اللہ ! اللہ ! کس قدر سوچ کا انداز بدل گیا ہے ؟ کس قدر مغربی سامراج نے فکری طور پر اپنا تسلط جما لیا ہے ؟ ان مسلمانوں کو کیا ہو گیا؟ یہ لوگ اپنے دیرینہ دشمن خوں خوار صلیبی کافر کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں ؟

ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کے بتلائے ہوئے اصولوں سے صریح مخالف ہونے کے باوجود غیروں کی پیروی کرتے ہیں۔

(۴) تعمیرات :

آباد کاری کا نظام جو مغرب نے پیش کیا ہے وہ صریحاً اسلامی نظامِ آبادکاری کے بالکل منافی ہے۔ اسلام آبادکاری اور تعمیرات کو پسند کرتا ہے اور ہر قسم کے قید و مشروط سے بالکل آزاد ہے۔ قانون مغرب نے سینکڑوں قیود و شروط ایسے لگائے کہ انسان مجبور ہو کر رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے تعمیرات کا سلسلہ دب کر رہ جاتا ہے۔

دوسری طرف اسلام معاشرہ میں فساد کے باعث عمارتوں کی تعمیر پر سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ اور مغربی قانون ایسے موجبِ فساد مقامات کی تعمیر و ترقی میں مدد کرتا ہے اور ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آپ دریافت کر سکتے ہیں ایسا کیونکر ہوتا ہے ؟ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اسلام زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اللہ ہر اسی شخص کو بخش دیتا ہے جو اُسے آباد کرے۔ اسلام ہر شخص کو اپنے مال اور نفس پر کامل خود مختاری دیتا ہے۔ زمین اسلام کی نظر میں آزاد ہے۔

تمام انسان چاہے جس رنگ کا ہو، جو بھی اس کی بولی ہو، جس قسم کے جثہ کا مالک ہو آبادکاری کے سلسلہ میں وہ آزاد ہے جہاں چاہے جس طرح چاہے آباد کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ آباد کرنے والا کالا ہو یا گورا، آریائی

نسل کا ہو یا سامی نسل کا، عربی ہو یا عجمی، بلند مرتبہ ہو یا پست درجہ والا، زمین عراق میں ہو یا حجاز میں، مضافات شہر ہو یا دور، گھر ہو یا دکان ... وغیرہ وغیرہ ۔ حکومت کو حق نہیں ہے کہ وہ اس کے معاملات میں دخل دے ۔

جی ہاں :۔ اگر آباد کار فقیر ہو تو بیت المال کی طرف وہ رجوع کرے جس کے بارے میں تفصیل اگلے صفحات پر پڑھیں گے ۔ یہ سب اس لیے کہ وہ تنگدست ہے اس کی خاطر خواہ مدد ہو جائے اس سے معاوضہ میں کوئی اجرت اس لیے طلب نہیں کی جائے گی کہ وہ تنگدست فقیر ہے ۔ یہ تو تعمیری پہلو تھا ... کچھ گوشے اسلامی نظام کے اور رہ جاتے ہیں :۔

اسلام ہر قسم کے رھن، اجارہ، خرید و فروخت، ہبہ، عطیہ، خیرات و صدقات، وقف اور آباد کاری وغیرہ کو مباح قرار دیتا ہے یہ مزید ایک آزادی ہے ۔ اس میں بڑا فرق ہے ۔ ایک شخص مکان بنائے اور اس میں تصرف کا مکمل اختیار ہو دوسرا شخص مکان تعمیر کرے مگر اُسے کچھ تصرف کا حق نہ ہو ۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ اسلامی نظام میں مکان، زمین، دکان اور حمام وغیرہ پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے ۔ یہ اس سلسلہ میں تیسری آزادی ہے ۔ کوئی شخص مکان بنائے اور اُسے یہ معلوم ہو کہ اس پر مستقبل میں ٹیکس عاید ہوگا دوسرے حالت میں مکان بنائے اور اُسے معلوم ہو اس نظام کے تحت مستقبل میں کوئی ٹیکس نہیں لگے گا ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے ۔

یہ تو اسلامی نظام میں تعمیرات کی آزادی کا پہلو تھا اب آیئے دیکھتے ہیں وہ پہلو جہاں اسلام فساد سے روکتا ہے :۔

اسلام ان عمارات کی تعمیر سے روکتا ہے جو معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہیں جیسے رقص گاہیں، تھیٹر وغیرہ ۔ بالکل اسی طرح شراب سازی کی صنعت یا اور

مضر مواد کی تیاری کے لیے کرایہ پر دینا حرام قرار دیا ہے۔

مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر بطور اختصار پیش کیا گیا۔

اب ہم "مغربی قانون تعمیرات" جو اسلامی ممالک میں رائج ہیں اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:۔

آزادی تعمیرات کے سلسلہ میں جو تین طریقے بتلائے گئے وہ اس سامراجی قانون میں بالکل برعکس ہیں جس نے تعمیرات کو روند کر رکھ دیا۔ اس نظام کے تحت تعمیرات کے سلسلہ میں انسان بے بس قرار دیا گیا ہے۔ مکان بنانے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو مقامی وطنی باشندہ ہو (وطن کا مفہوم بھی وہ ہے جو مغرب کی مخصوص کردہ سرحدوں کے اندر ہو) اگر کوئی شخص باہر سے آئے اُسے اجازت نہیں ملتی۔

مثال:۔ عراق میں غیر عراقی کو حق تعمیر نہیں وہ کوئی مکان نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح ایران میں کسی غیر ایرانی کو گھر بنانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد رہ جاتی ہے زمین وہ تو حکومت کی ملکیت ہے بغیر خریدے اس پر کچھ تعمیر نہیں کر سکتا ہے۔ علاوہ برایں یہ قید ہے کہ وہی نقشہ ہوگا جس کی اجازت حکومت دے۔ انسان کے ارادے اور خوشی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جب کوئی تعمیر کرنا چاہے حکومت رکاوٹ بن جاتی ہے اس جگہ بنا سکتے ہو فلاں جگہ نہیں۔ اس نقشہ پر نہیں بن سکتا یوں بنانا چاہو تو بنا سکتے ہو۔ اس مقام پر حمام بنا سکتے ہو گھر نہیں بنا سکتے۔

کیا بات یہاں تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے؟

نہیں جناب ایسا نہیں۔ ان تمام بندشوں اور رکاوٹوں سے گزر کر اگر تعمیر کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتا۔ مکان بنانے والے کو ضروری ہے بلدیہ سے

اجازت لے (نقشہ پاس کرائے) یہ اجازت اُس وقت ملے گی جب آپ تعمیری ٹیکس ادا کریں اس سے بڑھ کر تعجب خیز بات یہ ہے کہ اگر آپ گھر بننے کے بعد کچھ ردو بدل کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے جب تک دفتر بلدیہ سے اجازت نہ ہو اور جو کچھ ادائیگی باقی ہو ادا نہ کریں اور اگر مکان میں کچھ اضافہ ہوگیا ہو اور آپ اسے ختم کرنا چاہتے ہوں تو اس کے لیے بھی بلدیہ کی طرف اجازت کے لیے جانا ہوگا۔ وہاں اس اجازت کے حصول کے لیے معینہ رقم جمع کرانی ہوگی ۔

آزاد تعمیرات کو روکنے کے لیے مغرب نے مندرجہ ذیل دس قیود لگائے :

۱۔ زمین کی خریداری ضرور ہے زمین گورنمنٹ سے خریدی جائے ۔

۲۔ حکومت کی جانب سے متعین شدہ اراضی خریدی جاسکتی ہے خود بنانے والے کو ذاتی اختیارات نہیں ہیں ۔

۳۔ مخصوص افراد ہی خرید سکتے ہیں یعنی خاص نیشنلٹی (قومیت) رکھنے والے خرید سکتے ہیں ۔

۴۔ عمارت مخصوص ہو یعنی دکان حمام یا گھر

۵۔ کیفیت عمارت : عمارت کا نقشہ وہی ہوگا جس کی حکومت اجازت دے۔

۶۔ تعمیر شروع کرنے کے لیے اجازت ضروری ہے ۔

۷۔ تعمیرات کے لیے گورنمنٹ جو رقم معین کرے وہ ادا کرے ۔

۸۔ گھر میں کمی بیشی کرنا ہو تو اجازت ضروری ہے آپ مرضی سے مکان میں کچھ تصرف نہیں کرسکتے ۔

۹۔ مکان میں ترمیم کرنے کے لیے فیس ادا کی جائے ۔

۱۰۔ اگر مکان منہدم کرنا چاہتے ہوں تو اجازت نامہ چاہیئے اور اس کی فیس ادا کرنی ہوگی۔

ایسے دیگر شرطوں کا اضافہ کرتے جائیے چلئے آپ نے مذکورہ قیود کو پورا کیا تب بھی آپ نہیں چھوٹتے بلکہ خام مال جو مکان میں لگے گا سریا، اینٹ، سیمنٹ، چونا اور لکڑی وغیرہ ان سب کے حصول کے لیئے ٹیکس کی ادائیگی کسٹم کے لوازمات کو پورا کرنا پرمٹ کی وصول یابی یہ تمام شرائط اور قیود وہ ہیں جس نے ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کو روکا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں اگر آپ مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں ان تمام شروط وقیود کے مشکلات جو تعمیر اور امور تعمیرات کے سلسلہ میں رونما ہوتے رہے گذر گئے ان مراحل کو طے کر لیا۔ ہوسکتا ہے آپ مکان بنانے میں کامیاب ہو جائیں مگر اسوقت مکان کی ولیو (قیمت بازار) اسی فیصد گر چکی ہوگی۔

یہ سب صرف پہلی شق کے بارے میں بیان ہوا جس میں ہم نے بتلایا تھا کہ مغرب نے تعمیرات پر کیا قیود و شروط لگائے ہیں۔ اب دوسری شق پر نظر ڈالتے ہیں کہ اسلام نے تعمیر مکان کے سلسلہ میں تمام تر معاملات پر مالک کو مختار بنایا ہے یہ سراسر مغربی سامراجی نظام تعمیرات کے برخلاف ہے اس نے تو تمام معاملات پر مندرجہ ذیل شرائط اور قیود کے پہرے بٹھا دیے ہیں:۔

(۱) فروخت کنندہ کون ہے؟

(۲) خریدار کون ہے؟

(۳) سیلز ٹیکس (فروخت پر ٹیکس۔

(۴) سیلز کرنے کے قیود۔

(۵) فروخت کی نوعیت کا تعین (مشروط بیع مغربی قانون میں جائز نہیں)

(۶) تخصص قیمت: مبلغ معین کردہ میں فروخت کرنی ہوگی اگرچہ کم قیمت پر فروخت کرنے میں مصلحت ہے تب بھی بایع فروخت نہیں کرسکتا۔ حکومت جو مکان رہنے کے لیے دے وہ اس کو فروخت نہیں کرسکتا جیسے گورنمنٹ ملازمین کے کواٹر وغیرہ۔

(۸) اس کام کے لیے ایک خاص دفتر میں رجوع کرنا جو حکومت کی جانب سے معین کردہ ہو۔

(۹) وقت مخصوص میں :۔ جب آفیس ٹائم ہو

(۱۰) فروخت کی مقدار :۔ یہ بھی طے شدہ ہے وہ ایک کمرہ فروخت نہیں کرسکتا۔

یہ سب قانون اسلام کے برخلاف ہے۔ اس مقدس قانون میں ہر شخص کو اختیار حاصل ہے (وہ خرید سکتا ہے اور فروخت کرسکتا ہے۔ یہاں فروخت کرنے پر کوئی (سیل ٹیکس) نہیں ہے۔ یہاں کوئی شرط اور قید نہیں ہے۔ یہاں لیئر کرنے کی پابندی نہیں ہے بیع کی قسم کچھ بھی ہو، قیمت کچھ سہی، جو بھی شئی فرخت کرنا چاہے جس جگہ فروخت کرے اُسے آزادی ہے۔ اسی طرح اسلام کا رویہ دیگر معاملات اجارہ، رہن وغیرہ میں بھی یہی ہے۔

اب آیئے تیسری شق پر ایک نظر ڈالیں وہ ہے عمارات اور تعمیر پر مغرب کا نافذ کردہ ٹیکس۔

سامراجی نظام میں ہر گھر، دکان، حمام، کارخانہ، سٹور تجارت گاہ پر ٹیکس ہے۔ ان کے مالکان پر لازم ہے کہ وہ سالانہ واجب الاداء رقم سرکار کے خزانہ میں جمع کرائیں اسلامی نظام تعمیرات کے سلسلہ میں انسان کو مکمل آزادی دیتا ہے ہر قسم کی عمارت پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے۔ آپ خود اندازہ لگایئے اس مغربی قانون کی اندھی تقلید سے ہم کن پستیوں میں گر گئے اس نظام نے انسانی آبادکاری میں کس قدر روڑے اٹکائے (اس قدر رکاوٹیں ڈالدیں کہ انسانوں میں لاکھوں افراد سر چھپانے کے لیے ایک مکان کے مالک نہیں ہیں)

ان حقائق سے ہم پر یہ عقدہ کھل گیا کہ ماضی میں اسلامی شہر اتنے عظیم سے عظیم تر کیونکر تھے۔ ان کی عظمت کے بارے میں تاریخ میں پڑھ کر انسان حیرت زدہ

رہ جاتا ہے۔ شہر کی ابتداء چند مکانوں سے شروع ہوتی تھی پھر دس مکانوں سے بڑھ کر سو اور سو سے ہزار مکان میں آبادی تبدیل ہو جاتی تھی اس طرح شہر آباد ہونے کے بعد دوسرا شہر بڑھنے لگتا تھا اسلامی تمدن و ترقی کے سلسلہ میں باب زراعت میں ذکر کر دیا ہے پھر آپ سوچیے اور غور کیجئے ان جملہ قیود و شروط کا فائدہ کیا ہے ؟ ہم کیوں اس پستی کی جانب چلے گئے ؟

جواب صرف یہ ہے کہ مغرب کی اندھی تقلید، مغربی اور مشرقی نظام کے اپنانے سے یہ انجام ہوا ہے تعجب کا مقام یہ ہے کہ گھر کی چیز چھوڑ کر پرائے کی چیز پر نظر جمانے کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے کہ ہم دوسروں کے سامنے کاسہ گدائی لیکر جائیں آپ خود سوچیے تعمیرات اور آبادکاری کے سلسلہ میں اسلام نے جو آزادی دی تو کیا ماضی میں کوئی نقصان ہوا اور مغرب کے قیود و شروط لگانے سے کونسا فائدہ ہوا۔ اس نے جس طرح دیگر آزادیوں کو چھینا تھا تعمیرات کے میدان میں بھی آزادی سلب کر کے انسان کو پابند سلاسل کر دیا۔ انجام کار کیا فائدہ ہوا ؟
یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں اسلام کامیاب اور مغرب خسارے میں رہا۔

اسلامی اور مغربی قانونِ تعمیرات کا موازنہ کرنے کے بعد اب ہم ان باعث فساد عمارتوں کی تعمیر کے سلسلہ میں دونوں کا نظریہ دیکھنا چاہتے ہیں :

ہر باعث فساد شئی مفسد ہے چاہے یہ نقصان جسم پر ہو یا عقل و شعور پر اسلام کسی بھی قسم کے فساد کو پسند نہیں کرتا اور ”اللہ مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں فرماتا۔ ہو سکتا ہے اس فاسد کام سے ظاہری طور پر تفریح حاصل ہو یا مقصد فن کا مظاہرہ کر کے حیرتناک منظر پیش کیا گیا ہو۔ سب کچھ درست ہے مگر مفسد عناصر انسانی زندگی کے جادّے کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ وقتی لذت، معمولی

خوشی اور ایک نگاہ شہوت کی خاطر عقل زندگی کی شاہراہ کو برباد کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے یہ سمجھ کی بات ہے ایک ڈاکٹر مریض کو اس کی دل پسند غذا سے روکتا ہے اُسے پرہیز کرنے کی تاکید کرتا ہے اس کا مقصد بُرے انجام سے بچانا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جعلی نوٹ، چک یا سکہ بنائے حکومت سخت سزاء دیتی ہے حالانکہ بنانے والے نے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس شخص کا کمال ہے جو جعلی لکیریں اور خطوط ایجاد کرے ایک خوبصورت اور باعثِ حیرت فن کے مظاہرہ کے باوجود جعلی نوٹ بنانے کو عقلاء فن قرار نہیں دیتے اس لیے کہ یہ عمل موجب فساد ہے۔

دوسری مثال اگر کوئی کسی باغ میں گھس جائے اور بغیر اجازت وہاں چیزیں اٹھالے پھل توڑلے (پھولوں کے گلدستہ بنالے) ایسے شخص کو عرف عام میں مذمت کی جاتی ہے حالانکہ اٹھانے والے کے لیے مسرت بھی ہے اور لذت بھی مگر اس عمل کو ہر شخص بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام موجب فساد جملہ اسباب کو حرام قرار دیتا ہے۔ مخرب اخلاق، سینما، تھیٹر، بازار حسن، شراب، جوا ٹیلیویژن (بُرے پروگراموں کے ساتھ) گانے، بے پردگی اور مخلوط سوئمنگ پول یہ سب کے سب اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔ اگرچہ ان میں فن کا مظاہرہ، تفریح طبع اور خیالی آزادی موجود ہے مگر انجام کار فتنہ اور فساد ہے اس لیے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

رقص گاہ، تھیٹر کی تعمیر، شراب سازی یا حرام کاری کے لیے عمارت کا کرایہ پر دینا شریعت اسلام میں حرام ہے۔ حرام کا فتویٰ بغیر سوچے سمجھے حماقت کے ساتھ صادر نہیں کیا بلکہ اس فتویٰ کی اساس ٹھوس عقلی اور نقلی (قران وحدیث) دلیلوں پر ہے۔

فتنہ وفساد: ہر وہ عمل جو وجود انسانی کے لیے نقصان اور خطرہ کا باعث ہو فتنہ اور فساد ہے۔

اسلام کا مقصد انسان کی سر بلندی ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان روئے زمین پر ایک باعزت زندگی بسر کرے چلتے وقت سر بلند کر کے چلے جسمانی لحاظ سے صحتمند ہو۔ جب ہم ان دونوں پہلوؤں کو یکجا کریں:۔

تعمیرات کے بارے میں اسلام کا ایجابی اور منفی پہلو پھر ان دونوں کو سامنے رکھ کر مغربی قانون تعمیرات و ترقی سے موازنہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسلام کے ایجابی پہلو کو منفی سے اور منفی پہلو کو ایجابی (مثبت) پہلو میں بدل دیتا ہے۔ اسی طرح قانونِ اسلام کی ترقی پسندی اور مغرب کی پستی کا احساس ہوتا ہے۔ اسلام کے زیر سایہ شہروں میں مفید سود مند تعمیرات میں اضافہ ہوتا ہے جب ہر طرف آبادی اضافہ ہو تو ہر سو زندگی ہی زندگی نظر آنے لگتی ہے۔

اس کے برعکس جہاں مغربی قانون نافذ ہے وہاں شہر دم بریدہ اور آفت زدہ بن کر رہ گیا ہے۔ دم بریدہ (ناقص) اس لیے کہ تعمیرات پر قیود و ضوابط کی بھرمار نے آبادی کی ترقی کو روک دیا ہے۔ آفت زدہ (بیمار) اس لیے کہ فتنہ و فساد کے اسباب کی فراہمی ہے ہر طرف جوئے خانوں، شراب خانوں، بازارِ حُسن، تھیٹر، اجتماعی تیراکی کے حوض (سوئمنگ پول) محافل رقص و سرور موجود ہیں۔ ان عمارتوں کا وجود جسے مغربی نظام تحفظ بھی دیتا ہے یقیناً معاشرہ کے لیے ایک آفت اور چھوت کی بیماری ہے۔

آپ فیصلہ کیجئے دونوں نظام ہائے حیات کا مطالعہ کرنے کے بعد سوچئے کونسا نظام بنی نوع انسان کے لیے با مصلحت و فائدہ بخش ہے اور نقصان کے اعتبار سے کم ہے۔

صحیح مالی انتظام:۔ تعمیرات، کاشتکاری اور صنعت و حرفت کا نظام صحیح طور پر چلنے کے بعد مالیاتی شعبہ باقی رہ جاتا ہے جس سے معاشرہ کی فلاح و

بہبودی کے کام انجام دینے کے ساتھ فقر اور تنگدستی ختم ہو جاتی ہے

مالی نظام سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس سے معاشرہ میں موجودہ تنگدستی اور فلاکت ختم ہو جائے اس سلسلہ میں مغربی نظام اور اسلام دونوں نے کوشش کی ہے دیکھنا یہ ہے کہ کونسا طریقہ بہتر ہے ۔ مغرب کی نظر میں بھی مال کا خرچ فلاح و بہبودی کے لئے فقراء اور مساکین کی احتیاج کو دور کرنے کے لیے اس کا طریقہ کار یہ ہے :

(۱) ٹیکس (۲) معذور افراد کے لیے پناہ گاہ (۳) پنشن (۴) عام رفاہی امداد ۔ سڑکیں، ہسپتال، فوج وغیرہ ...

اسلام کے نزدیک مالی نظام :۔

(۱) ٹیکس (۲) بیت المال (تمام رفاہی کاموں کے لیے)

ہم ایک تفصیلی جائزہ لے کر دیکھتے ہیں دونوں میں کونسا بہتر ہے ۔

ٹیکس :۔ مغربی نظام کا ٹیکس ہزار منہ اور ہزار پیر والی سمندری بلا سے کم نہیں جس کے پھیلائے ہوئے جال میں پانی میں مچھلیاں، فضا میں پرندے شکار ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ مردہ ہو یا زندہ، پتھر ہو یا نباتات کوئی اُس کی زد سے نہ بچ سکے اور لطف یہ کہ مسلسل اپنے وجود میں غبارہ کی طرح ہوا بھرتا جا رہا ہے اور روز بہ روز اس کا جثہ پھولتا جا رہا ہے اس کے لیے معاون ہے جنون پر مبنی قانون، حکام کی لالچ اور نظام کی جہالت ۔

جب ہم بغور جائزہ لیتے ہیں تو یہ ایک پہلو سامنے آجاتا ہے دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں جن پر ٹیکس عاید ہوتا ہے زراعت، تعمیرات اور صنعت و حرفت وغیرہ اس نظام کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتے ہیں ۔ یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مغربی نظام کے سایہ تلے لوگوں کی کیا درگت بنتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ :۔ (الف) کم کماؤ (ب) زیادہ ادا کرو ۔

تعمیرات کے لیے اجازت، زراعت کے لیے اجازت، صنعت کے لیے اجازت اجازت بھی کون سی اجازت جس کا حصول جوئے شیر نکالنے سے بھی مشکل جس کے لیے محنت کرتے ہوئے انسان کا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے تمام دولت اور ثروت کے ذرائع محدود ہو جاتے ہیں۔

دوسری جانب :۔ بچہ پیدا ہو ٹیکس، انسان کی پوری زندگی پر ٹیکس جو نیشنلٹی (قومیت) کے اعتبار سے عاید ہوتا ہے ۔ بھیڑوں پر ٹیکس، گائے پر ٹیکس، اونٹ پر ٹیکس، پھلوں پر ٹیکس، چاول پر ٹیکس، پانی پر ٹیکس، گھر پر ٹیکس، کوئی مر جائے تو دفن پر ٹیکس، جنازہ اٹھا کرلے جاتے کا ٹیکس، اس پر ٹیکس اُس پر ٹیکس یہاں تک کہ چاروں عناصر پانی، ہوا، مٹی اور آگ پر ٹیکس اور کبھی تو ایک شخص پر بیک وقت کئی ٹیکس جمع ہو جاتے ہیں۔ کبھی یہ ٹیکس انسانی کوششوں کا خون چوس کر رکھ دیتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے تاکہ سرکاری ملازمین کی جیبیں بھر دی جائیں جن کا فی الوقت کوئی کام نہیں سوائے اس کے کہ وہ عوام کو اپنے شکنجوں میں کسیں ان کے خون سے ہولی کھیلیں۔ ان کی عزّت آبرو کو لوٹیں اور ان کو اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

قطر :۔ آبادی کے لحاظ سے ساٹھ لاکھ پر مشتمل ہے۔ وزارت دفاع اور فوج کو چھوڑ کر دیگر سرکاری ملازمین کی تعداد ڈھائی لاکھ ہیں ۔ ان پر سالانہ خرچ پانچ کروڑ پچاس لاکھ دینار ہے۔ یہ اعداد و شمار محکمہ دفاع کو چھوڑ کر لکھا گیا ہے۔ ابھی ہم نے ان کو شمار نہیں کیا جو سرکاری ملازمین کے مانند ہیں جیسے ڈاکٹر، وکیل وغیرہ

آئے دن اخبارات میں ان ملکوں کے قرضوں کے بارے میں خبریں شایع ہوتی رہتی ہیں ان ممالک نے اجنبی ملکوں سے کس قدر قرض وصول کیا، یہ قرض حقیقت میں استعماری حربہ ہے بلکہ ایسا شہد ہے جس میں زہر گھولا ہوا ہے۔

ہندوستان قرضہ لیتا ہے، پاکستان قرضہ حاصل کرتا ہے، عراق قرضہ لیتا ہے، مصر قرضہ لیتا ہے۔ سوریا قرضہ لیتا ہے، اُردن قرضہ لیتا ہے، سعودی قرضہ لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہرکیف یہ مغربی سامراجی ٹیکس کا نظام تھا آپ اس کا اسلامی ٹیکس سے موازنہ کیجیے جہاں ایک مخصوص مقدار ہمیشہ لازمی قرار دی گئی ہے۔ مخصوص اشیاء کے علاوہ کبھی بھی کسی اور چیز پر ٹیکس عاید نہیں ہوتا۔ خمس ہے سات چیزوں پر زکواۃ ہے نو چیزوں پر۔ خراج، تقسیم زمین جو تمام مسلمانوں کی یکساں ملکیت ہے اور جزیہ اہل کتاب پر زکواۃ کے بدلے واجب ہے چونکہ اسلام ان کی حفاظت کا ضامن ہے

اسلامی سرکار میں ملازمین کے بارے میں کچھ (والی) اور قاضی کے باب میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اسلامی نظام میں وہ علاقہ جو ساٹھ لاکھ آبادی پر مشتمل ہو دو ہزار سے زیادہ ملازمین کی ضرورت نہ ہوگی یہ بھی اس نئے دور میں چونکہ نت نئی ایجادات کی بناء پر اس کو استعمال کرنے والوں کی بھی کثرت سے ضرورت پڑتی ہے ورنہ ماضی کے دور میں ساٹھ لاکھ آبادی کے لیے صرف پانچسو افراد کافی تھے جن کی تنخواہیں ہوتی تو تھیں مگر آج کے ملازمین کی تنخواہوں کی طرح نہ تھیں موجودہ دور کی تنخواہوں نے ملک کے خزانہ کی کمر توڑ رکھی ہے بلکہ اُس زمانہ میں سرکاری ملازمین اور عوام کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ ان کی زندگی میں تعیش پسندی نہ تھی اور ان پر زندگی اتنی سخت بھی نہ تھی یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کا نتیجہ تھا اسلام حکمرانوں کو حکم دیتا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے حالات کو معاشرہ میں موجودہ پست تر آدمی کے برابر رکھیں۔

حضرت علی (ع) فرماتے ہیں:

"۱۱۔ اقنع من نفسی بان یقال امیر المومنین ولا اشارکھم فی مکارہ الدھر او اکون اسوۃ لھم فی جشوبۃ العیش۔"

ترجمہ :۔ کیا میں اتنا کہنے پر کفایت کروں کہ لوگ مجھے امیرالمومنین کہیں اور میں ان کے زمانہ کی سختیوں اور زندگی کے تلخیوں میں ان کا شریک نہ بنوں

اسلامی ٹیکس کا نظام اسلامی حکومت کے دوران ایسا ہی رہا جب سے رسول کریم (ص) نے اپنے پاک ہاتھوں سے اس ٹیکس کی بنیاد رکھی اس وقت سے لیکر نصف صدی قبل مغرب کے ہاتھوں زوال پذیر ہونے تک یہی حال رہا تھا سوائے چند سیاہ دور کے علاوہ اسلامی ممالک میں اسلامی ٹیکس کا نظام یوں ہی چلتا رہا۔ باوجود ان سیاہ کاریوں کے عام لوگ اسلامی نظام پر چل رہے تھے۔ عام لوگوں کے چہرہ پر اسلام ہی کا غازہ ملا ہوا تھا مگر آج کیا ہے؟ سب کے سب مغربی رنگ میں رنگے گئے ہیں جو صریحاً کفر ہے۔ اب اگر ہم گذشتہ باتوں کا نچوڑ بتلائیں تو یہ ہے :۔۔۔ عوام کے لیے ثروتمندی کے راستے کھلے ہوئے تھے چونکہ تجارت اور زراعت پر کوئی پابندی نہ تھی اور جو ٹیکس تھا وہ مناسب اور قابل برداشت تھا۔ سرکاری ملازمین بہت کم تھے وہ ہزاروں میں نہیں سینکڑوں میں گنے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خزانے دولت سے بھرے رہتے تھے جنھیں عوام کی دیگر فلاح و بہبودی کے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا اور اگر فقیری تھی بھی تو برائے نام ۔۔۔ اب ہم مغربی نظام کے تحت دیکھتے ہیں :۔

عوامی دولت بہت کم ہوتی ہے اس لیے کہ دولت کے ذرائع پر قیود و شروط کے بند باندھے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے معیشت برباد ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں عوام کے ہاتھوں میں دولت نہیں آتی۔

ٹیکس ایک آگ ہے جو ہر خشک و تر کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ سرکاری ملازمین کی تعداد میں جنونی حد تک اضافہ ہو جاتا ہے جہاں کہ وہ لاکھوں کی تعداد میں شمار ہوتے ہیں۔

کی تعداد میں شمار ہوتے ہیں ۔ ملازمین کی کثرت کی بناء پر خزانہ پر بوجھ پڑا وہ ان لاتعداد ملازمین کی تنخواہیں پورا کرنے کے لیے عاجز ہے ۔ ان کی تنخواہوں کو پورا کرنے کے لیے اجنبی ملکوں سے استعماری قرضے یا غلامی کی زنجیروں کو حاصل کیا جاتا ہے ۔

معذور افراد کے لیے گھر :۔ اسلام میں معذور افراد کے لیے اس طرح کسی گھر کا وجود نہیں ہے یہ مغربی نظام کا پیدا کردہ ہے ۔ اس میں غلطی یہ ہے :۔

دار العجزہ : (بوڑھے یا معذور ہونے پر انھیں ایک گھر میں زندگی گذارنے کے لیے منتقل کر دیا جاتا ہے) اس عمارت کے اندر بسنے والے افراد ایک قسم کی اہانت اور ذلت محسوس کرتے ہیں وہ اپنے کو مہمان تصور کرتے ہیں ۔ کیا ہوگی اُس شخص کی حالت جو اپنے کو اس حالت میں دیکھے !! جی ہاں . . . اسلام ہر عاجز اور ناتوان فرد کے لیے بیت المال سے کچھ مقدار اس کی زندگی گذارنے کے لیے معین کرتا ہے وہ اپنے طور پر کسی قسم کی ذلت کا احساس نہیں کرتا بلکہ اپنے کو خوشبخت اور باعزت سمجھتا ہے چونکہ وہ اپنے خاندان، گھر والوں، ہمسایوں اور رشتہ داروں میں ہی وقت گذارتا ہے ۔ ذرا آپ سوچیے اگر خدا نخواستہ آپ پر ایسا وقت آجائے آپ بوڑھے ہو جائیں یا معذور ہو جائیں اور آپ کے خاندان والے مجبور ہو کر آپ کو دار الامان میں زندگی گذارنے کے لیے آنسو بہاتے لے کر چلے جائیں تو کیا حالت ہوگی ! اس کے برعکس اگر مسلمانوں کے بیت المال سے آپ کو ضروریات کے مطابق ماہانہ تیس دینار دے دیا جائے اور آپ اپنے گھر میں اپنے عزیزوں کے ساتھ اپنے ہمسایوں کے ساتھ زندگی گذاریں تو بہتر ہوگا ؟ آپ کی عزت، شرافت اور آبرو کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو بھی اطمینان اور سکون حاصل ہوگا ۔

جی ہاں :۔ اسلام کا حکیمانہ انداز فکر ہے اور وہ مغربی فرسودہ جاہلانہ نظام ہے ۔

پنشن :۔ سرکاری ملازم کچھ عرصہ تک خدمت گاری کرنے کے بعد جب نوکری سے برطرف ہو جاتا ہے تو اُسے کچھ عرصہ تک کچھ رقم ادا کی جاتی ہے۔ اُسے پنشن کہتے ہیں۔ یہ مغربی نظام کا ایک شوشہ ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے سراسر غلط ہے۔ اسلام میں کوئی پنشن نہیں ہے۔

غلطی کی وجہ :۔ ایک کاریگر ایک عرصہ تک خدمت انجام دیتا رہا اب وہ کام سے روک دیا گیا۔ اس کی چند قسمیں ہیں :

(الف) تندرست نوجوان جو کاہل ہونے کی وجہ سے کام کرنا نہیں چاہتا۔

(ب) تندرست نوجوان ہے جو صرف اتنا کام کرنا چاہتا ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو

(ج) بوڑھا ہے۔ کام کر نہیں سکتا۔ یومیہ اُسے ایک دینار چاہیے۔

(د) بوڑھا ہے مگر تھوڑا بہت کام کرسکتا ہے وہ روزآنہ ½ دینار کا کام کرسکتا ½ دینار اور اُسے چاہیئے

(ھ) بوڑھا۔ وہ کام کر نہیں سکتا اور وہ دولتمند ہے محتاج نہیں ہے۔

کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ حکومت آپ سے کہے کہ ¾ دینار ہر ایک کو ان میں سے ادا کیا جائے اور ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں آپ بہت نیک آدمی ہیں آپ اپنے ضمیر اور وجدان کو گواہ رکھ کر کام کرتے ہیں کیا آپ اس حکم پر عمل کریں گے؟ کیا آپ کا ضمیر اس کام سے مطمئن ہوگا ؟ — نہیں ! ہرگز ایسا نہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں :

(الف) میں بیان کردہ کام چور نوجوان کو پنشن دینا ایسا ہی ہے کہ ہم نے اس کی کام چوری میں مدد کی ہو۔ ہم اُسے کاہل اور سُست ہونے میں اور کمک کریں گے۔ اس شخص کو مالی امداد پہنچانا ایک تندرست باصلاحیت شخص کو معاشرہ

میں بے کار بنانا ہے۔

(ب) میں مذکورہ نوجوان کو مالی مدد کی ضرورت نہیں ہے اس نے کام کیا اس نے اجرت حاصل کی وہ محتاج تو نہیں ہے پھر میں کیونکر اُسے مزید کوئی مال دوں!

(ج) میں مذکورہ ضعیف شخص کو ۳/۴ دینار دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے اُسے ایک دینار پورا چاہیئے وہ ۱/۴ حصہ کے لیے بھوکا اور محتاج ہے رہے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ یہاں عقل اور ضمیر کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے جب مکمل ایک دینار کی ضرورت ہے تو اُسے پورا ایک دینار دینا چاہیئے۔

(د) اس ضعیف کو ۳/۴ دینار دینے کی وجہ نہیں ہے اس کی حاجت صرف ۱/۲ دینار ہے اُسے ایک چوتھائی دینار کا اضافہ سراسر ظلم ہے۔

(ہ) میں مذکور دولتمند ضعیف انسان کو ۳/۴ دینار یومیہ پنشن ادا کرنا ظلم ہے اس لیے کہ وہ غنی ہے محتاج نہیں ہے اپنے اخراجات پورے کر سکتا ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر اسلام میں کوئی ریٹائرمنٹ پر پنشن نہیں ہے اسلام میں پنشن کے بدلے ہر فقیر کو اس کے گھر میں اتنا دیا جائے گا جو اس کے ضروریات کو پورا کرے یہ فقیر اس لیے کہلائے گا کہ وہ کما نہیں سکتا اور نہ اُس کے پاس سال بھر کا خرچا جمع ہے اور بیت المال سے مدد ہر ایک کے لیے ہے چاہے اس نے حکومت کی خدمت کی ہو یا نہ کی ہو۔

حکومتوں کے خزانے عوام کی کاوشوں سے پر ہوتے ہیں۔ حکومت کی خدمت عوام کی خدمت ہے اور یہ کہ کہاں تک کسی کو مجبور کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے نوکر کو ریٹائرڈ کر کے اُسے پنشن دے جبکہ ملازمین کی قسمیں پانچ ہیں سب کو ایک نظر سے دیکھنا ضمیر اور منطق کے سراسر منافی ہے۔ پھر اس تنگدست کو جس نے گورنمنٹ کی خدمت نہیں کی کیوں محروم رکھا جاتا ہے اور اس دولتمند ملازم کو جو محتاج نہیں

ہے اُسے پنشن محض اس لیے دی جاتی ہے کہ اس نے خدمت کی ہے۔ انسان اگر حقیقی معنوں میں مغربی طرز حیات پر نظر ڈالے تو پورے کا پورا نظام غلط نظر آئے گا یہ نظام ان لوگوں کا خود ساختہ ہے جو کائنات اور زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے یہاں تک کہ ان امور کے بارے میں جو وہ اچھا سمجھتے ہیں حقیقت میں غلطی پر مبنی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام کہتا ہے:

ھر فقیر جو کمانے سے عاجز ہو اسے ضرورت کے مطابق مال دیا جائے چاہے اُس نے حکومت کی خدمت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس طرح ہم معاشرہ سے تنگدستی ختم کر سکتے ہیں دوسری طرف سے خزانہ پر بیجا خرچہ روک کر اس میں مال برقرار رکھیں گے (یعنی دولتمند کو حصول مال سے روک کر بیت المال میں اضافہ کیا جائے گا)

ریٹائرمنٹ اور پنشن کا نظام جو ہر فقیر کی سرپرستی سے گریز کرتا ہے (اور مزید براں یہ کہ حکومت خود فقیر کی کفالت بھی کرتی ہے) یہ ادارہ کہتا ہے کہ ہر اُس شخص کو چاہے وہ تونگر ہو اُس نے حکومت کی خدمت کی ہو کچھ مقدار مال اُسے دیا جائے اگر وہ محتاج ہو تو کچھ مقدار جو حکومت طے کرے وہ دے اگرچہ اس کو پورا نہ پڑے باقی دیگر حاجتمندوں کو نظر انداز کردو اس طرح مال کو بڑھایا جاتا ہے اور غیر مستحق کی مدد کی جاتی ہے جو کام کر سکتے ہیں دوسری جانب تنگدستی سوسائٹی میں جوں کی توں باقی رہتی ہے (ہاں حکومت کو اختیار ہے جسے اپنے کام کے لیے استعمال کرنے کی خاطر کچھ معاوضہ معین کردے اور وہ بھی اپنی بہتری دیکھ کر)

ان دونوں دستور حیات کا اسلامی اور مغربی نظام میں کونسا عقل اور ضمیر کے مطابق ہے ان دونوں میں کونسا نظام بہتر اور کامل ہے؟

مغربی انداز سے ان رفاہ عامہ پر مال خرچ کرنا یا اسلامی بیت المال کا نظام؟

موجودہ حالات کو دیکھتے ہی جب ہم اسلامی بیت المال کے نظام پر نظر ڈالتے

ہیں تو ہم بخوبی موازنہ کر سکتے ہیں۔ بیت المال کا نظام آج کل زمانہ میں وزارت مالیہ کے قائم مقام ہے یہ ادارہ اسلامی جملہ ٹیکسوں اور آمدنی وصول کرتا ہے اور حکومت اور افراد کی ضرورت پر خرچ کرتا ہے۔

بیت المال اور موجودہ مالیاتی نظام میں دو فرق ہیں۔ (۱) بیت المال مقامات فساد کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا بلکہ وہ ہر مفسد عناصر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہناتا ہے اس کے برعکس دور حاضر کے مالیاتی نظام میں مال کا وافر حصہ بے حیائی، عناصر فساد اور مفسدوں پر خرچ کرتا ہے۔ (۲) بیت المال کے نظام میں عوام کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کیا جاتا ہے جبکہ مالیاتی نظام میں معدود چند حاجتوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک فقیر ہے جو اپنی حاجت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک کنوارا ہے شادی کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک بیمار ہے اُسے علاج کے لیے رقم درکار ہے۔ یہ ایک آدمی ہے جو گھر بنانا چاہتا ہے۔ یہ ایک کاشت کار ہے اُسے بیج اور ٹریکٹر چاہیے۔ یہ ایک مسافر ہے واپسی وطن کے لیے خرچ درکار ہے۔ یہ ایک طالب علم ہے اُسے ٹیوشن کے لیے فیس چاہیے۔ یہ ایک ایسا شخص ہے جسے سفر درپیش ہے اور خرچ کے لیے رقم درکار ہے۔ یہ ایک محنت کش ہے اُسے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ یہ ایک سائنس داں ہے اُسے اپنے ایجاد کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے رقم درکار ہے۔ یہ... یہ... یہ۔

یہ بیت المال کا نظام جیسا کہ دنیا پر واضح ہو چکا ہے سب سے بہتر نظام ہے۔ یہ سو فی صد قرین منطق و ضمیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ بیچارہ مسافر کیا کرے گا؟ یہ کاشتکار بیج کی تلاش میں کہاں جائے گا؟ کوئی قرضہ دینے والا بھی تو نہیں ہے؟ یہ کنوارا جو شادی کرنا چاہتا ہے شادی کے اخراجات کہاں سے پورا کرے؟ اسی طرح اسلام نے بھوکوں کو کھانا کھلانے عام

لوگوں کی مہمان نوازی کی تاکید کی ہے۔ اسلامی حکومت کے گورنروں کو حضرت علیؑ کے دور خلافت میں حکم تھا کہ وہ فقراء کو کھانا کھلائیں چنانچہ بصرہ اور کوفہ میں موجود گورنر ایک دن میں دس ہزار یا پانچ ہزار افراد کو کھانا کھلاتے تھے۔ اگرچہ اس عمل کو فقر دور کرنے کا بنیادی سبب قرار نہیں دے سکتے پھر بھی ایک قسم کی فقراء کی مدد کہی جا سکتی ہے۔ اسلامی حکومت کے دوران کوئی شخص بھوکا نہ تھا کوئی شخص بھوکا سوتا نہ تھا۔ اور ابھی کچھ قابل ذکر باتیں ہیں مگر ہم مذکورہ بیان پر اکتفاء کرتے ہیں تاکہ کتاب اصل مقصد سے دور نہ ہو جائے اسلامی نظام کا مقرر کردہ نظام رائج ہو جائے تو معاشرہ میں ہر طرف تونگری نظر آئے گی کوئی فقیر نظر نہیں آئے گا یہی وہ بنیادی فرق ہے اسلامی نظام اور مغربی نظام میں یہی وجہ ہے جب لوگوں نے اسلامی نظام کو پس پشت ڈال دیا تو آج اُن کے شہر فقیروں اور محتاجوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ہم ان اُمور کا ذکر کرتے ہیں جن سے اسلام نے اعلان جنگ کیا ہے جو درحقیقت اقتصادی طور پر فقیری کا سبب ہے۔ فقر کے اسباب پہلی فصل میں جیسا کہ ذکر ہوا ہے تین ہیں:۔ (۱) سود (۲) ذخیرہ اندوزی (۳) تسلط پسندی

(۱) سود: یہ فقیروں کا خون چوستا ہے اور دولتمندوں کی جیب بھرتا ہے سود اسلام نے سختی سے حرام قرار دیا ہے۔ سب سے سخت آیت قرآن مجید میں تلاش کی جائے تو سود کے بارے میں نازل ہونے والی آیت ہے:

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ (۱)

"اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سنو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے تیار ہو جاؤ"

---

(۱) البقرہ ۲/ ۲۷۹

اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ! بتایئے تو صحیح اس سے بڑھ کر گھناؤنا جرم کیا ہو سکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر کچھ اور سوچ سکتے ہیں؟ بہر کیف سود کے سلسلہ میں بحث طویل ہے خود مغرب اپنے سود کی پالیسی سے پلٹ گیا ہے چنانچہ ان کے ماہرین اقتصادیات کے ایک گروہ نے کہا ہے "سود فساد ہے' اقتصادی نظام سے اس کا مٹانا فرض ہے۔" ہم سود کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ کس طرح وبال جان ہے۔ جب ہم سود پر قرض لینے والوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ دو قسم کے ہیں:۔

(۱) انتہائی مجبوری کے سبب قرض لیتا ہے چونکہ اس کا بیٹا بیمار ہے یا اُسے گھر کی ضرورت ہے تاکہ اُسے سردی اور گرمی سے محفوظ رکھے یا ایسی مشکل میں پھنس گیا ہے بغیر قرض لیے نکلنا مشکل ہے یہ سب لوگ اپنی مجبوریوں کے سبب بہتے ہوئے آنسوؤں اور غمزدہ دلوں کے ساتھ سود پر قرضہ وصول کرتے ہیں۔

آپ سے ہم دریافت کرتے ہیں آپ کا ضمیر اور وجدان کیا کہتا ہے؟ کیا ایسے افراد سے اصل رقم سے زائد وصول کرنا جائز ہے؟ ان سے سود وصول کرنا کیسا ہے؟

یہ بدترین استحصال ہے ایک ایسے وقت میں جب فقیر کو اشد ضرورت ہو، مالی امداد سے محروم رکھا جائے۔ ہم کیسے ان اُمور سے انکار کر سکتے ہیں جبکہ وقتی شہوت پورا کرنے کے لیے بعض سنگدل خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ہوں ایسے لوگوں سے یہ استحصال کوئی بڑی بات نہیں ہے یہ سب باتیں ضمیر اور وجدان کی ہیں

(۲) تجارت اور کسب کے لیے قرض لینا۔ یہ تین حالت سے خارج نہیں ہے۔

(۱) ایک شخص سو دینار (تقریباً دو ہزار روپے) سے تجارت شروع کرتا ہے یہ رقم اس نے بطور قرض لی ہے ایک سال مسلسل رات دن محنت و مشقت سے کام کرتا رہا بعد میں معلوم ہوا کہ کاروبار میں دو سو روپے کا خسارہ ہوا ہے سال بھر کے بعد

سرمایہ میں سے دوسو روپے (یعنی دس دینار) کم ہوگئے۔ آپ بتلایئے ایسے شخص سے جو خود گھاٹے میں ہے سو دینار سرمایہ پر دوسو روپے اضافہ ہم اُس سے طلب کریں۔ اس طرح وہ شخص جسمانی مشقت اور وقت کے خسارے کے ساتھ مالی نقصان بھی برداشت کرے (یہ کہاں کا انصاف ہے) اس شخص کی حالت ہل میں جوتے جانے والے بیل سے بھی بدتر ہوگی اس لیے کہ بیل کو اس کے کام کے صلہ میں چارہ تو مل جاتا ہے مگر اس انسان کو کام کے انجام میں چارہ ملنے کے بجائے اس پر اضافہ کچھ دینا بھی پڑ گیا ہے۔

(ب) قرض لیے ہوئے سو دینار (دوسو روپے) پر کوئی شخص کاروبار شروع کرتا ہے۔ نہایت محنت و مشقت سے کام کرتا ہے۔ اپنا پورا وقت دیتا ہے سال بھر وہ محنت کرتا ہے انجام کار سال کے آخر میں صرف اُس کا سرمایہ سو دینار ہی واپس ملتا ہے ایسی صورت میں آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے؟ ایسے شخص سے دوسو روپے (دس دینار) اضافہ لینا کیسا ہے؟ سال بھر اُس نے محنت کی وقت صرف کیا اب اُسے صرف سرمایہ پلٹ کر ملتا ہے۔ ایسے شخص سے دوسو روپے منافع لینا اس کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کی حالت بھی کھولو کے بیل سے بدتر ہے

(ج) کسی شخص نے کاروبار کیا اور فائدہ اُٹھایا۔ یہی ایک شخص ہے جسے کہا جا سکتا ہے کہ اُسے خود فائدہ ہوا ہے لہٰذا اس سے فائدہ وصول کیا جائے

ہم کہتے ہیں، اس صورت میں اسلام نے (مضاربت) کو نافذ فرمایا ہے۔ مال ایک شخص کا ہوگا دوسرا شخص انجام دے گا اور فائدہ جو ابتدا میں $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{4}$ جو بھی طے ہو دیا جائے گا۔ ورنہ مقدار معین کا مطلب کیا ہے؟ اگر دس روپے معین کر دیا جائے کہ قرض دینے والے کو دیا جائے گا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ فائدہ صرف دس روپے ہو پھر کام کرنے والے کاریگر کے پلہ میں کیا جائے گا؟

اس لیے پہلے سے طے کر لیا جائے کہ کس نسبت سے منافع تقسیم ہوگا۔ کبھی ہو سکتا ہے معین شدہ رقم فائدہ سے زیادہ ہو جیسے فائدہ صرف آٹھ ہوا ہے دینا دس ہے اس طرح قرض خواہ کے حصہ میں سوائے محنت اور مشقت کے اور کچھ بھی کام نہ آیا۔ کبھی ہو سکتا ہے فائدہ کا ایک جز ہو تو دس کی رقم معین کرنا انصاف نہیں ہے۔ اور بھی وجوہات ہیں جو ذکر کی جا سکتی ہیں مگر کتاب کے اصل مقصد سے خارج ہو جانے کے باعث ہم ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔

سود جہاں کہیں بھی پایا جائے چاہے وہ بینک کے نام پر ہو سود ہے جو انسانی ضمیر اور منطق کے سراسر خلاف ہے۔ فقیروں اور محتاجوں کو چھوڑ کر یہ مال امیروں کی جیب میں چلا جاتا ہے، اس لیے اسلام نے سختی سے حرام قرار دیا ہے اور اس پر کاربند رہنے والے کو سخت سزا سُنا دیا ہے۔

ذخیرہ اندوزی

ضمیر و منطق کے خلاف ہونے کے ساتھ اجتماعی تنگدستی پھیلانے میں ذخیرہ اندوزی سود کی ہم پلّہ ہے۔

روزی چند امور سے خالی نہیں ہے:

(۱) کوئی شئے معاشرہ کی ضرورت سے زیادہ ہے اس مرحلہ پر کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں ہے کیونکہ جب مانگ نہ ہو تو درآمد کی بھی ضرورت نہیں ہے یہاں کوئی بحث نہیں ہے۔

(۲) روزی عام لوگوں کی ضرورت کے برابر یا کم ہے۔ دونوں صورتوں میں ذخیرہ اندوزی، زیادہ قیمت طلب کرنے کے لیے انجام دینا انسانیت اور ضمیر کے سراسر خلاف ہے کونسا ضمیر اس بات کو گوارہ کرے گا کہ فقیر بھوک سے تڑپ

رہا ہو اور ساہوکار گندم بازار میں نہ ہونے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کر دے اور ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے۔ یہ وہی لوگ گوارا کر سکتے ہیں جو ایک طرف پچاس ملین ٹن مہلک مواد جمع کر کے ایک بم بناتے ہیں اور دوسری طرف امن و سلامتی کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ یہ مغربی کافر اور مشرقی مُلحد کا ضمیر ہے اسلام کا نہیں یہ بھی عام لوگوں کی تنگدستی کے اسباب میں سے ایک ہے۔ ذخیرہ اندازی کا مطلب قیمتوں میں اضافہ کرنا ہے اور قیمتوں میں اضافہ دولت کو ایک جگہ منجمد کرنا ہے اور فقیروں کی جیب میں کچھ مال ہو تو اُسے حاصل کرنا ہے۔

(۳) **تسلط پسندی:** یہ بھی معاشرہ کو فقر سے دوچار کرتا ہے۔ اس کے چند اطوار ہیں:۔

(۱) حکومت یا جس کی بات چلے اس کی جانب سے تسلط:

پانی، زمین، معدنیات اور دیگر زندہ پہلو جو سب کے سب استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ عوام میں کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرے۔ جبکہ زمین اللہ کی ہے پانی اللہ کا ہے معدنیات اور دیگر زندہ پہلو سب اشیا اُسی ذات کی عطا کی ہوئی ہیں یہاں تک کہ اسلام نے چراہ گاہوں میں گھاس جانوروں کو کھلانے کے لیے عام اجازت دی ہے اور کسی کو خاص سرحد (باونڈری وال) کھینچنے کی رخصت نہیں دی۔ من جملہ ان اسباب کے جو حضرت عثمان پر انقلاب برپا ہوا ایک تھا کہ انھوں نے مدینہ کے اطراف میں اپنے لیے مخصوص سرحد بندی سے چراہ گاہ مخصوص کرلی تھی۔ زمین اسلام میں اُس کے لیے ہے جو آباد کرے ... اس کے لیے ہے جو اُس سے فائدہ اُٹھائے۔ معدنیات اُس کے لیے ہے جو اُس کی کان سے برآمد کرے اور دیگر زندگی کے عوامل ان کے لیے ہیں جو انھیں جمع کرے اور کام انجام دے جس قدر ان امور پر استحصال باقی ہے اسی قدر عوام میں فقر و تنگدستی بڑھتی

جائے گی بے کاری جو تنگدستی کی جڑ ہے معاشرہ میں اضافہ ہو جائے گا۔ عوام الناس کے فقر و تنگدستی کو ختم کرنے کے لیے اسلام اس قسم کے استحصال کو حرام قرار دیتا ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ زمینیں کثرت سے پڑی ہیں اگر انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں بھی زراعت ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ چونکہ حکومت یا حکمران کے تحت تسلط ہے کوئی شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا بنجر پڑی رہے منظور اور آباد ہونا نامنظور دریا کا پانی بہتا ہوا سمندر میں گر جاتا ہے مگر کسی کی مجال نہیں کہ وہ حکومت کو بغیر ٹیکس ادا کیے استعمال کرے۔

سمندر کے وسیع علاقہ میں لاکھوں کی تعداد میں مچھلیاں موجود ہیں کیا آپ شکار کر سکتے ہیں؟ نہیں! یہ تو حکومت یا حکمران کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی ہے ان کی اجازت کے بغیر آپ شکار نہیں کر سکتے۔ سرسبز چراگاہیں موجود ہیں کوئی جانور اُس طرف نہیں لے جا سکتا۔ پرندے اڑ رہے ہیں آپ شکار نہیں کر سکتے۔ سمندر میں موتی ہیں آپ غوطہ زنی نہیں کر سکتے۔ جنگلات میں بے شمار درخت ہیں آپ ان کو کاٹ نہیں سکتے۔ پہاڑوں میں مختلف کانیں ہیں آپ انھیں نکال نہیں سکتے۔ اگر یہ کان نمک کی بھی ہو وہاں سے برآمد نہیں کر سکتے اس لیے کہ استحصال کا قانون نافذ ہے آپ پر پابندی ہے سوائے ایک حالت میں جب آپ اجازت لیں اور فیس جمع کرائیں ـــــ آپ سوچیے ان اسباب کی وجہ سے عوام میں کس قدر بے کاری و تنگدستی کا دور دورہ ہے۔؟ لیکن دین اسلام نے ان اُمور میں کھلی چھٹی دی ہے ـــــ اسلام آزادیٔ مطلق کا قایل ہے جس قدر آزادی ہو گی یقیناً اس قدر فقر و تنگدستی ختم ہوتی جائے گی۔

(ب) حکومت، فرد یا کمپنی کا استحصال :ـــ یعنی ایک خاص قسم کی چیز پر معین کر دیا جائے مطلب یہ ہے کہ کسی قسم کی چیز کسی خاص شخص یا فرم کے حوالہ

اس طرح کی جائے کہ اس کے بغیر اجازت نہ خرید سکیں نہ بیچ سکیں۔ مثلاً:۔ تمباکو کے کاشتکار کے لیے ضروری ہے کہ وہ فلاں کمپنی کو مال فروخت کرے اس طرح کوئی شخص اگر تمباکو خریدنا چاہے تو کسی اور سے نہیں خرید سکتا اُسے بھی چاہیے کہ فلاں کمپنی سے خریدے۔ اسی طرح کا حال دوسرے اشیاء کے بارے میں ہے اسلامی نظام میں یہ شخص خرید و فروخت میں آزاد ہے" اور لوگوں کو اپنے مال اور نفوس پر کلی اختیارات ہیں"۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے علاوہ اس طرح حدبندی سے منڈی میں قیمتوں میں اضافہ کا باعث ہے یہ خود ایک تنگدستی اور فقیری پھیلانے سبب سے ہے جیسا کہ ہم آئے دن منڈی میں اجناس اور ان کی قیمت کے بارے میں مذاق ہوتا دیکھتے رہتے ہیں یہ سب کچھ ہم اپنے ملک کے طول و عرض میں روزآنہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ اسلامی شریعت میں سختی سے حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے ارتکاب کرنے والے کو سخت سزا تجویز کی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی حضرت مرزا کبیر شیرازی (الحاج مرزا محمد حسن قدس سرہ) نے ایران میں تمباکو حرام قرار دیا۔ یہ صرف اس لیے تھا چونکہ اجنبی کمپنی نے تمباکو کی پیداوار کو اپنے تحویل میں لے کر ذخیرہ اندوزی شروع کردی تھی (اس قانون کے تحت ہر کاشت کار کو ضروری تھا کہ وہ اپنے حاصل کردہ تمباکو کو برٹش کمپنی کے حوالہ کرے) چنانچہ یہ اسلامی قانونِ آزادی تجارت کے سراسر خلاف تھا اسلام کسی بھی حکومت کو یہ حق نہیں دیتا ہے کہ وہ عوام کو مجبور کرے کہ فلاں مخصوص کمپنی کو مال فروخت کرے اگرچہ وہ کمپنی کا مالک مسلمان ہو اب جبکہ مُسلمان کمپنی کو یہ حق نہیں پہنچتا تو ایک کافر اجنبی کمپنی کو کیسے یہ حق حاصل ہوتا چنانچہ اس قبیح کام سے روکنے کے لیے اسلامی آزاد تجارت کی بقاء کے لیے حضور مجتہد عصر حضرت مرزا شیرازی کبیر نے اس زمانہ میں تمباکو کے استعمال، خرید و فروخت سے اجتناب کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ کمپنی اپنے مقصد میں فیل ہو جائے اور حکومت کا نافذ کردہ

حصار ٹوٹ جائے۔ چنانچہ اس عظیم فتوئی کا نتیجہ ایران کے عظیم عوام نے خود دیکھا کہ اجنبی برطانوی استعمار کو منہ کی کھا کر الٹے پاؤں فرار ہونے پر مجبور ہونے پر مجبور ہونا پڑا اور حالات پھر سابقہ طور پر معمول پر آگئے

(ج) کسی خاص چیز کے بارے میں فرد، کمپنی یا حکومت کی منوپلی (بالادستی، تسلط پسندی)۔

مثال:۔ فلاں مخصوص کمپنی ہی ہوائی جہاز بنا سکتی ہے یا ریشمی کپڑے بن سکتی ہے یا فلاں کتاب چھاپ سکتی ہے وغیرہ ــ یہ طریقہ بھی کام کے دائرہ کو تنگ کرنے، تنگدستی اور بیکاری کو فروغ دینے کا باعث ہے۔ یہ اسلامی شریعت میں قطعاً حرام ہے ہر انسان کو کام کے سلسلہ میں سوائے محرمات کے آزادی مطلق حاصل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام قدرتی وسائل پانی، ہوا اور ان کے مانند اشیاء پر پابندی، ہر قسم کے معاملات خرید و فروخت پر پابندی، ہر صنعت و ایجاد پہ پابندی وغیرہ شریعت اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ یہ بالادستی اور تسلط پسندی عوام کی تنگدستی، اور افلاس کا باعث ہے۔ یہ سب کچھ مغربی نظام نے جائز قرار دیا ہے اور شریعت مقدسہ اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جس سے اسلام نے تنگدستی اور افلاس کا مقابلہ کیا اور معاشرہ سے احتیاج کو ختم کر کے رکھ دیا۔

صرف فقر ہی کو زائل نہیں کیا بلکہ فقر کے ذیل میں وجود میں آنے والے تمام امور مانند رنڈاپا، بیکاری وغیرہ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں ایک فقیر دکھائی نہیں دیتا تھا ــ جی ہاں ایک فقیر نظر آیا جو تعجب کا سبب بنا ــ حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں ایک فقیر کوفہ میں بھیک مانگتے نظر آیا خود حضرتؑ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ کیا کا لفظ کسی غیر ذوی العقول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے (کہنا تو چاہیئے تھا کہ یہ کون ہے) مگر امامؑ نے فرمایا

یہ کیا ہے ؟ ایسا لگتا ہے جیسے مولاؑ نے ایک معیوب چیز کا مشاہدہ کیا فقیر انسان کو نہیں دیکھا۔ (چنانچہ اس فقیر کو جو یہودی تھا وہاں سے اٹھا دیا اور بیت المال سے رقم مخصوص فرما دی) ۔

چنانچہ ایسے واقعات دیگر خلفاء کے دوران حکومت پیش آئے جیسا کہ تاریخ میں مثالیں موجود ہیں لیکن آجکل کے زمانہ میں جبکہ اسلامی حکومت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے یہ کیفیت دولت مند اسلامی ممالک میں بھی نظر نہیں آتی۔ آپ کسی بھی ثروت مند اسلامی ملک میں جائیے آپ کو ایک نہ ایک فقیر، مسکین اور محتاج دکھائی دیگا۔ یہ اس لیے نہیں کہ لوگوں کے احتیاجات بڑھ گئے ہیں جیسا کہ نوآبادیاتی نظام کا پروپگنڈہ ہے۔ آپ خود بتلائیے کہ اس زمانہ میں بجلی کے پنکھے، موٹر کار اور ہوائی جہاز کہاں تھے ؟ اس لیے کہ دولت کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے مانگ کم ہوگئی ہے آپ خود بتلائیے پہلے زمانہ میں تیل کے کنویں، بڑی فیکٹریاں جہاں بیک وقت سینکڑوں افراد کام کرتے ہیں، کہاں پتہ تھا ؟ کیا اس زمانہ میں فضا اور پانی کو مچھلی اور پرندوں کے افزائش کے لیے استعمال کیا جاتا تھا ؟

راز کی بات یہ ہے کہ دولت جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے طریقہ کار کو بدلا جائے اسلام نے اس کام کے لیے اپنا خصوصی طریقہ کار وضع کیا ہے جس کے نتیجہ میں فقر اور تنگدستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے یہ کام اسی طرح انجام دیا جاتا ہے کہ دولت مند افراد کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ مغرب کے خودساختہ قانون میں ایک طرف تو دولت مند تباہ ہو جاتا ہے دوسری طرف فقیروں کی کثرت ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل

صحت اور بیماری

اگر ہم دورِ حاضر میں لوگوں سے دریافت کریں؟

اسلامی اسلوبِ صحت عام لوگوں کے لیے مفید ہے یا وہ اسلوبِ صحت جسے مغربی ملکوں نے اپنایا؟ اس سوال کو سن کر تعجب سے لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں وہ اپنے لبوں کو یہ کہنے کے لیے جنبش دیتے ہیں :۔

کیا اسلام کے پاس بھی کوئی صحت عامہ کے لیے نظام پایا جاتا ہے؟ اگر کوئی نظام ہو تو پھر موازنہ کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بعد صحت عامہ کے لیے جو مغربی دنیا نے کارنامے انجام دیے کون جھٹلا سکتا ہے؟

کیا آپ مشاہدہ نہیں کرتے! یہ شفاخانے یہ ہسپتال یہ میڈیکل کالجس یہ دواؤں کی فیکٹریاں یہ کیمسٹ کی دکانیں یہ ڈاکٹر حضرات یہ نرسیں یہ نئے ایجاد شدہ طبّی آلات، ایکسرے، خون ناپنے کا آلہ، تھرمامیٹر اور آپریشن کے اوزار وغیرہ یہ سب کچھ مغربی دنیا کا رھینِ منت ہے۔ انھوں نے اپنی جدوجہد سے یہ سب کچھ ہمیں دیا۔ اگر ہم پلٹ کر عوام سے سوال کریں:

آپ بتلائیں موجودہ دور میں بیماری کی شرح جس تیزی سے بڑھی ہے کیا اسلامی دورِ حکومت میں امراض کی شرح پہنچی تھی؟

ذرا غور تو کیجیے یہ عجیب وغریب بیماریاں کہاں سے پیدا ہوئیں ان میں کچھ بیماریاں ایسی ہیں جن کا ذکر طب کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اسلامی دور کے آغاز میں ان امراض کا نشان نہیں ملتا۔ یہ کیوں؟

جواب دینے میں زبان میں لکنت پیدا ہوجاتی ہے۔ کبھی چُپ ہے اور کبھی

بولنے کی کوشش ۔ اور کسی نے کہا: کیا بیماری کی شرح موجودہ دور میں زیادہ ہے؟ دوسرا کہتا ہے: آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ گذشتہ دور میں بیماریوں کی کمی تھی۔ اسلامی حکمرانی کارفرما ہونے کی وجہ سے تھی، اور آج بیماری کی کثرت مغربی قانون کی بالادستی کی وجہ سے ہے؟

تیسری بات: یہ کہ گذشتہ زمانہ میں موجودہ دور کی بیماریوں کا پتہ نہ تھا وہ نام سے واقف نہ تھے:

مثال: ۔ اُس زمانہ میں لوگ پیٹ کی بیماری کی وجہ سے مرجاتے تھے انہیں بیماری کا سبب معلوم نہیں تھا مگر آج لوگوں کو سبب بھی معلوم ہوگیا کہ "اندھی آنت" (Appendix) کی وجہ ہے۔ یہی بنیادی فرق ہے۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ ان بیماریوں کی وجہ وقت کا تقاضا ہے اس کا اسلامی حکمرانی اور مغربی قانون کی بالادستی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ یہ قلاش لوگوں کا جواب ہے ورنہ: ۔ یہ بات ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ ماضی کے بہ نسبت موجودہ دور میں بیماری کی شرح میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے کوئی ایسا گھر نہیں ہے جہاں ایک نہ ایک بیمار نہ ہو جبکہ ماضی میں بہت کم مریض ہوتے تھے۔ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں اُس زمانہ میں سو گھر میں ہو سکتا تھا ایک گھر میں کوئی بیمار ہو۔ اور بیماری بھی نہایت معمولی غیر مزمنہ ہوتی تھی اور جب کہ موجودہ دور کے امراض اکثر مزمنہ ہوتے ہیں ۔ اب رہ جاتا ہے یہ کہنا: کہ ان امراض کی پیدائش اور افزائش میں مغربی طرز قانون کا ہاتھ ہے، وہ عنقریب آنے والے صفحات میں معلوم ہو جائیگا نہ صرف اس لیے ہوا چونکہ حفظانِ صحت کے عام اصول اسلام کے معین کردہ اصولوں سے منحرف ہیں۔

تیسرا جواب: وہ تو مضحکہ خیز ہے آپ پیٹ کی بیماری سے ہلاک ہونے

والوں کی شرح اموات کو بتلایئے ؟ بے شک اس بیماری سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ سالانہ دس لاکھ میں ایک تھی۔ آج بھی پرانے وقت کے سن رسیدہ افراد موجود ہیں ان سے دریافت کریں کہ اُس دور میں پیٹ کی بیماریوں سے کتنے افراد ہلاک ہوتے تھے ۔ مگر آج کل کے دور میں ہر شہر میں جسکی آبادی دس ہزار افراد پر مشتمل ہو روزآنہ ایک آپریشن اندھی آنت کا ہوتا ہی ہے اور وہ شخص جو کہتا ہے یہ امراض تو وقت اور زمانہ کا تقاضہ ہیں۔ زمانہ سے کیا مطلب ؟ کیا سورج میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ؟ کیا ہوا میں کوئی فرق ہوگیا ؟ کیا زمین میں کوئی تغیر پیدا ہوگیا یا پھلوں نے کوئی رنگ بدل دیا ؟ کیا دیگر قدرتی پیداوار میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے ؟ جن کے سبب یہ بیماریاں پیدا ہوئی ہیں ۔ ؟ جی ہاں : فقط ایک بات ہے :۔

حکمرانی کے انداز بدلتے ہی زندگی کے تمام شاہراہوں میں تبدیلی رونما ہوگئی ! جس طرح نئے انداز زندگی کی وجہ سے فقر و تنگدستی بڑھ گئی اسی طرح یہ بیماریاں بھی بڑھ گئیں ۔ جس طرح اسلامی حکمرانی ماضی کی طرح نافذ ہوجائے تو تمام بیماریاں ختم ہوکر رہ جائیں گی ۔ اور جب تک غیر اسلامی نظام رائج رہے گا بیماریاں اپنے اقسام کے ساتھ عروج پر باقی رہیں گی ۔ بظاہر دیکھا جائے تو یہ صرف دعویٰ اور باتیں ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے دعویٰ اور باتیں بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہے ۔ ہوسکتا ہے ہمارا یہ صرف دعویٰ ہو مخاطب کو چاہیئے کہ ہمارے اس دعوی پر دلیل طلب کرے اور ہم سے دریافت کرے کہ کیسے آپ نے امراض کی کثرت کو ہمارے ملک میں رائج مغربی نظام کے سر تھوپ دیا اور کیوں کر اپنے امراض کی کمی کو ماضی میں اسلامی حکمرانی کا فیض قرار دیا ؟ اگر آپ نے ہمیں دلیل سے مطمئن کر دیا تو اس بات کو سچ مان لیں گے کہ اسلام دوبارہ حکمرانی کرے گا تو امراض کی شرح افزائش میں خاطر خواہ کمی واقع ہوجائے گی ۔ اس سلسلہ میں ہم کہتے ہیں :۔

حفظانِ صحت کے دو بنیادی اصول ہیں :

۱۔ پرہیز ۲۔ علاج

اسلام نے دونوں کے لیے نہایت دانشمندانہ ہدایات دیے ہیں جس پر عمل کرنے سے لوگ بیماری کا شکار ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کے برخلاف مغربی نظام باوجود اس شور و غل کے جو اس نے صحت کے میدان میں مچا رکھا ہے اس نے نہ پرہیز کی کوئی ہدایت دی ہے اور نہ علاج کے سلسلہ میں کچھ بتلایا ہے اس لیے لوگ ہزاروں کی تعداد میں امراض کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ عام انسان اس بات کو سمجھ چکا ہے اگر حالت اسی طرح باقی رہی تو نصف صدی اور گذرنے کے بعد لوگ مختلف مہلک امراض کا اس سے بھی زائد شکار ہو جائیں گے ہو سکتا ہے آپ ہمارے اس بیان پر تعجب کریں ! جناب آپ جب حیرتناک شماریات کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ ہرگز تعجب نہیں کریں گے۔ یہ شماریات ہم کربلائے معلیٰ سے نشر ہونے والی مجلّہ نمبر (۳) سال سوم کے حوالہ سے بتلاتے ہیں :

(۱) عالمی خبر رساں ایجنسیوں کے حوالہ سے انھوں نے خبر دی ہے :

"پوری دنیا میں صحت عامہ بگڑتی جا رہی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں، امراض کی شرح میں اضافہ دہشتناک ہے ..."

آپ کی خدمت میں بعض شماریات پیش کرتے ہیں :۔

ڈاکٹروں کا اعتراف : ہے ہر بیس[۲۰] امریکن میں ایک شخص اپنی زندگی کا کچھ حصہ دماغی ہسپتال میں علاج کرنے کے لیے صرف کرتا ہے[۱]۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ میں فوجی خدمت کے لیے آنے والے ہر ساٹھ اشخاص میں سے ایک شخص کو واپس کر دیا

۱۔ ۲۔ کتاب دع القلق وابد آ الحیاۃ = ڈیل کارنیگی عربی ترجمہ ص۶۱ الذیادی

گیا چونکہ وہ بیمار تھا یا دماغی اعتبار سے ناقص تھا[۱]۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے ہر اسّی افراد میں ایک شخص کینسر کی بیماری سے ہلاک ہو جاتا ہے[۲]۔

ڈاکٹر اڈمونڈ فادیر جو مشہور عالم ڈاکٹر ہیں انھوں نے اس بات کو صریح طور پر بیان کیا کہ امریکہ کے ۳۰ فیصد مرد اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے جزوی یا بطور کلی معذور ہیں[۳]۔ انگلینڈ کے باشندوں کو کینسر کے بھیانک مرض نے ہلاکر رکھ دیا ہے[۴]۔

مرگی اور ہسٹریا کی بیماری میں فرانس اور جاپان کے اکثر باشندے مبتلا ہیں[۵]۔

دس فیصد امریکی باشندے دائمی دردِ سر میں مبتلا رہتے ہیں یہاں دردِ سر سے مراد عام طور پر ہونے والا معمولی درد نہیں جو مسکن دوا کھانے سے جاتا رہے ہے بلکہ ایک دائمی درد جو ہمیشہ کے لیے اُن کے ساتھ رہتا ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس مرض کی شرح میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے[۶]۔ سوویت یونین (روس) کے اکثر کاریگر حضرات چھٹی کے ایام ہسپتالوں میں گذارتے ہیں[۷]۔

اِن امراض کے پیدا ہونے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں:۔ شراب نوشی، سور کا گوشت کھانے سے اور مسلسل ایک ہی کام انجام دینے سے۔ نماز و روزہ کا فقدان۔

۳۔ جو خبریں ہم تک پہنچی ہیں ان کی روشنی میں:۔

لوگوں میں ایک بڑا طبقہ بے چینی کا شکار ہے آج کی دنیا میں بشریت جس طرح مبتلا ہے، قابلِ رحم ہے ہم چند منتخب واقعات اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں ــــ شماریات کی روشنی میں:۔ امریکیوں کا پہلا نمبر کا قاتل ان میں پیدا شدہ بے چینی ہے دوسری عالمگیر جنگ کے دوران تیس لاکھ آدمی اس بے چینی کا شکار ہو کر لقمہ اجل بنے۔ اُسی زمانہ میں دل کی بیماری سے دس لاکھ آدمی ہلاک ہوئے اُن آخر میں ہلاک ہونیوالے

۱، ۲۔ حوالہ سابق ۳۔ جریدہ البلاد ۲/۶/۱۹۵۹ء ص ۳، ۴۔ ۵۔ مشہور ہے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ ۶۔ قبسات من الرسول ص ۲ محمد قطب۔ ۷۔ دع القلق ص ۲۷۹ اور ص ۳۰۳۔

افراد سے بیس لاکھ افراد بے چینی اور اعصابی[1] بیماری میں مبتلا تھے۔ امریکہ میں نشر ہونے والی تعداد وشمار کے مطابق ہر ۳۵ منٹ میں ایک خودکشی عمل میں آتی ہے۔ اور ہر ایک سو بیس منٹ میں ایک شخص پاگل ہو جاتا ہے۔

ان اقدام خودکشی اور یہ جنونی کیفیت پر قابو پایا جا سکتا ہے اگر ان لوگوں کے اطمینان[2] اور سکون کو بحال کیا جائے۔

ان لوگوں کی تعداد جو امریکہ میں خودکشی سے ہلاک ہو جاتے ہیں بہ نسبت دیگر مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرنے والوں سے زیادہ ہیں[2]۔ ہر دس افراد میں ایک شخص امریکہ میں اعصابی بیماری میں مبتلا ہے[3] دہشتناک بات ہے۔

جملہ وہ خاندان جن کے افراد ہمارے ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں ان میں سے نصف وہ مریض ہیں جو اعصابی اور دماغی امراض میں مبتلا ہیں[4] ۔ یہ بے چینی ہر سو پھیلی ہوئی ہے یہاں تک کہ (ڈاکٹر الیکس کاریال) کہتے ہیں :۔

وہ کام کاج کرنے والے لوگ جو اس موجودہ پھیلی ہوئی بے چینی سے اپنے کو بچانے کی تدبیر نہیں جانتے، اس سے دفاع کرنے کے طریقوں سے واقف نہیں ہیں جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اب آیئے ہم دیکھتے ہیں اسلام نے اس سے بچاؤ کے لیے کیا کچھ بتلایا ہے، علاج کیا ہے؟ ان امراض سے محفوظ رہنے اسلام نے کیا ترکیب بتائی ہے؟

یہ ایسے امراض ہیں جن کے اعداد وشمار دیکھ آدمی خوفزدہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ صحت عامہ کا اسلامی فرمانروائی سے کیا تعلق ہے تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس حکومت کے زوال پر مغربی حکومت نے اس کی جگہ لے لی اور صحت عامہ برباد ہو کر رہ گئی!! (یہ سب کچھ تحقیق طلب ہے جب آپ غور کریں گے سب کچھ

۱۔ د ع القلق ص ۶۹ ۔ ۲۔ د ع القلق ص ۲۹۱ ۔ ۳۔ د ع ص ۷ ۔ ۴۔ ص ۵۷ ۔ ۵۔ ص ۳۵

واضح ہو جائے گا)

اسلام نے امراض سے بچاؤ اور علاج کے لیے خصوصی ہدایات دی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم کرتے ہیں

(۱) صاف ہوا (۲) صاف کھانا

(۳) کچھ مثبت اُمور جن کے بجا لانے کا حکم اور کچھ منفی امور جن کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرد ہو یا مجتمع امراض سے بچاؤ کے لیے ان اُمور پر عمل پیرا ہوں گے :

(۴) صحت کے اصولوں پر سختی سے پابندی

(۵) بیماری کے وقت صحیح علاج ۔

آغاز حکومت اسلام میں لوگ صفائی اور پاکیزگی پر سختی سے کاربند تھے۔ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں وہ اس لطافت کا وہ مظاہرہ کرتے جو اپنے مقام پر بے مثل ہے۔ یہاں تک کہ اس زمانہ کی جیسی صفائی و طہارت آج کے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔

سینکڑوں مثالوں میں سے ایک مثال پیش کرتا ہوں :

اسلام کی نظر میں گندی (نجس) چیز کو پانی سے دو دفعہ اس طرح دھونی چاہیئے پہلا پانی پھر دوبارہ استعمال نہ ہو بلکہ دوسری مرتبہ تازہ پانی اس پر ڈالا جائے تاکہ اگر پہلا پانی کچھ گندگی کے اجزاء ہمراہ لیے ہو تو وہ اس چیز پر دوبارہ واپس نہ لوٹے۔

مغربی طرز صفائی کو دیکھئے :۔ بیسن میں پانی بھر کر اس سے روزانہ منہ ہاتھ دھوتے ہیں اسلامی طریقہ تعدد کا خیال نہیں کرتے۔ آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں اسلام بچہ کی پیدائش پر اُسے نہلانے کا حکم دیتا ہے اور اسی طرح مرنے کے بعد بھی اُسے نہلانے کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح اسلام دن میں پانچ مرتبہ جسم کے چند حصوں کو دھونے کا حکم دیتا ہے۔ اور ہر دو دن کے بعد ایک مرتبہ غسل وا‌‌د

اور مستحبہ کے نہانے کا حکم دیتا ہے ۔ ان تمام پاکیزگی کے بارے میں جو اسلامی تاکیدات ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے اسلامی صحت عامہ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جانے کے بعد متعدی امراض کے بارے میں بھی آپ جان لیں گے یہ امراض اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں بہت کم تھے ۔ اب رہ جاتا ہے متعدی امراض کے بارے میں ۔ اس جملہ سے بڑھ کر کیا تاکید اور ہو سکتی ہے

"فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ" (شخص جذامی سے ایسے دور بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو)

"وَمَنْ مَشٰى حَافِيًا فَاَصَابَهُ السِّلُّ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ" (جو شخص ننگے پیر چلے اور اسے اگر ٹی۔ بی (دق) ہو جائے تو سوائے اپنے سوا کسی کو مذمت نہ کرے) ٹی۔ بی کا مریض کبھی کبھار تھوکتا ہے اس تھوک کے ذریعہ مرض سل کے جراثیم زمین میں منتقل ہو جاتے ہیں اور جب انسان ننگے پیر چلے تو وہ جراثیم وہاں سے صحت مند انسان کے جسم میں منتقل ہو جاتے ہیں ۔ اب اگر ٹی۔ بی ہو جائے تو قصور اپنا ہے کسی اور کی مذمت نہ کرے ۔

صاف کھانا :۔ اسلام نے کچھ اشیاء حرام قرار دیے اور کچھ چیزیں مُباح قرار دیں ۔۔ چند چیزوں کے حلال کرنے میں کوئی اسلام کا ان اشیاء سے ذاتی رشتہ نہیں تھا اور اشیاء کو حرام قرار دیا ان میں اور اسلام میں کوئی عداوت نہ تھی ۔

گوسفند کا گوشت حلال اور سور کا گوشت حرام ۔۔ پھلوں کا رس حلال اور شراب حرام ۔۔ چھلکے والی مچھلی حلال اور بغیر چھلکے والی حرام ۔۔ پرندوں میں خاص نشانی کے حامل جو فقہ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا حلال اور دوسرے حرام ۔۔ ذبح شدہ جانوروں میں دل کا کھانا حلال اور خصیہ حرام .... یہ سب کچھ اس لیے کہ حرام شدہ اشیاء میں ضرر ہی ضرر ہے

اور حلال شدہ اشیاء میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ آنحضرت (ص) کی تعریف کرتے ہوئے قرآن اس طرف اشارہ فرماتا ہے:

"یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ ... وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ"

(وہ ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں اُن پر حرام قرار دیتا ہے)

جب یہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد ہم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مغربی معاشرہ اپنی طرز حکومت کے ساتھ ان امور سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے امراض کے بھنور میں پھنس گیا ہے۔ مغربی دنیا کے ترقی پذیر ممالک (انکے نقطہ نظر سے) میں اکثر ملک جیسے فرانس میں ۸۰ فیصد افراد مختلف مہلک امراض میں مبتلاء ہیں۔ یہ سب کچھ باوجود ان تمام جدید صفائی کے ذرائع کے ہوتے ہیں

صاف ہوا:۔ ہوا کی صفائی کے چند اسباب ہیں:

(۱) زراعت اور پانی کی کثرت سے۔

(۲) گھر اور دکانوں کی صفائی سے۔

(۳) فضا زہریلی گیس اور دھویں وغیرہ سے آلودہ نہ ہو۔

(۴) صفائی۔

(۵) چھوت کی امراض میں کمی۔

جس زمانہ میں زمام حکومت اسلام کے ہاتھ میں تھی اور مسلمان حکمران اسلامی اصولوں پر چل رہے تھے ان تمام امور پر سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ کاشتکاری کا نظام جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے انتہائے کمال کے درجہ پر پہنچ چکا تھا یہاں تک کہ اس زمانہ میں اسلامی ممالک میں سبزہ زاروں اور مرغزاروں کی وجہ سے ہر طرف جنت کا سماں دکھائی دیتا تھا۔ ہر طرف پانی اور سبزہ دکھائی دیتا تھا جس سے دل کو فرحت حاصل ہوتی تھی۔

گھر: اسلام اس بارے میں کہتا ہے:

انسان کی خوشبختیوں میں سے ایک کشادہ مکان ہے۔ جیسا کہ امامؑ نے کسی شخص کے تنگ مکان کو دیکھا تو وہ شخص، عذر چاہتے ہوئے کہنے لگا "حضور! یہ میرے باپ کا گھر تھا۔" فرمایا:۔ اگرچہ تیرا باپ بے وقوف تھا۔ (یعنی اگر تیرے باپ نے بے وقوفی کی تو تو یہ عمل مت دہرا)

اسی طرح اسلام نے گھر کو بلند بنانے سے روکا ہے اس لیے کہ ایسے مکان میں رہنے سے دل کمزور ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہمیشہ لمبی سیڑھیوں سے چڑھنا اور اترنا پڑتا ہے جس کی بنا پر دل پر برے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اسلام نے بڑی شاہراہوں اور راستوں کی چوڑائی کی حدبندی کی۔ یہ تلایا اس قدر چوڑا رہے جو ہوا اور سورج کی شعاعوں کے لیے رکاوٹ نہ ہو اگرچہ اسلامی دور حکومت میں موجودہ جدید آلات نہ تھے کہ جن کے سبب دھویں اور زہریلے مواد سے فضا آلودہ ہو اس لیے ان کے بارے میں کوئی واضح نص نہیں ہے ۔ جی ہاں اسلام میں کچھ بنیادی قواعد و اصول ہیں جو ہر قدیم و جدید پیدا ہونے والے امور کے لیے ہمیں حکم مل جاتا ہے منجملہ ان قوانین کے ایک یہ ہے: "ہر ضرر رساں چیز حرام ہے"۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "لاضرر ولا ضرار" نہ کوئی ضرر ہے اور نہ کوئی ضرر پہنچائے۔

اسلامی ممالک اس زمانہ میں ان نقصانات سے دور تھے آج کل جب یہ آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن سے علاقہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو ضروری ہے کہ ان آلات کے استعمال پر پابندی عاید کی جائے جو ضرر رساں ہوں۔

وہ زہریلے دھویں جو کارخانوں کی چمنیوں اور روڈ پر چلنے والی گاڑیوں کے سائیلنسروں سے برآمد ہو کر فضا کو زہر آلود بنا دیتی ہیں۔ اسلام اس بارے میں یہ سفارش کرتا ہے کہ ان ضرر رساں امور سے علاقہ کی فضا کو

محفوظ رکھنے کے لیے کوئی منظم طریقہ کار وضع کیا جائے جس سے بیماریاں نہ پھیلے

اب رہ گیا صفائی اور نظافت: یہ اسلامی ہدایات کا جملہ ہر مسلمان کو حفظ ہے (پاکیزگی ایمان سے ہے) حضرت امام حسینؑ کی زیارت میں (میں گواہی دیتا ہوں آپ پاک ہیں، پاک کنندہ ہیں، پاک کیے گئے ہیں پاک سے ہیں، پاک کنندہ سے ہیں، پاک شدہ سے ہیں، پاک ہوگیا آپ کے ذریعہ آبادیاں پاک ہوگئیں، آپ کا حرم پاک ہوگیا اور وہ زمین پاک ہوگئی جہاں آپ ہیں)

ان حرام شدہ اشیاء کے نقصانات کے بارے میں طب قدیم نے ماضی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ آج جدید طب نے بھی ان حرام کردہ اشیاء کی حرمت کے بارے میں بہت کچھ انکشاف کیا ہے ان انکشافات نے جدید دور کے دانشمندوں کی آنکھیں کھول دیں اور وہ دین اسلام کی عظیم حکمت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوگئے۔

مسلمانوں میں اس وقت جو رشک آور صحت دکھائی دیتی تھی وہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کا احسان تھا۔ اسلامی ممالک جس دن سے کافر حکومتوں کی گرفت میں چلے گئے اور اسلام کے حرام کردہ کھانے ان کے شہروں میں عام کھائے جانے لگے تو مختلف بیماریوں نے ان کے شہروں پر حملہ بول دیا ہے اور اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مغربی اور مشرقی ممالک کا آج کل مختلف امراض کا شکار ہو جانے کا اصلی سبب ان ہی محرمات کا استعمال ہے۔ تنہا شراب مختلف قسم کی مہلک بیماریوں کا سبب ہے۔ سور کا گوشت کا حال بھی یہی ہے۔

کچھ لوگ یوں پوچھتے ہیں:۔ طب جدید نے سور کے گوشت کی حرمت کی وجہ معلوم کرلی اور انھوں نے جدید علم سے سب کچھ حاصل کرلیا ہے۔ تو کیا اس کے بعد سور کا گوشت کھانا حلال نہ ہوگا؟

جواب :- ہو سکتا ہے جو جدید طب نے اسباب حرمت تلاش کئے ہیں اس کے علاوہ بھی کوئی اور سبب ہو جو سائنس کے نظروں سے پوشیدہ ہو، اب اس کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا ہے کہ اصلی سبب یہی تھا اور کوئی سبب ہو ہی نہیں سکتا جو اس سلسلہ میں دعویٰ کرے۔ اس کی مثال تیرھویں صدی کے کافروں کی سی ہے جو اب تک یہی کہتے ہیں کہ سور کے گوشت میں حرام کا کوئی سبب نہیں ہے آج جدید سائنس نے سور کے گوشت کے نقصانات اور ان سے تحفظ کے طریقے بتلا دیے اور آج ماضی میں انکار کرنے والوں کی عقل پر جدید سائنسداں حیران ہیں۔ اسطرح اور کوئی جدید سبب ہونے سے انکار کرنے پر مستقبل قریب میں آنے والے سائنسداں بھی ان کی عقلوں پر خندہ زن ہوں گے۔ یہ مثال ہم نے اس لیے پیش کی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ تنگ نظری اصل میں دانش کی کمی کی سبب سے ہے جیسا کہ مشہور مثل ہے (عبادان سے آگے کوئی گاؤں نہیں ہے) بہرکیف ۱۳ صدی بیت جانے کے بعد اسلام کے حرام کردہ اشیاء کی حرمت کے اسباب جدید علم نے انکشاف کرنے کے بعد دنیا کو چاہیئے کہ اسلام کے حرام کردہ اشیاء پر حملے سے گریز کریں اگرچہ ان میں سے بعض کی حرمت کے اسباب ہنوز معلوم نہیں ہوئے ہیں ــــ خلاصہ :- کھانے اور پینے کی اشیاء کی صفائی اور پاکیزگی کے بارے میں جو اسلام نے ہدایات دی ہیں اسے لوگ بیماری کے گروپ میں پھنستے سے بچ گئے۔ اس کے علاوہ مغربی انداز طعام اور پینے کی اشیاء ایک گمراہ کن امر ہے جس کے سبب لوگ بیمار ہو جاتے ہیں مثلاً: پانی کے صاف کرنے کے لیے جو دوائیں استعمال ہوتی ہیں انسانی جسم کے لیے ضرررساں ہیں اسی طرح وہ دوا جو آٹا گوندھنے میں ملائی جاتی ہے یا مٹھائی اور مشروبات میں ملائی جاتی ہے یہ سب صحت کے لیے ضرررساں ہیں۔ اگرچہ یہ دوائیں ایک دن

یا ایک ہفتہ میں کوئی بیماری پیدا نہیں کرتی مگر رفتہ رفتہ معاشرہ کو تدریجاً اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں ۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد بیماریاں پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہیں جیسا کہ ڈاکٹروں نے خود اعتراف کیا ہے ۔ اگر اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو ـــ یہ انداز بدل جائیں گے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پانی صاف نہیں کیا جائیگا ایسا نہیں ہے دواؤں کے عوض فطری طریقہ صفائی جو پتھروں سے کیا جاتا ہے کام میں لایا جائے گا ۔ یہی طریقہ کار روٹی کے تیاری میں بھی عمل میں لایا جائے گا ...

اسلامی شریعت میں ہر نقصان دہ چیز جس سے دوسرے کو ضرر پہنچے حرام ہے اور جو یہ عمل بجالائے اس کو سزا دی جائے گی ۔ جب اسلامی نظام نافذ ہوتے ہی اسی قاعدہ کے بناپر تمام قسم کے کھانے اور پینے کی اشیاء کو تمام قسم کے نقصان دہ اور حرام مواد سے پاک کیا جائے گا تاکہ یہ تمام غذائیں لوگوں کے لیے صحت بخش ہوں اس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچے گا ۔

آج کی رائج مغربی طرز کی غذاء اور مشروبات سے تو نقصان کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ ہمارے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ہم کھانے پینے کے اشیاء کے سلسلہ میں قدامت پسند ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے نہیں! ہرگز ایسا نہیں ہے :

یہاں ہر قسم کے ترقی پسندانہ رُجحان کو سراہا جائے گا جو موجب فساد عنصر سے پاک ہو ۔ اگر غذا کے سلسلہ میں کچھ اچھے اصلاح بخش اور مفید سفارشات ہوں تو اُسے اچھی نگاہوں سے دیکھا جائے گا ۔ دین اسلام میں ان دونوں ، محرمات اور ضرر رساں اشیاء سے بچنے کی ہدایات کے علاوہ کھانے پینے کے بارے میں سفارشات ہیں ۔ کچھ اشیاء کو کھانے پینے کے سلسلہ میں صحت کے اعتبار سے پسند کیا گیا ہے اسی طرح کچھ اشیاء کو مکروہ قرار دیا ہے ۔ ان امور

کے بارے میں تفصیلات اسلامی فقہ کی کتاب "الاطعمہ والاشربہ" اور کتاب "الصید والذباحہ" میں موجود ہیں۔

کارہائے مثبت اور منفی: اسلام نے بعض کام بجا لانے کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں یہ سب کچھ صحت عامہ کے لیے بطور مقدمہ ہیں یہ بہت زیادہ ہیں... اسلام میں ان احکامات کو واجبات اور محرمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

زنا: (حرام کاری) اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ اس عمل سے روکنے کے انفرادی اور اجتماعی فوائد اور مصلحتوں کے علاوہ یہ عمل بد مہلک امراض کا سبب بھی ہے جیسے سوزاک اور آتشک اور دیگر امراض جو اس عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں جو آج کے متمدن دنیا جہاں اس عمل کی مطلق چھوٹ ہے مختلف امراض میں مبتلا ہو چکی ہے۔ یہ ایسی بیماریاں ہیں جو متعدی ہیں ایک سے فوراً دوسرے کو لگ جاتی ہیں چونکہ بدکاری عام ہے اور سب چونکہ اس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اسطرح بیماری پورے معاشرہ میں پھیل جاتی ہے ۔ سب سے شرمناک بات جس سے ماتھے پر پسینہ آنے لگتا ہے:-

ڈاکٹر صاحبان دعوت گناہ کی عمارت میں ایک کمرہ مخصوص کرتے ہیں جہاں گناہ کے بعد ان افراد کا میڈیکل چک اپ کیا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ کہیں اُنکے اعضاء پر متعدی امراض کے جراثیم تو منتقل نہیں ہو گئے اور وہاں ایسی دوائیں لگانے کا مشورہ دیتے ہیں جس سے وہ امراض سے محفوظ رہیں۔ آپ خود سوچئے جس نظام میں زنا مُباح ہو کیا وہ اس کو صرف بازارِ حُسن ہی تک محدود رکھ سکتے ہیں؟ کیا ان کی دوائیں کارگر ثابت ہو سکتی ہیں؟

شرمناک پوشیدہ عادت: اسلام کی نظر میں حرام ہے اس لیے اس عمل سے کئی قسم کے امراض میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ اِس بُرے

عمل سے مختلف درد آنکھ، عقل، اور اعصاب میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

اغلام: اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ (اس سے مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں) انسانی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور یہ بدترین فعل ہے مغرب نے اُسے جائز قرار دیا ہے باوجود تمام برائیوں کے جرمنی نے خاص طور پر اس کو مباح قرار دیا ہے۔ جرمنی کی اسمبلی میں (ھرشفلید) نے اس قبیح عادت کو جائز قرار دینے میں جو کوشش کی تھی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ آج جرمنی میں بازار حُسن کے ساتھ بدفعلی کے محلات بھی کھلے ہوئے ہیں۔

بے پردگی: اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ چونکہ کسی خاندان کی تباہی کا اس سے بڑھ کر سبب نہیں ہے۔ تمام راستوں کا اصل محرک یہی ہے۔ آج دنیا میں زنا، بدکاری، دلالی، ناموس فروشی اور مختلف امراض کا اصل سرچشمہ یہی بے پردگی ہے۔ یہی وجہ ہے آج مغربی ممالک حیرت انگیز طور پر بے پردگی کے بُرے اثرات سے دوچار ہیں پھر وہاں سے یہ زہریلا پودا اسلامی ممالک میں درآمد ہونا شروع ہوگیا ہے۔ آپ بتلائیے کونسا غیرت مند آدمی یہ برداشت کرے گا کہ اس کی بیوی کے چند یار ہوں۔ دنیا میں کونسی عورت یہ برداشت کرسکتی ہے کہ اس کے شوہر کی چند داشتائیں ہوں۔ وہ کون نوجوان ہے جسے سینماؤں، شراب خانوں، سوئمنگ پولوں اور کالجوں میں جنسی ملاپ کا موقع میسر ہو اور اُسے جنسی تسکین حاصل ہو جائے پھر اُسے شادی کرنے کی فکر ہو!

آپ بتلائیے وہ جوان لڑکیاں جنھیں دوسری راہوں سے جنسی لذت میسر آجائے پھر وہ شادی کرنے پر کیوں تیار ہوں؟ یہی وجہ ہے شادیاں کم سے کم ہوتی جارہی ہیں اور طلاق کے رجحان اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ فرانس میں اس بدکاری کے نتیجہ میں شادی کی شرح بہت کم ہوگئی ہے۔ بتلایا گیا

ہے وہاں ہزار افراد میں صرف چھ شخص شادی شدہ ہیں !! ... بے پردگی کی حرمت کے نتیجہ میں اسلام نے ہر اُس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس میں بے پردگی کا مظاہرہ ہو۔

سینما تھیٹر۔ مخلوط تعلیمی ماحول۔ مخلوط سوئمنگ پول۔ ننگا ناچ محفل شب۔ بدتہذیب ٹیلویژن وغیرہ سب کو حرام قرار دیا ہے۔

جوّا: اسلام نے حرام قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ اعصابی بیماری رنج اور دیگر امراض کا سبب ہوتی ہے۔ آپ نے اکثر جواریوں کو ان بیماریوں میں مبتلا دیکھا ہوگا اور وہ لوگ جو اس لت سے دور ہیں وہ ان امراض سے بچے رہے اور جو اس میں کچھ فائدہ کا احساس رکھتے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" (وہ لوگ تم سے شراب اور جوے کے بارے میں دریافت کریں گے کہہ دو اس میں بڑا گناہ اور لوگوں کے لیے فائدہ ہے اور گناہ فائدہ سے بڑھکر ہے)

مخلوط سوئمنگ پول: اسلام کے نزدیک حرام ہے۔ اس میں بے پردگی اور بے راہ روی سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ (انسانی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے)

علم طب میں یہ مانا گیا ہے کہ پانی جب تک گرم ہو کر جوش میں نہ آئے جراثیم ہلاک نہیں ہوتے یا یہ پانی جاری ہو تو جراثیم اس وقت باقی نہیں رہتے یہ سوئمنگ پول امراض منتقل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہاں سے آتشک کی بیماری ایک شخص سے متعدد افراد تک آسانی سے منتقل ہو سکتی ہے۔

جی ہاں:۔ کچھ شہوت پرست افراد اس سلسلہ میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ یہ تیراکی کے تالاب پر صحت کے اصولوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے

کیا یہ بات صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو پھر مغربی ممالک میں دہشتناک انداز پر بیماریوں کی شرح میں اضافہ کیوں ہے ؟ چنانچہ مغربی ملکوں سے یہ امراض اسلامی ملکوں میں بھی انہی تیراکی کے تالابوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے لیکن شرح امراض اس قدر حیرت کن نہیں ہے چونکہ ابھی لوگوں میں کچھ اسلامی قدریں باقی ہیں جن کے سبب وہ لوگ بیماریوں کے سبب بچ جاتے ہیں۔

اسلامی خاص قواعد اور عام قواعد (ہر ضرر رساں شئی حرام) (لا ضرر ولا ضرار) اور (اپنے ہاتھ سے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو) اُن مشترکہ تیراکی کے تالابوں کو اسلام حرام قرار دیتا ہے۔

گانا : اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے چونکہ اس سے عصاب پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ جدید طب نے اس بات کا انکشاف کیا ہے۔

اس مقام پر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ :-

پھر کس چیز میں انسان دل لگائے ؟ اگر گانا بند کر دیا جائے تو پھر ریڈیو سے نشر ہو ؟

تعجب کا مقام ہے کیا دل لگی صرف گانے ہی میں منحصر ہے ؟ جسمانی ورزش تفریحی پروگرام، تیراکی اور اپنے بیوی سے گفت وشنید وغیرہ وغیرہ۔ زندگی میں دل لگی کے حلال ذریعے ہیں پھر یہ سوال کیا جائے کہ گذشتہ تیرا صدی میں مسلمانوں کی دل بستگی کے لیے کیا ذرائع تھے ؟ پھر کیا اس طرح کی دل لگی۔ کمزوری، بدبختی اور بیماریوں کی سبب بن جاتی ہے ! ہاں اس پر عقل اور منطق گواہ ہیں...

نشریات : ریڈیو کے پروگرا کو صحیح طور پر مرتب کیا جائے۔ مردوں۔ عورتوں۔ بچوں۔ دولتمندوں اور متوسط طبقہ کیلئے پروگرام مخصوص ہوں۔ ہم نے غریبوں کے لیے پروگرام کا حصہ اس لیے نہیں رکھا چونکہ اسلام میں کوئی غریب نہیں

www.kitabmart.in

ہونا ہے۔ (حکومت اسلامی میں ہر شخص کو اتنا ملنا چاہیئے کہ وہ تنگ دست نہ رہے)
شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کیلئے پروگرام ہو۔ ڈاکٹروں، ججوں، انجنیر
حضرات، کاشتکار، کاریگر اور عوام سے متعلق مختلف کے لیے جنھیں ان کے کام، حرفت
اور ان سے متعلق امور کے بارے میں ہدایات دینے کی سخت ضرورت ہے۔
پروگرام مرتب کیا جائے اگر آپ اسلامی ممالک کے ریڈیو پروگراموں کو دیکھیں گے
تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ عوام جہالت کے اور برائیوں کے گرداب میں پھنسے
ہوئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ فقر و فاقہ کے شکنجہ میں کسے جا رہے ہیں ان کی
حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے مگر ہمارا ریڈیو جو عوام کا ترجمان
اور ہدایت کا ذریعہ ہے گھٹیا سے گھٹیا گانا اور بدترین کتابوں کے نشر کرنے میں
مصروف ہے۔

جی ہاں ـــ (ہم ایک وادی میں اور ہمارے ملامت کرنے والے ایک وادی
میں) پھر یہ کہ علم طب میں پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ گانا انسان کے جذبات میں
ہیجان پیدا کر دیتا ہے جو بدترین ذریعہ ہے جس سے جرائم وجود میں آتے ہیں۔ یہ
سب از روئے منطق و علم صحیح ہیں مگر کرسئی اقتدار پر بیٹھنے والے اس بات کو کیا
مانتے ہیں؟ ایک لطیفہ قصہ سُنیے:ـــ

"شہر میں ایک پاگل رہتا تھا جو آزادی سے گھومتا پھرتا رہتا تھا اور
لوگوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب پاگل خانے نہ تھے
اس لیے اس زمانہ میں گنے چنے چند پاگل ہوتے تھے۔ لوگوں نے اس پاگل سے
گلو خلاصی کے لیے یہ طے کیا کہ اُسے حاکم کے گھر لیکر چلیں وہ وہاں جب ادب
مجلس کے خلاف کچھ کام انجام دے گا تو حاکم ضرور اس کو قید کر دیگا اس طرح
اس سے نجات مل جائے گی۔ عید کے دن لوگ اُسے ساتھ حاکم کے گھر لے گئے

وہاں پہنچکر پاگل سر جھکائے آرام سے بیٹھ گیا کوئی کام خلاف ادب بجاہی نہیں لایا لوگ حیران رہ گئے۔ کچھ لوگوں نے اُسے اُکسانا شروع کیا مگر باوجود کوشش کے وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ جلسہ برخواست ہوا لوگ اس پاگل سے حیران رہ گئے جب وہاں سے نکلتے ہوئے پاگل سے انھوں نے دریافت کیا جلسہ گاہ میں بڑے آرام وادب کے ساتھ کیوں بیٹھے؟

پاگل نے کہا:۔ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو کرسی پر بیٹھا تھا؟

سب نے کہا:۔ ہاں'

پاگل:۔ جب میں جلسہ گاہ میں داخل ہوا میری نظر اس پر پڑی میں فوراً سمجھ گیا وہ عقل کے اعتبار سے مجھ سے بھی گیا گذرا ہے یعنی عقل اس میں کم ہے۔ اور مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ اگر میں نے ادب کے خلاف کچھ کیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا تو بتلائیے میں کیا کرتا؟"

یہ ایک عمدہ مثال ہے ہماری اسلامی حکومتوں میں ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں ہے وہ عقل کے اعتبار سے عوام سے پست اور قوت کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہیں۔ اس لیے وہ وہی کام انجام دیتے ہیں جیسے مغربی شیطان اور مشرقی ملحد اُن کو ہدایت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ان ممالک میں دنیا کے دیگر ممالک کی نسبت ثقافتی، عسکری، اجتماعی اور صحت کے میدانوں میں شور و غل بپا ہے۔ اسلامی ممالک کے عوام موجودہ دور میں اس شخص کے مانند ہیں جو دو رسّیوں پر قدم رکھ کر چل رہا ہو۔ ایک مشرقی رسّی ہے اور ایک مغربی انکو چاہیے کہ اس شعر کو پڑھ کر گنگنائیں ؎

بلیت باعور فعجزت عنہ ؛ فکیف اذا بلیت باعورین

میں تو ایک عیب رکھنے والے شخص سے عاجز آگیا تھا یہ تو دو عیب رکھتا ہے۔

یعنی یک نہ شد دو شد والا معاملہ ہو گیا۔

بہر کیف: جو ہم نے عرض کیا اسلامی نظام نے حرام قرار دیا ہے یہ دراصل تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

نماز: شریعت اسلام میں واجب ہے۔

روزہ: سال میں ایک مہینہ واجب ہے۔

ان کے مانند دیگر واجبات معاشرہ سے بے چینی، گھبراہٹ کو ختم کر دیتے ہیں اور اکثر بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے:

(صُومُوا تَصِحُّوا) روزہ رکھو صحت پاؤ۔

(حُجُّوا تَصِحُّوا) حج کرو صحت پاؤ۔

اور آیت مبارکہ میں ارشاد ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ "آگاہ ہو جاؤ ذکر الٰہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔"

وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ "جو اللہ پر ایمان لائے اس کے دل کو ہدایت حاصل ہوتی ہے۔" وغیرہ دیگر آیات جیسا کہ مغربی دانشوروں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

حفظان صحت کے اصولوں پر چل کر صحت کو برقرار رکھنا:

اسلام نے معاشرہ میں صحت کو فروغ دینے کے لیے جن امور کو اپنایا ان میں سے ایک یہ ہے:

انسان کی مثال لوہے سے بنے ہوئے اشیاء کی مانند ہے اُسے ہمیشہ صاف و ستھرا رکھنا اُسے تھوڑا آرام دینا ضروری ہے یہ تو لوہا ہے انسان تو اُس سے زیادہ نرم ہے وہ تو گوشت اور خون کا مجموعہ ہے رات دن مشغول اپنے اور اپنے اعضاء و جوارح کو استعمال کرتے رہنے سے اُسے صفائی سے رکھنا،

آرام دینا نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ اعضاء و جوارح صحیح رہے تو اس کی صحت اچھی رہتی ہے صرف ڈاکٹروں کی طرف رخ کرتے رہنا کافی نہیں ہے ڈاکٹر تو صرف بیماری کی حالت میں معائنہ کرے گا۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اپنی زندگی کے ایام میں ڈاکٹروں کے ہدایات پر عمل کرتے ہوں۔ اس لیے اسلام نے انسان کو یومیہ ایسے پروگرام مرتب کرکے دیے ہیں جنھیں زندگی بھر انجام دینے سے اس کی صحت بحال رہتی ہے۔

ان پروگراموں کو واجب اور سنت کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جو صحت کے بنیادی اصول ہیں۔ جب کبھی اس پر عمل ترک کردیا جائے تو تباہی اور فساد کا باعث ہے اس لیے اس کا ترک حرام ہے۔

وہ امور جو سلامتی کا پیش خیمہ ہیں انھیں سنت قرار دیا اور ان کو ترک کرنا مکروہ قرار دیا چنانچہ فقہ کی کتاب (اطعمہ اور اشربہ) (صیام و روزہ) شکار اور ذباحت (طہارت) اور آداب اور سنتوں کی کتابوں میں اس سلسلہ میں بہت کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم موقعہ کی نزاکت سے چیدہ چیدہ امور ذکر کرتے ہیں۔

اسلام میں منجملہ اسباب صحت عامہ میں ایک یہ ہے کہ انسان خاص وقت کے سوا کھانا نہ کھائے۔ پیٹ بھرنے پر زیادہ نہ کھائے ورنہ بیماری کا سبب ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اَلْمَعِدَةُ بَیْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْیَةُ راس الدواء معدہ بیماریوں کا گھر ہے۔ پرہیز بہترین علاج ہے اس طرح پانی اور دیگر مشروبات کے بارے میں ہدایات یہ وہ امور ہیں جن پر طب قدیم اور جدید دونوں گواہ ہیں اور تجربہ سے بھی یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں۔ انسانی امراض کے بیشتر حصہ کی یہی وجہ ہو سکتی ہے معدہ تو صرف کھانے کو پکانے اور جسم کے لیے مناسب اجزاء مہیا کرتا ہے جو بدن کا جزء بن سکے۔ ہر قسم کی زیادتی اور کمی افراط اور تفریط اس

جسمانی مشنری کے حصول پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے بالواسطہ انسانی جسم متاثر ہوجاتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس آیت مُبارکہ (کلوا واشربوا ولا تسرفوا" کھاؤ پیؤ اسراف نہ کرو۔" میں اس افراط کی جانب اشارہ ہو جو اسلامی صحت کے ممنوعہ دستور میں سے ایک ہے یعنی وہ پہلو جس میں انسان حد سے گزر جاتا ہے، افراط تک پہنچتا ہے۔ اب رہ گیا کمی کی جانب جو خاموشی آیت میں پائی جاتی ہے اس لیے کہ عام طور سے لوگوں میں افراط کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔

من جملہ اسباب حفظان صحت: (۱) کام چوری اور تساہل پسندی کو ترک کرنا (۲) سخت کام جو قابل برداشت نہ ہو ترک کرنا۔ اسلام کی نظر میں دونوں عمل قابلِ مذمت ہیں۔ اس لیے بیکاری انسان کو سست کر دیتی ہے اور سستی خود کئی امراض کو جنم دیتی ہے اور سستی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

سخت کام: جو انسان برداشت نہ کرسکے انسان کے اعضاء و جوارح کو متاثر کر دیتا ہے جس سے بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اسلام کے نظر میں سخت کام دنیاوی امور ہی میں قابل مذمت نہیں ہے بلکہ عبادت کے میدان میں بھی برداشت سے باہر عمل کرنا قابل مذمت ہے۔ ایک ایسے شخص سے جس کو شب بیداری اور عبادت نے کمزور کر دیا تھا پیغمبر اکرمؐ نے اس سے فرمایا: " المنبت لا ارض قطع ولا ظهرا ابقیٰ "۔

منجملہ اسباب صحت کے:۔ مستحب روزے ہیں ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا چاہیئے جدید طب میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس طرح روزہ رکھنے سے انسان کے جسم میں موجود خلیوں (sells) میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور خون اور دیگر فاضل اخلاط تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم سب جانتے ہیں کہ دل کو آرام کی ضرورت ہے مسلسل کھانے پینے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو تھکا دینا ہے

آخر بیچارہ "دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت" یہی بات دل کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ منجملہ اسباب صحت کے ایک پچھنے لگوانا اور فصد کھلوانا ہے یعنی انسانی رگوں اور جسم کے حصہ سے خون نکالنا۔ اسلام نے اس سلسلہ میں بڑی تاکید کی جس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ طب قدیم نے اس کام کو سراہا ہے اور انتہائی تاکید کے ساتھ اس پر عمل پیرا رہا یہاں تک کہ نئی طب کا ظہور ہوا یہاں ڈاکٹروں میں اختلاف ہوا کچھ لوگ اس کام کو (حجامت اور فصد کھولنے) کرنے کے موافق ہیں اور کچھ لوگ مخالف ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۳ سو سال کا تجربہ ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ جسم سے کچھ خون کا نکالنا جسم کے لیے صحت کا باعث ہے اس میں کوئی نقصان نہیں ہے حدیث میں وارد ہے آنحضرتؐ جب کبھی بیمار ہوتے تو آپ پچھنے لگواتے تھے۔ ماضی میں خصوصیت سے موسم بہار میں جسم سے خون نکالا جاتا تھا اس سلسلہ میں چھوٹے بچوں کے جسم سے بھی خون نکالا جاتا تھا یہاں تک کہ جدید طب نے اپنا دور شروع کرتے ہی اس پر پابندی عاید کردی آج کل اس طرح چھوڑ دیا گیا جیسا کہ کوئی زہریلی نقصان دہ چیز ہو جبکہ طب قدیم اور اسلام دونوں کو اس بات پر اتفاق ہے اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ آج کل جو مرض سکتہ (ہارٹ اٹیک) میں جو اضافہ ہے آئے دن کوئی نہ کوئی موت واقع ہو جاتی ہے دراصل یہ مرض خون کی زیادتی کی وجہ سے ہے اگر اس میں سے چند مثقال خون لے لیا جاتا تو یہ حادثہ وقوع پذیر نہ ہوتا۔

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: "ان دم بمنزلة العبد وربما قتل العبد سیدہ"[1] (انسانی جسم میں) خون غلام کی طرح ہے کبھی کبھار غلام آقا کو قتل کر دیتا ہے۔) اس کے باوجود کبھی ڈاکٹر صاحب خون لینے کے بارے میں سفارش کرتے ہیں مگر وقت گذر چکا ہوتا ہے۔

[1] فرمان معصوم جدید میڈیکل سائنسدانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

حفظان صحت کے اسباب میں سے ایک **ناس لینا** ہے (یہ ناس لینا اسقدر متروک ہوگیا ہے شاید ہمیں سمجھانے کے لیے مثال دینا پڑے لسے عربی میں سعوط اور اردو میں ناس لینا کہتے ہیں۔ یہ خاص پوڈر ہوتا ہے جسے عرف عام میں ناک کی نسوار کہتے ہیں جس سے چھینک آتی ہے) اسلام نے اپنے سفارشات میں ایک اس دوا کے بارے میں ہمیں تبلایا ہے جس سے دماغ اور آنکھوں کے اعصاب میں ایک ترو تازگی پیدا ہوتی ہے اس عمل کو طب قدیم اور تجربہ نے سراہا ہے بلکہ اس عمل کو انجام نہ دینے کی وجہ سے بعض وقت جنونی کیفیت پیدا ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔

پاگل پن کے مرض میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے جس کی شرح اضافہ حیرت ناک ہے یہ بات پہلے بھی ہم بتا چکے ہیں ہر ایک سو بیس سیکنڈ میں ایک امریکی پاگل پن کا شکار ہو جاتا ہے۔

آپ خود ملاحظہ فرمایئے یہ پاگل خانے جو تعمیر ہوتے ہیں اور ان میں روز افزوں توسیع ہورہی ہے یہ سب اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اس بیماری میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جبکہ ماضی میں پاگل بہت کم ہوتے تھے اور جب وہ اسباب جس ذکر پہلے آچکا ہے پیدا ہوئے تو ان امراض میں اضافہ ہوا اور جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا حکومتوں کو فکر لاحق ہوتی گئی کہ ان کے لیے الگ عمارت بنائی جائے جہاں انھیں رکھا جائے جو پاگل خانہ کے نام سے موسوم ہوئی اور جوں جوں پاگل بڑھتے گئے اس کی عمارت میں توسیع کی گئی اب نہ جانے یہ سلسلہ کہاں تک پہنچے گا!

حفظان صحت کے اصولوں میں ایک **سرمہ** لگانا ہے۔ اس سے آنکھیں کمزور ہونے، نابینا ہونے اور دیگر امراض سے محفوظ رہتی ہیں۔ اسلام نے سرمہ لگانے کے سلسلہ میں انتہائی تاکید کی ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی یہاں تک

کہ ایک حدیث جو حضرت امام رضا (ع) سے وارد ہوئی ہے :-

ارشاد ہے : اِنَّ مَنْ کَانَ یُؤمِنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَکْتَحِلْ۔ "جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاچکا ہے اُسے چاہیے وہ سرمہ لگائے۔"

مگر مغربی طرز علاج کے وارد ہوتے ہی اُس نے کایہ پلٹ کر رکھ دیا آجکل سرمہ لگانا بُرائی میں شمار ہے جس پر لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں اور لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا اس لیے آپ دیکھتے ہیں لوگ طرح طرح کی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ جالا۔ ناخونہ۔ موتیا۔ ضعف اور بینائی سے محروم ہونے میں مبتلا ہیں۔ کتنی آنکھیں آپکو دیکھائی دیتی ہیں جو چشمہ کی محتاج ہیں۔ کتنے نابینا حضرات نظر آتے ہیں جو ایک زمانہ میں آنکھیں رکھتے تھے آج اس سے محروم ہیں۔ اگر ہم ماضی اور حال میں آنکھوں کی بیماری پر غور کریں تو شرح اضافہ آج ۹۹ فیصدی ہے۔

حفظان صحت کے اصولوں میں ایک : دانتوں کو مسواک کرنا ہے۔ اسلام نے اس بارے میں انتہائے تاکید کی ہے۔ یہاں تک کہ رسول اکرم (ص) فرماتے ہیں : لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ (اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف اٹھانے اور مشقت میں پڑھنے کا خیال نہ ہوتا تو میں ضرور ان پر مسواک کرنے کا 'حکم' 'واجبی' صادر کرتا)۔ اس سے دانت امراض سے محفوظ رہتے ہیں، منہ سے بدبو نہیں آتی، آنکھوں کی رگیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور دانت صاف رہتے ہیں، مسوڑے محفوظ رہتے ہیں۔

لیکن آج مسواک کے بدلے برش کے استعمال نے لے لی ہے۔ آج ہم دانتوں اور مسوڑوں کی بیماری کے اقسام وانواع دیکھتے ہیں۔ درجنوں آپ کو دانت ہی کے مطب نظر آتے ہیں جہاں ہر شخص دانت کی تکلیف کی شکایت لے کر آتا ہوا نظر آتا ہے۔

منجملہ حفظانِ صحت کے ایک بدن پر تیل ملنا ہے :۔ مختلف تیلوں سے جسم کو ملنے کے بارے میں سفارشات دیے ہیں اس سے انسان مختلف جلدی امراض سے بچا رہتا ہے اور مختلف جوڑوں کے درد سے نجات ملتی ہے۔

جس دن سے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہے اُسی دن سے مختلف جلدی امراض جوڑوں کے درد وغیرہ میں اضافہ ہوگیا ہے۔

منجملہ حفظانِ صحت کے اصول کے ایک شادی کرنا ہے۔ اسلام نے شادی کے بارے میں سختی سے تاکید کی ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں۔" جنسی ملاپ سے جو مواد انسان کے بدن سے خارج ہو جاتے ہیں وہ دونوں کی صحت کے لیے مفید ہیں۔ بہت سے دماغی امراض، بلیڈ پریشر، امراض قلب، گردے اور پھیپھڑے کی بیماری، دردِ معدہ، اعصابی کیفت، ٹونسل وغیرہ دراصل فطری طور پر جسم سے خارج ہونے والے مواد کے جسم میں رہ جانے کے سبب وجود میں آتے ہیں اس جنسی بے اعتدالی کی وجہ سے ان تمام آلام کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ سے معاشرہ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

منجملہ حفظانِ صحت کے اسباب میں ایک کھانے کے آداب ہیں: جیسے کھانا نمک سے شروع ہو اور نمک ہی پر ختم ہو۔ کھانے کے دوران کثرت سے پانی نہ پیئے اور ایک سانس میں نہ پیے۔ کھانے میں کچی سبزی کھائے۔ جیسا کہ (کتاب "اطعمہ اور اشربہ" میں ذکر ہے)

منجملہ حفظانِ صحت کے اصولوں میں ایک متعدی امراض سے بچاؤ ہے: جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے وغیرہ وغیرہ جیسے قئی کے ذریعہ استفراغ کرنا، حقنہ کرنا اور دیگر تسکین بخش طریقے جو اسلامی فقہ میں موجود ہیں۔ ماضی قریب

ہیں مسلمان ان تمام اصولوں پر کاربند رہا چنانچہ عام صحت تسلی بخش رہی جیسا کہ کچھ ہم نے پہلے بیان بھی کیا یہ طریقہ کار انکی زندگی کے معمولات میں شامل تھا اپنے بزرگوں سے ورثے میں جو انہیں ہاتھ آیا وہ اس پر گامزن تھے جو ان کے بزرگ اپنا چکے تھے اس پر ہی قانع تھے تو وہ جسمانی اعتبار سے صحتمند تھے۔ وہ اپنے صحت مند اعضاو جوارح وشعور کی وجہ سے زندگی کے خوشگوار لمحات سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جس دن سے مغربی نظام کا ورود ہوا اُس دن سے زندگی کے ہر شعبہ میں یہاں تک کہ اسلامی آداب اور سنت، واجبات اور محرمات میں اُس نے دخل اندازی کی اور مسلمان رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات کو چھوڑتے چلے گئے اور اس کی جگہ مغربی انداز زندگی کو اپناتے گئے نتیجہ میں مختلف امراض کے حملوں کا شکار ہو گئے۔ اب ہم جب مسلم معاشرہ کو دیکھتے ہیں تو لوگوں کو مختلف امراض اور آفتوں کے گرداب میں پھنسے ہوئے فریاد کرتے پاتے ہیں حالانکہ صحت کے جدید وسائل کے ہوتے ہوئے انکی بیماریوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا اور حیرتناک انداز پر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بلڈپریشر، کینسر، تب دق، ہارٹ اٹیک، وجع مفاصل (گٹھیا) آنکھوں کی بیماریاں، اندھا ہونا، ضعف بصر، اندھی آنت، زخم معدہ اور آنت، فالج، امراض اعصاب، پاگل پن، جلدی امراض، ٹونسل، دانتوں کی بیماری، استسقاء، مثانہ، پیشاب کی نالی اور گردے کے امراض، سکتہ قلبی وغیرہ وغیرہ حیرت کن انداز پر بڑھتے جارہے ہیں۔ باوجود ذرائع صحت کی کثرت کے بیماریوں کی روزافزوں شرح نے بہت سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے حالانکہ ان تمام بیماریوں کا سبب نہایت سادہ ہے جس سے ہر شخص غفلت برتتا ہے۔ "وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وھی ظالمۃ ان اخذہ الیھم شدید" اس طرح تمہارا رب جو بستیوں کی سرکشی کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیتا ہے بےشک اس کی گرفت بڑی دردناک اور

سخت ہوتی ہے۔

اصل سبب جس سے صحت عامہ دوبارہ بحال ہو سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ لوگ پھر سے اسلامی دستور حیات کی طرف پلٹ جائیں جب اسلامی حکومت نافذ ہو جائے تو اس کے سایہ میں اسلامی اصول صحت بھی پلٹ کر آئیں گے جس سے بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ اب یہاں یہ گمان کرنا قطعاً غلط ہے کہ ہماری صحت اور ثقافت کے انحطاط کی وجہ، ترقی اور دولت کے فقدان کی وجہ سے ہے جیسا کہ بعض لوگ جو شعور سے عاری ہیں یہ رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ یہ وہ ظاہر بین لوگ ہیں جنھیں امور کی گہرائی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے جواب میں ان سے یہی سوال کیا جا سکتا ہے!۔ جناب یہ بتلایئے اگر یہی سبب ہے ان امراض کے پیدا ہونے کا تو پھر امریکہ، انگلینڈ اور فرانس ... جو اس وقت ترقی کے معراج پر ہیں دولت سے مالا مال ہیں اور ترقی یافتہ کہلاتے ہیں پھر وہاں کیوں ایسا ہے؟ پھر آیئے روس، چین اور دوسرے سوشلسٹ وہ ممالک جو ان دونوں کی مدار پر گردش کرتے ہیں امراض کے شکار کیوں ہیں جیسا کہ تھوڑا سا اشارہ پہلے گذر چکا ہے۔ یہ بات مسلم ہے اس طرح کے تمدن سے سوائے بے چینی اور بیماریوں میں اضافہ کے کچھ نہیں ہے۔

ان تمام سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ وہی ہے جسے ہم نے ذکر کیا اور ۱۴ سو سال کے تجربے کا نچوڑ ہے۔

حفظان صحت کا ایک بنیادی اصول:۔ علاج اور دوسرا رکن پرہیز ہے ہم نے گذشتہ فصلوں میں پرہیز کے بارے میں بیان کیا ہے۔ اب رہ جاتا ہے علاج تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں:۔ طب اسلامی کا دستور مغربی انداز طبابت سے

(۱) ۱۰۲ ھود ۱۱۔

بہت مختلف ہے۔ طبابت اسلامی حکومت میں اور ہے مغربی حکومت میں اور ہے

خلاصہ فرق تین اشیاء سے واضح ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) انسانی شرافت جو خدا نے دی ہے اس پر اعتقاد

(۳) علم میں انہماک ۔

اسلامی دستور حیات طبیب کو ان تین امور کی تاکید کرتا ہے اور مغربی طرز طبابت ان تینوں کے خلاف سفارش کرتا ہے اس طرز طبابت سے انسان کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر اسلامی طرز طبابت سے نفس کو آرام اور اطمینان حاصل ہوتا ہے ۔

(۱) **اللہ پر ایمان** : اسلامی دور حکومت میں ایک ایمانی ماحول حکومت اور عوام میں پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ طبیب مومن نہ ہو مگر ماحول ایمان کا کچھ اس طرح وجود میں آتا ہے جس کی بنا پر طبابت کے اس پیشے پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے ۔

ایک مرد مومن جس کا اللہ پر ایمان ہو اور ماحول بھی اسے ایمانی ملے تو یقیناً وہ ہر وقت اللہ کا خیال رکھتا ہے اور ہمیشہ ایمانی ماحول کے ہر مرحلہ میں اس ذات خداوندی کو حاضر و ناظر سمجھ کر کام کرتا ہے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ اُسے خدا یا عوام دونوں کا خوف ہے اس کے سبب چند چیزیں وجود میں آتی ہیں ـــــ

طبابت میں دقت نظر۔ مادی فائدہ کا کم خیال رہتا ہے ۔ مریض پر مہربان ہوتا ہے۔

آپ تصوّر کیجیئے :۔ علاج میں دقت نظر سے کام ہو اور مریض پر مہربان ہو اور اُسے علاج کے سوا کسی چیز کا خیال نہ ہو ایسے ڈاکٹر کی موجودگی سے کیا کیا فوائد ہو سکتے ہیں ؟ وہ کیوں کر کامیاب ہوگا ؟ وہ کیونکر مریض کو شفا دیگا ؟ اور معاشرہ اس سے کیسے راضی ہوگا ؟ اب رہ جاتی ہے وہ بات کہ اللہ پر ایمان اور ایمانی ماحول ۔ چونکہ اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص اپنے عہدے کی مقبولیت اور ذمہ داری سے واقف ہے وہ یہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اس مریض

کی تشخیص میں وقت نظر سے کام نہ لیا، میں نے اگر تساہل برتا اسلام میں غلطی سے قتل ہونے، عضو یا قوت کے تلف ہونے پر دنیا میں دیدا اور آخرت میں سزاء کا موجب ہے یہ سب کچھ انسان کو بھگتنا ہوگا اگرچہ اس نے ابتدائی تشخیص میں تساہل برتی ہو۔ اگر طبیب یا ڈاکٹر مومن ہو اور ملنے والی سزار سے واقف ہو تو مرض کی تشخیص میں کوشش کرے گا اور جب اُسے "شرعی ڈنڈ" دینے کا احساس ہو تو علاج میں خاص خیال رکھے گا۔

اگر ماحول ایمانی ہو دیدسے واقف ہو اور اُسے یہ معلوم ہو کہ اگر میں نے غلطی کی چاہے اختیاری طور پر یا اضطراری طور پر تو مجھے حکومت اسلامی کے حکم پر دید دینا ہوگا۔ تو وہ علاج میں دقت نظر سے کام لے گا اور کام میں کوشش کرے گا۔ اس میں ضروری نہیں ہے کہ وہ قیامت پر ایمان رکھے اس دنیا کے اس ہرجانہ (دید) دینے کا خوف اُسے باز رکھے گا۔ اگر طبیب کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر غلطی سے بھی نفس قتل ہو جائے تو اس کا ہرجانہ سونے کا ہزار دینار ہے! بدن کے کسی بھی عضو کے تلف ہونے پر ایک ہزار دینار! وہ عضو جس کا دوسرا بدل عضو موجود ہو تلف کیا جائے تو پانچ سو دینار ہے۔

جسم کی کسی طاقت کے ختم ہونے پر دید ایک ہزار دینار ہے تو بتلایئے کونسا ایسا ڈاکٹر ہوگا جو غفلت برتے گا! آج کے نئے دور کے ڈاکٹر جہاں اسلامی حکومت نافذ نہیں ہے وہاں ڈاکٹر کے ہاتھوں کوئی مر جائے یا کوئی قوتِ عضو ضایع ہو جائے تو اُس ڈاکٹر پر کوئی جُرمانہ عاید نہیں ہوتا! ہم نے کتنے ایسے ڈاکٹروں کو دیکھا ہے جن سے کئی افراد بے توجہی کی وجہ سے ہلاک ہوگئے ان کا مطب حسب معمول کُھلا رہا جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ بہت سے معالجوں نے غلطی

ف۱ دیدیا دیت، یعنی ہر عضو کے نقصان کا علٰحدہ علٰحدہ معاوضہ اور اگر پوری جان جائے تو خون بہا۔

سے لوگوں کو اندھا کر دیا ان کی طاقتوں کو ناکارہ کر دیا ان کے ہاتھ یا پیر کاٹ دیے مگر کسی حاکم بالا نے اُن سے یہ دریافت بھی نہیں کیا کہ یہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ حادثہ کیوں وقوع پذیر ہوا؟ ایک بار کا تجربہ ہماری اس گفتگو کی صداقت پر کافی ہے:

ان طبیبوں اور معالجوں سے دریافت کیجیے جن کا خدا اور قیامت پر ایمان نہیں ہے۔ مرض کی تشخیص اور دوا دینے میں اگر آپ سے چوک ہو جائے جس سے انسان ہلاک ہو جائے یا اُس کا عضو ناکارہ ہو جائے اور یہ سب کچھ غلطی سے ہوا ہو، تو بتلائیے اس کا کیا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا؟ تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے اُنھیں اس بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں۔ اس غلطی سے یہ عمل وجود میں آجائے تو کرنے والے پر دید (خوں بہا) دینا واجب ہے۔ میں نے بہت سے طبیبوں سے دریافت کیا اُنھیں اس چیز کا پتہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف یہ کہتے ہیں: "انسان تشخیص میں جدوجہد کرتا ہے اگر کچھ غلطی ہو جائے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔" پھر پلٹ کر ذرا اسلامی فقہ کی طرف نظر ڈالیے اسلامی فقہ ہمیں بتلاتی ہے:۔

"طبیب ضامن ہے اگرچہ کہ حاذق ہو"

اس قاعدہ فقہ اسلامی کو جب میں نے اپنے چند دوست جو ڈاکٹری کے پیشے سے متعلق ہیں سے بیان کیا تو وہ نہایت حیرت میں پڑ گئے۔ پھر میں نے ان سے اس موضوع کی وضاحت کی اور اس حکم اسلامی کا فلسفہ بیان کیا۔

ذرا بتلائیے انسان کی قیمت زیادہ ہے یا سامان کی؟ ہمیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ اگر کسی دوسرے کا مال تلف کیا جائے اگرچہ اس کا ارتکاب کرنے والا قصداً ایسا نہیں کر رہا ہو تب بھی وہ ضامن ہے (اس کا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا)۔ اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی جان تلف ہو جائے تو حتماً ضامن ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب ڈاکٹر مومن ہو اور اگر ڈاکٹر اللہ پر ایمان نہیں رکھتا ہو اور اسلامی حکومت

کے ماتحت زندگی گذارتا ہو ضامن ہونے میں مومن کے مانند ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شخص مومن جب علاج کرے گا دوران علاج خوفِ الٰہی اُس کے دل میں ہوگا۔ وہ پھر کوتاہی کی سزا کو جانتا ہوگا اس لیے کہ اسلام نے یہ تبلایا ہے کہ کسی شخص کی کوتاہی سے کوئی شخص ہلاک ہو جائے یا کوئی عضو یا اور قوت تلف ہو جائے تو وہ خدا کے نزدیک مسؤل ہے۔ ایسا ہی ہوگا جیسے اُس نے عمداً یہ کام انجام دیا تو آپنے ملاحظہ فرمایا:۔ اسلامی فضا میں رہ کر علاج کرنے میں اور غیر اسلامی نظام میں علاج کرنے میں کتنا فرق ہے۔ اس کے بعد باری آتی ہے:۔

مادہ کی طلب کم ہوتی ہے: اس لیے کہ مومن کی نگاہوں میں مادہ لائق پرستش نہیں ہے۔ وہ خدا کو سزاوار عبادت سمجھتا ہے پھر مادہ (روپیہ پیسہ) اُس کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا وہ صرف خدا کو رازق، مارنے اور جلانے والا مانتا ہے۔ انسان کے دل میں یہ ایمان پیدا ہوتے ہی وہ مادہ پرستی سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے حدود تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ یہ تو مرد مومن کا ذکر تھا۔

اب غیر مومن (جس کے دل میں اللہ اور رسولؐ کا خوف نہ ہو) ایمانی ماحول میں رہنے کی بنا پر وہ بھی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا اس لیے کہ معاشرہ خود اُسے راہ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب ماحول ایمانی ہو۔

اب رہ جاتا ہے غیر ایمانی ماحول میں وہاں مادہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی وہ راز ہے جس پر ہمارا یہ دور عمل پیرا ہے۔ مادیت کے حصول میں ایک دوڑ ہے۔ نہایت وحشت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ ایک مریض کی بیماری کی تشخیص کے لیے میڈیکل بورڈ بیٹھتا ہے۔ اس کے اخراجات چار ہزار روپے ہیں۔ فیس معائنہ ڈاکٹر ۱۰۰ روپے، اکسرے ۲۰۰ روپے، T.B آپریشن، گردے یا دل کا۔ آپریشن کی فیس ۱۰،۰۰۰ روپے، بغداد سے کربلا تک

ڈاکٹر کا کرایہ ۱۰۰ روپے، ہسپتال میں کمرے کا کرایہ ۲۰۰ روپے (یومیہ) وغیرہ وغیرہ ..... یہ سب کچھ دینے کے بعد :-

اوّل : دواؤں کی قیمتوں میں جنونی اضافہ۔

دوم : ڈاکٹروں کی فیس۔

دوا کی قیمت : موجودہ استعمال میں آنے والی دوائیاں یعنی ٹیکے، شربت، ٹبلیٹ، وغیرہ کی اصل وہی قدیم جڑی بوٹیاں ہیں جنھیں نچوڑ کر یا پیس کر دوائیاں بنائی جاتی ہیں جبکہ قدیم دوائیاں بہت کم قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔ پرانے زمانے میں جب کوئی بیمار ہو جاتا اور ایک مہینے تک دوائیاں کھاتا یا پیتا تب بھی تمام دوائیوں کی قیمت ۲۰ روپے سے زیادہ نہ ہوتی۔

آجکل کے دور میں علاج کے لیے ۲۰ روپے کی کوئی حیثیت نہیں ہے ایک انجکشن ۲۰ روپے کا ہے۔ شربت چالیس روپے میں دیگر دوائیں ۸۰ روپے ہیں۔ ان کی قیمت دیکھ کر انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے اس کے سر پہ تنگدستی کا سایہ برقرار رہتا ہے اکثر ایسے لوگ ہیں جو بیماری کی تکلیف کے ساتھ افلاس کے دُکھ کو بھی برداشت کرتے ہیں۔ بعض لوگ موجودہ مہنگائی کا عذر پیش کرتے ہیں جو سراسر غلطی پر مبنی ہے۔ یہ سب کچھ جدید طب کی مادہ پرستی اور اللہ پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ وہ لوگ جو طب قدیم اور طب جدید دونوں کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں۔ جب کسی دواخانہ میں جائیں جہاں ایک جڑی بوٹی جس کی قیمت ۵ پیسے ہے اس بوٹی جس کی قیمت ۵ پیسے ہے اس پر معمولی سا دوا سازی کا عمل کیا جاتا ہے جب وہ تیار ہو جاتا ہے اور ٹبلیٹ یا شربت کی شکل میں بن جاتا ہے اُسے ایک روپے میں فروخت کیا جاتا ہے (جس پر ٹوٹل ۱۰ پیسے خرچ آیا ہے اس پر ۹۰ پیسے منافع لیا جاتا ہے) یہ سب اس لیے کہ طب جدید کی

بنیاد مادہ پرستی اور بے ایمانی پر ہے ۔ بیشک مصنوعی مہنگائی جو خود مغربی نظام کی پیداوار ہے دوائیوں کی مہنگائی میں اس کا بڑا ہاتھ ہے ہم تو حد سے بڑھ کر اپنا وجود قائم کردہ مہنگائی کا ذکر کر رہے ہیں جس کو ہم گردن توڑ مہنگائی کہہ سکتے ہیں یہ مہنگائی عذاب پر ایک اور عذاب کا اضافہ ہے ۔

اب رہ گئی بات ڈاکٹروں کی فیس کے نظام کی : اسلامی دور کے اطبا جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے وہ صبح و شام اپنے مطب میں آنے والے کے لیے دروازہ کھلا رکھتے تھے چاہے آنے والا امیر ہو یا غریب اور طبیب سے مراجعہ کے بعد جو بھی وہ مناسب سمجھے اُجرت دیتا تھا تھوڑا ہو یا زیادہ بلکہ اکثر مریض تو ایسے ہوتے تھے جو معائنہ تو کراتے مگر کوئی اُجرت نہ دیتے تھے اس لیے وہ اس حالت میں ہوتے کہ وہ فیس ادا ہی نہ کر سکتے تھے اور طبیب ان سے اُجرت کا مطالبہ بھی نہ کرتا ۔ اس لیے اُس نے طبابت کو تجارت قرار نہیں دیا تھا ۔ وہ تو مریض کی شفا کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھا ۔ اُس زمانہ کا طبیب جب یہ احساس کرتا کہ وہ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہو گیا ہے اس پر قانع ہو جاتا تھا جو ایک درمیانہ طبقہ کی معیشت ہے وہ اس پر شکر کرتا ۔ اکثر اطبا کو یہ کہتے سُنا (ہم نے کیا کیا جو آپ اُجرت دے رہے ہیں) میں نے خود یہ جملہ مکرر اُن سے سُنا ہے ۔

مگر آج کی دنیا میں جس کے پاس کم سے کم دس روپے معائنہ کی فیس جیب میں نہ ہو کسی مطب میں قدم نہیں رکھ سکتا ۔ یہ سب کیوں ؟ اس لیے کہ مغربی طرز کا معین کردہ فیس کا نظام جو ان کی مادہ پرستی کا آئینہ دار ہے اس نظام میں جو کچھ ہے وہ مادہ ہے ۔ اس حادثہ سے اس وقت اطبا د اسلام کو دوچار ہونا پڑا جب استعماری نظام ان کے علاقہ میں داخل ہوا اور وزارت صحت کا قیام عمل میں آیا اور وزیر صاحب نے برسر اقتدار آتے ہی ڈاکٹروں کو اپنی فیس معین کرنے کا حکم

دے دیا یہ عمل اطباء کے نسبت بہت عجیب بات تھی۔ چنانچہ وزارت صحت کی جانب سے ایک خط ایک طبیب صاحب کو محکمہ کے نوکر کے ذریعہ موصول ہوا مضمون پڑھتے ہی انھوں نے خط پھاڑ کر پھینک دیا جب وزیر صاحب کو اطلاع ملی وہ بہت غضبناک ہوئے چونکہ ان کے اور طبیب صاحب کے درمیان دوستی تھی اس لئے انھوں نے فقط سرزنش پر ہی اکتفا کیا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ یہ طبیب جناب سید میرزا محمد حسین شیرازی صاحب مرحوم تھے جو طبیب شہر جناب سید مرزا ابوالحسن شفائی دام عزہ کے والد اور مجدد کبیر شیرازی قدس سرہ کے چچیرے بھائی تھے۔ انھوں نے وزیر صاحب سے فرمایا: "میں آپ کے اعلان سے حیرت زدہ ہوں" وزیر نے کہا کیوں جناب؟ فرمایا: اس اعلان کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ رجوع نہ کرے اور ہلاک ہو جائے اس لیے کہ وہ "ڈاکٹر" کی وہ اجرت ادا نہیں کر سکتا جو آپ نے معین فرمائی ہے۔

محترم وزیر صاحب کچھ جواب نہ دے سکے اور انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور کہا مجھے تو اس اعلان کرنے کی طرف حکم ملا ہے۔

مریض پر لطف و مہربانی:۔ تمام فضائل نفسانی کا سرچشمہ اللہ پر ایمان ہے منجملہ ان کے ایک ہر مریض پر لطف و مہربانی کرتا ہے جب مریض پر ہم لطف و مہربانی کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مُراد کوئی بھی مریض ہو چاہے وہ غیر مسلم ہو گر مریض ہونے کے اعتبار سے قابل لطف و مہربانی ہے۔ اور یہ بات علاج کے سلسلہ میں نہایت اہم ہے۔ اگر لطف و مہربانی نہ ہو تو اس مطب میں کوئی شخص رجوع نہیں کرے گا اس طرح وہ طبیب بدنام اور بیکار ہو جائے گا جبکہ شفاء امراض میں طبیب کی نرمی اور اخلاق کو بڑا دخل ہے۔ اب یہ بات کہ مہربانی اور نرمی اور دیگر فضائل اخلاقی ایمان کی علامت ہیں۔ یہ نہایت واضح ہے ایمان ہی حقیقت میں وہ اہم ذریعہ ہے جس سے انسان خدا کی رضا کی طرف رخ کرتا ہے

اور اللہ کی رضا سچائی، امانت داری، بہادری، سخاوت، لوگوں پر مہربانی اور محبت میں ہے۔ آیت مبارک میں ارشاد ہے: (بے شک تو خلق عظیم پر فائز ہے)
لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لیے رسول کی پیروی میں اسوۃ ہے)
اور حدیث میں وارد ہے "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاِخْلَاق" (میں تو بس اخلاق کی سربلندیوں تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں)

هَلِ الْاِیْمَانُ اِلَّا الْحُبُّ؟ آیا ایمان محبت کے سوا کیا ہے؟

اب یہ کہنا کہ انسان کا ضمیر کافی ہے ... درست ہے اس لیے کہ ضمیر اور وجدان حقیقی معنوں میں مومن کے دل میں ہے اب رہا فطری طور پر جو ضمیر اور وجدان جسے خدا نے ہر فرد بشر میں پیدائشی طور پر رکھا ہے اس کا اثر اتنا نہیں جب تک اُسے ایمان سے تقویت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ ہم اکثر مومنین میں اس فضیلت کو واضح طور پر دیکھتے ہیں سوائے چند کے مگر یہی وجدان اور ضمیر ان لوگوں میں نہیں ملتا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے یہی وہ راز ہے کہ بعض ڈاکٹروں میں لطف و مہربانی کا وجود نظر نہیں آتا اگر پایا بھی جائے تو بہت کم۔ ہمارا مقصد اس سے انھیں دھمکی دینا نہیں ہے یہ تو ہمارا تجربہ موجودہ مسلط کردہ نظام کے بارے میں ہے جس کا کڑوا پھل ہم سب چکھ رہے ہیں۔

کسی بھی ہسپتال میں چلے جائیے یا کسی ڈاکٹر کے مطب میں داخل ہو جائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کس طرح مریضوں کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔

جی ہاں اگر مریض دولتمند ہے یا کسی عہدہ پر فائز ہے تو ڈاکٹر صاحب مجبوراً اظہار لطف و مہربانی کریں گے جو سراسر تصنع ہے جو دراصل خوف یا لالچ کی وجہ سے اظہار کیا جارہا ہے۔

لطف و مہربانی کا اثر بیمار پر: — علم النفس (سائیکلوجی) میں یہ بات

مانی جاتی ہے اور ہم بھی اس کو روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ مریض کے ساتھ اس کے دکھ میں شریک ہونا اور اس کو زیادہ ہمت دینے سے بیمار کے مرض میں کمی واقع ہو جاتی ہے یہ ایک جسمانی علاج کے ساتھ نفسیاتی علاج بھی پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اس کے علاوہ لطف و مہربانی کا بڑا اثر معاشرہ پر پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں بھائی چارہ، الفت، محبت کی فضا قائم ہوتی ہے

انسانی شرافت جو قدرت کا عطیہ ہے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

اعتقاد: یہ دوسرا نقطہ افتراق ہے طب قدیم اور طب جدید میں۔ اسلامی دور حکومت میں طبیب اس بات پر ایمان رکھتا تھا کہ انسان تمام موجودات سے افضل ہے وہ متکرم بھی ہے اور محترم بھی "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا" ترجمہ:۔ اور ہم نے یقیناً آدم کی اولاد کو عزت دی اور خشکی و تری پر انھیں اچھا اچھا رزق دیا اور بہت سے مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس احترام انسانی کی بناء پر قدیم زمانے کے طبیب ہر وہ ناروا سلوک کو جو مریض یا میّت یا صحت مند کے ساتھ کیا جائے خلاف شریعت سمجھتا ہے اور اس بات کو جانتا تھا اور ایسے سلوک کرنے والے کو دنیا و آخرت دونوں میں سزا کا مستحق سمجھتا تھا۔ ہمارے قاری پہلی بار ان باتوں کو سن کر تعجب کریں گے ہوسکتا وہ پوچھ لیں: کیا طب جدید ان پر ناروا سلوک کو جائز سمجھتی ہے؟

جواب: جی ہاں اس میں تعجب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ مغربی نظام حیات سراسر ظلم و ناروا داری پر مبنی ہے۔ ذرا کسی ہسپتال میں داخل ہو کر دیکھئے کیا کچھ دکھائی دیگا؟ بہت سے مریض پیاسے ہوں گے کوئی انھیں پانی پلانے والا نہ ہوگا کچھ ایسے ہوں گے جو گرمائش چاہیے یا کھڑکی کو کھلا رکھ کر تازہ ہوا لینا چاہتے ہوں کوئی کھڑکی

۱۔ الاسراء: ۷۰)

کھولنے یا بند کرنے والا نہیں ہے۔ بہت سے لوگ درد والم سے کراہ رہے ہیں اور ڈاکٹر صاحب نرسوں کی گفت وشنید سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ لوگ اپنا معائنہ کرانے لائن میں کھڑے ڈاکٹر کا انتظار کر رہے ہوں گے اور ڈاکٹر صاحب کسی اجتماع سے خطاب یا کسی میٹنگ میں شرکت فرما رہے ہوں گے۔

بہت سے مریضوں کو دوا کی ضرورت ہے مگر وہ دوا اس کو ملے گی جو اس کی قیمت ادا کر سکے۔ بہت سے زخمی کھڑے ہوں گے خون بہہ رہا ہوگا درد سے چیخ رہے ہوں گے۔ ڈاکٹر علاج سے گریز کرتا ہے چونکہ ہسپتال کے داخلہ کے شرائط، شناختی کارڈ، پولیس میں رپورٹ نامہ وغیرہ مکمل نہیں ہے وغیرہ وغیرہ ــــ اور بعض مریض تو میڈیکل کالج کے اسٹوڈینٹ (طلباء) کے تختہ مشق بنے ہوں گے۔ ایک ایسا مریض جس کے مقعد میں کینسر کا پھوڑا نکلا ہے اب ہر طالب علم آتا ہے اپنی انگلی اس بیچارے مریض کے مقعد میں ڈالتا ہے تاکہ وہ کینسر کے پھوڑے کی کیفیت سے واقف ہو جائے۔

ایک مریض جس کے تلی میں تکلیف ہے ہر طالب علم آکر اس کو دبائے گا تاکہ اُسے اُس کی بابت کچھ معلوم ہو جائے۔ ایک مریضہ عورت جس کے بچہ دانی میں تکلیف ہے طالب علم (لڑکا) آکر اندام نہانی میں ہاتھ ڈالے گا تاکہ مرض کی کیفیت معلوم ہو۔ ایک مریض جس کے گلے میں رسولی ہے ہر میڈیکل کا طالب علم آکر بیچارے کا گلا دبائے گا تاکہ اُسے کچھ معلوم ہو وغیرہ وغیرہ۔

یا اللہ! کیا یہ مریض اس نظام میں کھلونے کی حیثیت رکھتے ہیں؟

یہ ناروا داری کی تیسری قسم ہے جو واقعاً عجیب ہے۔ ڈاکٹر صاحبان[1] بعض اوقات شراب پیتے ہیں یا ان کے ڈیوٹی ختم ہونے کا وقت قریب ہے دہ منٹ تک گنتے رہتے ہیں جلد ختم ہو اور چلتے بنیں! کبھی اس ٹائم پر ضروری آپریشن کرنا پڑتا ہے وہ یہ شعر گنگناتا ہے ؎

---

[1] یہ اس جگہ کے حالات ہیں جہاں ڈاکٹر اور پبلک بالعموم شراب نوشی کو اپنے معمولات میں تصور فرماتے ہیں جہاں کا معاشرہ ہی غیر اسلامی ہے

ھوی ناقتی خلفی وقدامی الھوی ؛ فانی وایاھا لمختلفان[1]

اب وہ کچھ اضافہ کو کاٹتا ہے یا پھر کسی زہریلی دوا سے جسم مسموم کرتا یا مریض کا جسم پریشن کے بعد اس میں کھلا چھوڑ کر نکل آتا ہے تاکہ بعد میں اس کو اور کاٹ پیٹ بجالائے

کیا آپ نے ہماری گفتگو پر تعجب کیا ؟

جی ہاں ! مغربی نظام پورے کا پورا تعجب خیز ہے مزید جاننا چاہتے ہوں تو آپ خود تحقیق کریں ان میں بعض (بوس سلامہ) کے زبانی ان کے کتاب . . .

(مذکرات جریح) (زخمی کی یادداشت) میں پڑھیے ۔

یہ تو سب کچھ اللہ پر ایمان رکھنے اور نہ رکھنے والے ڈاکٹروں کے درمیان فرق سمجھنے کے لیے کافی ہے ۔

میت کی بے حرمتی ۔۔۔ پوسٹ مارٹم

پوسٹ مارٹم کا ذکر کرتے ہوئے جبین انسانیت پر پسینہ آجاتا ہے ۔ ایک انسان اپنے بھائی کی لاش کو اس کے مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرے یہ کس لیے ؟ صرف اس لیے کہ اس لاش کو تختۂ مشق بنا کر کچھ سیکھنا چاہتا ہے کیا اس نے سیکھ لیا ! نہیں ہزار دفعہ نہیں ! اسلامی دور میں پوسٹ مارٹم کا وجود نہ تھا تب بھی طب اسلامی نتیجہ کے اعتبار سے کئی گنا بڑھ کر تھی اس کی افادیت کا طب جدید جو معترف ہے قیاس ہی نہیں ہوسکتا ہے اس لیے کہ یہ طب اسلامی کے اعلاج اور پرہیز کے جو روشن اصول سے روشناس کرانے پر بیماری بہت کم ہوتی تھی پوسٹ مارٹم شریعت اسلام میں حرام ہے ۔ حضرت رسول خدا[ص] نے فرمایا لا تمثلوا ولو بکلب العقور (کسی بھی لاش کا مثلہ (اجزائے جسم کاٹنا) نہ کرو اگرچہ کہ وہ کاٹنے والا کتا کیوں نہ ہو) میت کے لاش کے کسی بھی حصہ سے بے حرمتی یعنی کوئی جز کاٹنے پر تو اسلام نے آخرت میں عتاب

---

[1] ترجمہ : لیرے ناقہ کی خواہش پیچھے میری خواہش آگے ہم دونوں مختلف سمتوں میں جارہے ہیں

اور دنیا میں اس کا معاوضہ یعنی جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور سزا کی کیفیت بیان کی ہے لیکن یہ مغربی نظام اسلام کی باتیں نہیں سنتا ہے وہ تو ضدِ اسلام ہے اس کی نگاہ میں کوئی منطق (لاجیک) کوئی ضمیر کی بات قابل قبول نہیں اگر کسی چیز کی اہمیت ہے تو وہ پیسہ ہے۔

یہ عجیب بات ہے، جی ہاں! ہمارے ملک میں رائج نظام مکمل طور پر تعجب انگیز ہے ان لوگوں کے لیے جو اسلامی شریعت پر ایمان رکھتے ہوں اور بطور عقیدہ ونظام زندگی اُسے اپنایا ہو۔

اِدھر دیکھئے کسی مردہ کا سر کاٹا جا رہا ہے کسی کا کان چھیدا جا رہا ہے کسی کی آنکھیں پھوڑی جا رہی ہیں اور کسی کا پیٹ چاک کیا جا رہا ہے۔!! آپ خود بتلائیے ایسی طب سے انسان کو کیا فائدہ کی توقع رکھی جا سکتی ہے جس کی بنیاد خدائی احکامات کو پس پشت ڈالنے اور انسانی شرافت اور ضمیر کو قدموں تلے روندنے پر رکھی گئی ہو۔

(یہ سب کچھ اس وقت ہے جب انسان مجبور نہ ہو حالت ضرورت میں تو ممنوعات بھی مباح ہو جاتے ہیں)

سب سے برا تو میڈیکل کے طلباء کا کام ہے۔ ہسپتال کا وہ کام جہاں لاش کو بغیر کسی وجہ اور سبب کے چیرا پھاڑا جاتا ہے۔ کسی گھرانہ کا فرد کسی بیماری یا اور کسی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے تو یقیناً اس خاندان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے ان کے لیے اس عزیز کا بچھڑ جانا کیا کم تھا کہ اچانک ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے عزیز کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے لے جایا جاتا ہے اور پھر مردہ خانہ میں جس حالت سے وہ لاش سپرد کی جاتی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور شعور انسانیت کو ایک دھچکا لگ جاتا ہے

بہ کیوں ایسا ہوتا ہے

انھوں نے تجربہ کرنا چاہا یا کچھ باتیں معلوم کیں یا کچھ اجزاء کسی دوسرے مریض کے لیے اس کے جسم سے جدا کیے ہیں یہ نہ کہوں گا کہ انھوں نے کاروباری اعتبار سے یہ کام انجام دیا۔ ان بے بنیاد منطق سے میت کے وارث اور عزیزوں کو جواب دیا جاتا ہے :-

ڈاکٹر صاحبان اس بات کو بخوبی جان لیں آپ کے علاج کا طریقہ کار یہی رہا تو لوگوں کو کامرانی نصیب نہیں ہوگی ۔

کیا آپ سمجھتے ہیں ڈاکٹر صاحبان اپنی مادہ پرستی اور ان کرتوتوں سے وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں ؟

ہرگز ایسا نہیں خود ان کو بعض ایسے مشکلات سے سخت سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے عام لوگوں کا کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

ان تمام باتوں کا حل صرف اس میں ہے کہ لوگ اسلامی نظام کی طرف پلٹ جائیں اگر ایسا ہوا تو طب کو اس کی عزت اور انسانیت ملے گی اور لوگوں کو صحت وسلامتی اور معاشرہ کو سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔

جدید طب کا صحتمند افراد سے سلوک

بعض مناسبات اور وقت کے مطابق دوائیاں اور ٹیکے عام لوگوں کو بالعموم لگائے جاتے ہیں جیسے چیچک کے ٹیکے بعض اوقات سب کو لگایا جاتا ہے تاکہ دوسرے لوگوں تک بیماری نہ پھیلے۔ ٹائیفائیڈ اور دیگر وبائی امراض کی روک تھام کے لیے عمومی ٹیکے لگائے جاتے ہیں ۔ جبکہ وہ یہ جانتے ہیں ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں اس لیے ہر شخص کی طبیعت مزاج جدا جدا ہیں

ہو سکتا ہے شاید اس متوقع بیماری سے اس قدر نقصان نہ ہو جس قدر اس ٹیکے لگانے سے ہو۔ ان کا یہ عمل ایسا ہے جیسے ٹریفک پولیس کے جانب سے گاڑی دس کیلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ تیز چلانا منع کر دیا جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ بعض گاڑی تیز رفتاری کی بنا پر تصادم (Accident) کا موجب ہوتا ہے۔ کھجور کا استعمال کرنے کا حکم اسلئے دیا جائے چونکہ بعض لوگ سرد مزاج ہیں اُنھیں کھجور کھانے کی ضرورت ہے (بعض کی ضرورت کی بناء پر سب کے لیے احکام صادر ہو)

اس پر کچھ اور باتوں کا اضافہ کیجیے:۔

کبھی کبھار سیاسی تقاضوں کی بنا پر بھی اس علاج اور پرہیز کو عمومی طور نافذ کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی گورنمنٹ یہ چاہے سیاسی طور فلاں علاقہ میں لوگوں کا جانا مناسب نہیں ہے تو وہاں یہ افواہ پھیلا دی جاتی ہے کہ اس علاقہ میں وبا پھیلی ہوئی ہے اور لوگوں کو ٹیکہ لگانے کے بارے میں سفارش کی جاتی ہے یقیناً اس طرح عام لوگ اس علاقہ میں جانا یا وہاں سے گذرنے سے گریز کریں گے مگر ساتھ ہی بیچارے عوام زبردستی ٹیکے لگانے کے مہم کا بے مقصد شکار ہو جاتے ہیں جہاں کچھ بھی اسباب اور علل ہوں اس طرح کے عمومی کارروائی شریعت اسلام کے رو سے قطعی حرام ہے چنانچہ شرعی قاعدہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

الناس مسلطون علی اموالهم و انفسهم

”لوگوں کو ان کے مال اور جان پر پورا پورا اختیار ہے۔“

اسلام کی نظر میں عام لوگوں کو کسی کام کے انجام دینے پر مجبور کرنا ان کے فطری ارادہ اور آزادی کے منافی ہے جس کی دین ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے اور اس جرم کے ارتکاب کرنے والے کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

تاریخ گواہ ہے اس طرح کی عمومی کاروائی ماضی میں دکھائی نہیں دیتی اور لوگ

اور لوگ مختلف امراض کی بھینٹ نہیں چڑھتے تھے ان عمومی ٹیکہ لگانے کی مہم جاری رکھنے کے سبب کس قدر تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میرے پاس چند ایسے شواہد ہیں مگر ہم اس کا ذکر نہیں کرتے اور میں جانتا ہوں بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں سب جانتے ہیں مغربی پیش کردہ نظام میں کیا خامیاں ہیں ہر شخص اس نظام کے گمراہی کا علم رکھتا ہے اور بخوبی جانتا ہے طبیب، ہو یا مریض، زندہ ہو یا مردہ برابر اس آگ میں جل رہے ہیں۔

علمی اعتبار سے بہت زیادہ مہارت رکھتا ہو

طب قدیم اور طب جدید میں تیسرا فرق اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے سزا کا خوف دل میں ہونے اور شرافت انسانی پر اعتقاد رکھنے کا نتیجہ ہوگا کہ انسان یہ جانے گا کہ وہ دوسرے اپنے بھائی انسان کے سامنے جواب دہ ہے اس لیے کہ وہ بھی تو اس سے متعلق ہے۔

علاج میں احتیاط اور دقت نظر:

احتیاط اور دقت نظر اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک انسان علم کی ایک وافر مقدار نہ حاصل کر چکا ہو ثقافت اور دانش کے چشمہ سے سیراب ہو اس قدر علم حاصل کر چکا ہو کہ اب وہ دوسروں کو فیض پہنچاتا ہو جس طرح پہاڑوں میں پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اسی طرح اس کے پہلو سے علوم کے چشمے بہہ رہے ہوں۔ اسلام اپنے بنیادی مذکورہ دو اصولوں ایمان بر خدا اور شرافت انسانی پر اعتقاد کی بنا پر شروع سے طب کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ علوم میں ایک خاص مقام پیدا کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ طریقہ رائج رہا طبیب حضرات علوم کی تحصیل میں محو رہتے پھر ایک دور آتا ہے تشخیص مرض اور علاج میں احتیاط برتنے کا اور جڑی بوٹی دینے کا چنانچہ اس کے لیے اکثر لوگ طبیب بن جانے یا اس منصب پر پہنچنے کا

دعویٰ اس وقت تک نہیں کرتے جب تک ایک طویل مدّت سیکھنے اور تجربہ کرنے پر
نہ گزار دی ہو۔ طبیب کہلانے کے لیے کم سے کم بیس سال یا اس سے زیادہ کا
عرصہ لگتا تھا۔ اس کی مثال علم فقہ کے میدان میں مجتہد جیسی ہے۔ اس کے فقیہ شرعی
ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ اُس نے عمر کا ایک طویل حصہ درس و تدریس
میں گذارا ہو اور اس منصب تک رسائی کے لیے انتھک محنت و مشقت اور شب زندہ داری
کی منزل سے گزرا ہو ایک چھوٹا سا جائزہ ہم پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو معلوم
ہو جائے گا کہ طب کی شان کیا ہے! اور کس قدر علم کی ضرورت ہے :-

قدیم اطباء کے نزدیک یہ بات مشہور تھی کہ علم طب امراض کی تعداد کے اعتبار
سے اُس کے اٹھارہ ہزار مسائل ہیں۔ ہر بیماری یا عارضہ کے لیے خاص علامات
(سمٹم) معین ہوتی ہے جس سے وہ مرض پہچانا جاتا تھا کچھ علامتیں سر کے لیے
مخصوص تھیں تو کچھ زبان اور آنکھوں کے لیے، کچھ جلد کے لیے تو کچھ نبض اور جسم کے
لیے۔ اور ہر مرض کے لیے مفرد دوا، یا کوئی مرکب دوائی ہوتی تو ۱۸۰۰۰+۱۸۰۰۰=
۳۶۰۰۰ ہزار تو پورا علم طب، مسائل مرض اُس کی نشانی اس کی دوا کے اعتبار
سے چوتن ہزار مسئلہ پر مشتمل ہوا جب طبیب علاج کرنے لگے تو اُسے ان تمام مسائل
کا ذہن میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ یہ سب معلوم ہونے کے بعد ہم اچھی طرح واقف
ہو جائیں گے کہ علم طب کے حصول اور تجربہ کے لیے کتنا عرصہ درکار ہے۔ اس اعتبار
سے بیس برس بھی شاید تحصیل علم کے لیے کم ہو!

اس کے بعد ذرا طب جدید کی جانب نظر ڈالیے وہاں اگر ہم بہت زیادہ فرض
کرلیں تو سات سال۔ دو سال تو اجنبی زبان سے واقفیت کے لیے نکال دیجیے
اگر یہ مادری زبان میں پڑھایا جاتا لفظ ران، آنکھ اور پیٹ سمجھنے کے لیے سبق کی
ضرورت نہ تھی اب یہ اجنبی زبان میں ہونے کی بناء پر لفظوں کے معنی اور ...

(spelling) وغیرہ یاد کرنی پڑتی ہے۔ اب باقی پانچ سال رہ جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں بھی ½ سال تعطیلات اور ½ سال دیگر عوارضات کے نذر ہو جاتے ہیں اب کتنا عرصہ باقی رہ گیا جس میں وہ علم طب حاصل کر کے ڈگری حاصل کرے۔ صرف ½۳ سال، کیا اتنا عرصہ تحصیل علم طب کے لیے کافی ہے؟ ہرگز نہیں! مگر مغربی نظام تعلیم نہایت جرأت کے ساتھ اجازت دیتا ہے: اس کا نتیجہ:— پھر ان ڈاکٹروں کو جو کالج سے فارغ ہوتے ہی علاج کرنے کی اجازت مل جاتی ہے اب ان میں جو مومن ہیں خدا اور روز آخرت پر ایمان لا چکے ہیں جنھیں اللہ کے ثواب کی اُمیّد اور اُس کے عقاب کا خوف ہے وہ تو احتیاط برتتے ہیں اور علاج کرنے سے گریز کرتے ہیں اور جو ان صفات سے متصف نہ ہوں وہ بغیر تیاری اور ہتھیار کے میدان میں کود پڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے: امراض کا پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے مریضوں کو سزا، اور معاشرہ کو مختلف امراض اور حادثات کا شکار بنا دیا جاتا ہے۔ قدیم اطباء زیر سایہ اسلام باوجود کثرت علم کے تشخیص مرض میں نہایت باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ نسخہ لکھنا ہو یا کچھ بتلانا ہوتا تو ان تمام اُمور میں دقّت نظر سے کام لیتے مگر آج کل کے بعض ڈاکٹر صاحبان اس تیزی سے تشخیص کرتے ہیں اور نسخہ لکھتے ہیں اور کچھ امور کی "تاکید کرتے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے بعض ان میں ایسے ہیں جو دو یا تین گھنٹے میں تقریباً سو مریضوں کا معائنہ بھی کرتے ہیں دوا بھی لکھتے ہیں اور غذا کا مشورہ بھی دیتے ہیں — جی ہاں یہ زمانہ تیز رفتاری کا ہے لہٰذا طب کو تیز ہونا چاہیئے ہر چیز میں تیزی، تعلیم، تشخیص، طبابت میں بھی تیزی چنانچہ لوگوں کی تیزی سے موت نے بھی تیزی کو جان لیا وہ بھی لوگوں تک سرعت سے پہنچ جاتی ہے۔ اس برق رفتاری کے قانون کے تحت اچانک آنے والی موت میں اضافہ ہو گیا جس کا سابق زمانہ میں کم وجود تھا۔

لیکن حقیقت بات یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے ۱۴ سو سال پہلے بتلایا تھا۔ "جب بدکاری بڑھ جائے تو اچانک آنے والی موت کی کثرت ہو گی۔" یہی اس کا راز ہے اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے تعجب سے کہتے ہیں اچانک موت اور بدکاری میں کیا ربط ہے۔ نہیں جناب یہ تعجب کا مقام نہیں ہے اس لیے کہ ایک معاشرہ میں کثرت زنا اس بات کی نشاندھی کرتی ہے کہ انھوں نے احکام اسلام سے اب کوئی واسطہ نہیں رکھا اگر کوئی رابطہ ہوتا تو ان کے معاشرہ میں بدکاری نہ پھیلتی جب لوگ اسلامی احکام سے اپنے کو آزاد سمجھیں تو یقیناً ہر نقصان دہ ضرر رساں امور میں اضافہ ہوگا اور جب ان کی کثرت ہو گی تو یقیناً حادثاتی موت میں دیگر امراض وعوارض کی طرح اضافہ ہوگا۔ حادثاتی موت فطرت کی جانب سے معاشرہ کے لیے سزا ہے جس میں بدکاری میں اضافہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس سوسائٹی میں امر بالمعروف اور نہی المنکر چھوڑ دیا جائے تو بدترین لوگ مسلط ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے بہرکیف طب اسلامی نظام کے زیر سایہ :۔

اللہ پر ایمان۔ انسانی شرافت جو خدا نے عنایت فرمائی اُس پر ایمان علوم فطری میں مہارت حاصل ہونا۔

غیر اسلامی نظام میں طب کی صورت حال یہ ہے: مادہ پر ایمان۔ انسانی شرافت اور بزرگی کی پائمالی۔ علم کے خزانہ سے قریب نہ ہونا

کبھی لوگ مندرجہ اشیار کو جدید طب کے احسانات میں سے قرار دیتے ہیں (۱) جدید امراض کی تشخیص کے آلات۔ مانند اکسرے (XR) تھرمامیٹر وغیرہ (۲) ہر طبیب کا مخصوص جسم کے حصہ یا مرض کے علاج میں تخصص پیدا کرنا (۳) حیرتناک انکشافات (۴) علاج میں تیزی (۵) اپریشن کا عمل۔

جواب دو طریقہ سے عرض ہے۔

(۱) اس پہلو سے جدید طب کی خوبی میں کوئی شک نہیں یہ تو عام تاثر کی بات ہے۔ عام تاثر اور ہے جدید مصنوعات سے استفادہ اور ہے۔

کیا کوئی اسلامی نظام کے تحت ان جدید آلات سے استفادہ کرنے سے روکے گا؟ اسلام اس پہلو سے کبھی نہیں روکتا معاشرہ کسی عمدہ اور بہتر چیز سے استفادہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے چاہے اُسے مغرب نے ایجاد کیا ہو یا مشرق نے یا کسی اور نے وہ تو ہر اس چیز سے روکتا ہے جو باعث فساد و خرابی ہو چاہے اُس کا ایجاد کرنے والا کوئی منحرف مسلمان ہو۔ آیا آپ نے کسی عالم کے زبانی یہ سُنا کہ انھوں نے ہوائی جہاز اور راکٹ میں سفر کو حرام قرار دیا ہو؟ یا ٹیلیفون، بجلی، ٹیلگراف، پانی، گاڑی اور ریل کو حرام قرار دیا ہو۔ نہیں ہرگز ایسا آپ نے نہیں سُنا ہوگا اور نہ کسی اور نے سُنا ہوگا۔ جی ہاں! ریڈیو کو اگر حرام کیا ہے اس کے گانے کی وجہ سے، ٹیلی ویژن کو اس کی بے حیائی کی وجہ سے مشترکہ سوئمنگ پول اس کے فسادات کی بنا پر سینما سے روکا اُس کے نقصانات پیش نظر تھے تھیٹر کو حرام قرار دیا اُس کی بدکاری کی بنا پر۔۔۔

(۲) ہم نتیجہ پر نگاہ ڈالتے ہیں: طب قدیم اپنے تمام امور کے ساتھ اور یہ جدید طب اپنے تمام امور کے ساتھ دیکھنا یہ ہے ان دونوں طریقہ علاج میں سے کونسا لوگوں کو شفا دینے کے اعتبار سے صحت عامہ کو برقرار رکھنے کے حیثیت سے کامیاب رہا؟

یعنی طب جدید کی خوبیاں بیان کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ۵۵ سیٹوں والی گاڑی سے اتر کر ۶۲ سیٹوں والی گاڑی میں سوار ہو اور اُس کی تعریف شروع کرے مگر نتیجہ کیا ہے۔ پرانی گاڑی منزل مقصود پر آرام کے ساتھ ایک گھنٹہ میں پہنچاتی ہو اور نئی گاڑی منزل مقصود پر انتہائی تھکن کے ساتھ دو گھنٹے میں پہنچائے۔ کیا صرف تعریف کرنے پر کچھ اثر ہوگا؟ حقایق میں تبدیلی ممکن نہیں ہے! ــ جی ہاں:۔

طب قدیم نتیجہ کے طور پر صحت بخش اور باعث شفا تھی جبکہ طب جدید کے سبب عام امراض پیدا ہوئے اور خیالی شفا لوگوں کو نصیب ہوئی اگر آپ کو ہمارے اس کہنے میں شک ہو تو خود لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیجیئے اور معلوم کیجئے اس طب کی آمد سے پہلے لوگوں کے کیا حالات تھے اس طب کے آنے کے بعد کیا حالات رونما ہوئے؟ بڑے بڑے شہر میں دو یا تین طبیب ہوتے تھے اور وہ تھوڑے سی مدت میں علاج کر لیتے تھے۔ کتنے مریض ہوتے تھے؟ بہت کم انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا آج اسی طرح کے شہر یا اُس کے مانند چھوٹے شہر کی حالت یہ ہے سینکڑوں ڈاکٹر اور ہزاروں مریض ہیں ڈاکٹروں کے مطب پر ایک ہجوم ہے۔ ایک طرف کمپوڈر حضرات ٹیکہ لگانیوالی نرسوں کا ٹولہ شفا خانے دوا خانے وغیرہ وغیرہ دوسری طرف مریضوں میں اضافہ، امراض میں روز افزوں ترقی حیرتناک ایجادات سے (امریکہ) فرانس اور روس نے جو موجودہ تمدن خیالی اور انکشافات کے مراکز ہیں کیا فائدہ اٹھایا ہے؟

پہلے ملک نے کینسر (مرض سرطان) پر ۱۳ فیصد قابو پالیا؟ دوسرے ملک نے دیگر امراض میں ۸۰ فیصد کامیابی حاصل کر لی کیا تیسرے ملک نے دیگر تکالیف جن کی وجہ سے وہ اپنا چھٹی کے دن شفا خانوں میں گذارنے میں ۹۰ فیصد قابو پا لیا؟ جبکہ ان خیالی اکتشافات نے عالم بشریت کو ایسی بیماریوں اور آفات سے روشناس کرایا جو پہلے کبھی نہ تھے۔ اس لیے کہ اس میں غلطی تھی جیسا کہ استعماری اعلانات سے پتہ چلتا ہے جو نئے ایجاد کے بارے میں بطور بیان شائع ہوئیں اور ان میں نئے ایجاد میں جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس طرف اشارہ کیا ہے:

جی ہاں! مغربی نظام پورے کا پورا ایک کھیل ہے جس کے نفاذ سے تباہی اور بربادی آتی ہے۔ پارلیمنٹری قوانین سربراہوں کے ہاتھ کھلونے کی طرح ہیں ہر روز ایک نیا قانون نافذ کیا جاتا ہے یا موجودہ قانون کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح طب بھی ان کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئی ہے اور روزآنہ ایک نئی دوا کا انکشاف ہوتا اور پرانی دوا لغو قرار دی جاتی ہے۔

جنگ اور امن دونوں ان کے ہاتھ کھلونا بن کر رہ گئے۔ وہ خود ایک طرف تو دنیا میں سلامتی اور امن کی صدا بلند کرتے ہیں دوسری طرف متحارب گروہوں کو اسلحہ سپلائی کرتے ہیں اور ساتھ ہی امن کے سیمنار منعقد کرتے ہیں۔

نظریات بھی کھلونا:۔ کبھی فرائڈ کی فکر کو اپنا لیتے ہیں اور کبھی اس کے ضد کو۔ ایک دن ڈارون کے نظریہ کو مانتے دوسرے دن اس کو رد کرتے ہیں۔

عام اصول زندگی کو لیجیے اسے بھی کھلونا بنالیا ہے ایک دن ملوکیت کے مداح ہیں تو دوسرے دن جمہوریت کو اپنائے ہوتے ہیں ایک دن ڈیموکریسی کو سینہ سے لگاتے ہیں دوسرے دن ارستقراطی نظام کو پسند کرتے ہیں۔ کبھی کمیونزم کو اپنایا تو کبھی سوشلزم کو اختیار کیا اور کبھی ادھر سے کچھ ادھر سے کچھ ملاکر ایک معجون کو اپنالیا۔ کہاں کی تیزی! جدید طب فشارِ خون (بلیڈ پریشر) ضیابیطس (شوگر) تپ دق (ٹی۔بی) کمزوری اعصاب اور کینسر وغیرہ جیسے امراض کا ابھی تک علاج کرنے میں ناکامیاب رہی۔ اکثر ڈاکٹر صاحبان کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے (علاج جاری رکھیں اور زندگی بھر پرہیز کرتے رہیں) سوال تو یہ ہے کہ علاج کہاں ہے۔ علاج کس چڑیا کا نام ہے؟ اس کے بعد ہم یہ خلاصہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ یہ تیزی ہے یا سست رفتاری ہے؟ آپریشن کے عمل کو لیجیے (دیگر برائیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے) ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ لوگوں کو ان امراض میں کس نے مبتلا کیا؟ کہ انھیں اس طرح کے علاج کی طرف جانے کی ضرورت پڑی ذرا سوچیے تو صحیح اندھی آنت (اپنڈیکس) کی بیماری میں کس قدر لوگ پہلے مبتلا ہوتے تھے اب کس قدر مریض مبتلا ہوتے ہیں پچاس ہزار

افراد میں ایک بھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تھا جب وہ اس مرض میں مبتلا نہ ہوتا تو علاج کی کیا ضرورت تھی۔ طب جدید کے اصولوں نے اس بیماری کو عام کر دیا اب ہر دس ہزار افراد یا پانچ ہزار افراد میں ایک شخص ضرور اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ طب قدیم (یونانی) میں ایسے امراض کا علاج گولیوں، ست، شربت اور مالش کے ذریعہ علاج کیا جاتا تھا یہ طریقہ کامیابی کے بہت قریب اور خطرات سے بہت دور تھا برخلاف اس جدید طب کے اُسے کوئی پروا نہیں ہے دائیں بائیں جیسا چاہے بغیر کسی جواز کے جسم انسانی کے ساتھ سلوک کیا۔ کتنے ایسے واقعات گذرے ہیں جدید طب کے دلدادہ لوگوں نے کسی مرض کے خیال سے جسم انسانی کو چاک کیا بعد میں پتہ چلا خیال غلط تھا اس اپریشن کا کوئی جواز نہ تھا سوائے جہالت کے کتنے ایسے لوگ ہیں جنھیں اپریشن کرانے کا مشورہ دیا گیا اور انھوں نے ان کی بات نہ مانی اور معمولی دواؤں سے علاج کر کے کامیاب ہو گئے۔

ہم نے جو کچھ زیادہ یا کم ذکر کیا ان سے بہت سے لوگ واقف ہیں بلکہ بعض ڈاکٹر صاحبان خود بھی جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں رائج مغربی نظام کسی منطق (لاجک) سے واقف نہیں ہے وہ کسی کی شکایت کو سنتا بھی نہیں ہے استعمار کے داخل ہوتے وقت ہمارا یہ ملک بہت کمزور تھا باہر سے برآمد کردہ نظام زندگی کو ہم پر ٹھونس دیا گیا یہی سلسلہ جاری رہے گا جب تک لوگ خواب غفلت سے بیدار نہ ہو جائیں اور بہتر اور بدتر کی پہچان ہو جائے فاسد اور مصلح کے درمیان امتیاز پیدا کریں آپ سب کو یاد ہے گذشتہ برباد شدہ حکومت نے کس طرح طب قدیم کے اطباء کے مطب کو بند کرایا اور انھیں کورٹ میں پیش ہونے پر مجبور کیا اُن کی جڑی بوٹیوں کو لوٹ کر لے گئے اسی طرح جڑی بوٹی فروخت کرنے والے تاجروں کو کچہری میں پہنچایا اور ان پر جرمانہ عاید کیا اور

ان کے پاس موجودہ جڑی بوٹیوں کو قبضہ میں لیا تاکہ انہیں پھینک دیں۔

سوال تو یہ ہے کہ آیا اس طب قدیم (یونانی) سے کسی کو نقصان پہنچا یا نہیں؟

— ہرگز نہیں ! ہرگز ایسا نہیں ہے . . .

یہ نوآبادیاتی نظام کا کارنامہ ہے یہ اس کی منطق ہے جس کو طاقت کا سہارا ہے اور یہ مقولہ صحیح ہے۔ (بات تو طاقت کی ہوتی ہے) جس کے پاس قوت ہو وہ اپنے حق کو منوالیتا ہے۔ یہی کام انھوں نے دوسرے ممالک جہاں ان کی رسائی ہوئی انجام دینا چاہا مگر وہاں عوام کی طاقت کی وجہ سے انھیں منہ کی کھانی پڑی اور مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جب انھیں یونانی علاج سے روکا گیا تو انھوں نے وجہ دریافت کی وہاں استعمار۔ انگریز تھا اسنے جواب دیا ان طبیبوں کو کچھ بھی سمجھ نہیں ہے ان کے علاج سے بہت سے لوگوں کو نقصان اور بہت سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ طبیبوں نے کہا آیئے ہم تجربہ کر لیتے ہیں، کچھ مریضوں کو ڈاکٹروں کے حوالہ کردیں اور کچھ اس قسم کے بیماری میں مبتلا مریضوں کو حکیموں کے حوالہ کردیں ٹائم مقرر ہوجائے کہ اتنے عرصہ میں شفا ہونا چاہیے۔ اب اگر ہم کامیابی کے اعتبار سے ڈاکٹروں سے کم رہے تو ہم مان لیتے ہیں اور ہم اس پیشۂ طبابت کو چھوڑ دیتے ہیں اور اگر ہم کامیاب رہے تو پھر حکومت کو ہم پر پابندی عاید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ انگریز حکمراں نے عوام کی طاقت کے سامنے مجبوراً تسلیم کرلیا۔ چنانچہ مریضوں کو ڈاکٹروں اور حکیموں کے درمیان بانٹ دیا گیا اور وقت معین کیا گیا۔ انجام کار حقیقت سامنے آگئی وہ مریض جو حکیموں کے حصہ میں آئے تھے وہ ٹھیک ہو گئے اور وہ مریض جو ڈاکٹروں کے حصہ میں آئے تھے ان کی بیماری نے طول پکڑ لیا۔ اس طرح عوام اور حکیموں کی کوشش سے انگریز کو جھکنا پڑا اور طب یونانی کو اجازت دینی پڑی۔

اور آج ان ملکوں میں جدید طب کے ساتھ قدیم طب بھی اپنی روایتی انداز پر مصروف علاج ہے اور بہتر نتائج برآمد ہو رہے ہیں اس لیے انگریز کو مجبوراً اجازت دینی پڑی یہ ہندوستان اور پاکستان ہیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا اور وہاں طب قدیم مصروف عمل ہے۔ وہ دن بہت قریب ہے جب لوگ طب قدیم اور طب جدید دونوں کی خوبیوں کو جمع کر کے علاج پر نظر ثانی کریں گے۔

اگرچہ بات یہیں نہیں رہ جاتی اگر عوام چاہیں تو صحت عامہ پلٹ کر آئے اور بیماریوں کا قلع قمع ہو تو ضرور ہے کہ "حکومتِ اسلامی" کا نفاذ ہو ورنہ غیر اسلامی نظام کے زیر سایہ صحیح طب بھی ہو تو علاج ناقص ہو گا یہ یاد رہے حقیقی علاج اور پرہیز کہیں بھی دستیاب نہیں ہو گا سوائے اسلام کی حکمرانی کے۔ آپ بتلائیں صحیح طب کیا کر سکتی ہے! ہزاروں تپ دق کے مریض ہیں جنھیں شراب اور حرام کھانے کی عادت نے تباہ کر دیا ہے۔ ان مریضوں کے بارے میں کیا کرے جو موجودہ فاسد نظام کی وجہ سے نفسیاتی مریض ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ ان پر رنج کا غلبہ رہتا ہے اُنکے اعصاب جواب دے چکے ہیں وہ مختلف ابتلایات میں پڑے ہوئے ہیں۔

جی ہاں اس فضا میں حقیقی طب گنگنا کر یہ شعر پڑھ رہی ہے

أَرَىٰ أَلْفَ بَانٍ لَا يَقُوْمُ بِهَادِمٍ * فَكَيْفَ بِبَانٍ خَلْفَهُ أَلْفُ هَادِمِ

"ہزار عمارت ایسی ہیں جن کا کوئی گرانے والا نہیں ہے سو بتلایئے اس عمارت کا کیا ہو گا جن کے ہزار گرانے والے ہوں۔" اس گفتگو سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اسلامی نظام کا دوبارہ نفاذ ہو اسلام ہی صحت عامہ اور طب کو اس کا صحیح مقام دلا سکتا ہے اور لوگوں کو پرہیز کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں جس سے وہ امراض اور آفتوں سے بچے رہتے ہیں اس طرح صحیح علاج مل سکتا ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جدید انکشافات سے فائدہ نہ اٹھائیں

اور طب نے جو ترقی کی ہے اُس سے مستفید نہ ہوں۔ اسلام تو یہ کہتا ہے حکمت مومن کی کھوئی ہوئی اونٹنی ہے جہاں اُسے مل جائے اُسے لے لیتا ہے۔

تیسری فصل

فضیلت (خوبی) رذالت (بدی)

کیا انسان کا اچھی صفتوں سے متصف ہونا ضروری ہے؟ یا یہ باتیں بزرگواری خیالات ہیں جیسا کہ مارکس کا گمان ہے؟

عقل، منطق اور جاری عمل یہاں تک ان لوگوں کے نزدیک جو مارکس کے معتقدین پہلے شق کے حق میں ہیں لیکن "مارکس" بگنر (میکافیل) یا ان کے دیگر ہم فکر لوگ کہتے ہیں یہ تو ماضی کے تاریک دور کی نشانی ہے۔

درحقیقت انہوں نے یہ فکر ڈاروِن اور فرائیڈ سے لی ہے

ان دونوں نے کہا تھا: —— اخلاق۔ ایمان الم نظم کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہیے البتہ چند باتیں سوال کے انداز پر ان حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں اگر آپ نے کسی کے پاس ہزار دینار بطور امانت رکھوائے بعد میں آپ نے رقم کا تقاضا کیا اور وہ انکار کردے آپ کا کیا خیال ہے یہ اس کا عمل نیک ہے یا بُرا؟

آیا آپ اس شخص کی مذمت کریں گے یا تعریف؟

جی ہاں اس موقعہ پر سب یک زبان ہوکر کہیں گے وہ شخص قابل مذمت ہے تو جناب یہی معنی رذالت (بدی) کے ہیں۔ یہی لوگ مانتے ہیں کہ خیانت بری شی ہے اگر یہ لوگ ایک لائن میں کھڑے ہوں ایک شخص اپنا ریوالور نکال کر ان کے سینہ کا نشانہ باندھے اور بغیر ان کے کسی جرم و خطا کے ان کو قتل کرنا چاہے صرف اس لیے کہ اس کا

دل چاہتا ہے وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جب ان کو گولی لگے گی تو کیسے زمین پر گرتے ہیں، کیسے! ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ لوگ کہیں گے انکا یہ عمل نیک تھا یا بد (یہ عمل قابل تعریف ہے یا قابل مذمت)

جناب یقیناً سب کہیں گے یہ عمل بہت بُرا تھا اور یہ شخص قابل مذمت ہے۔ بس یہی تو ذلالت اور بدی کے معنی ہیں۔

یہاں تک یہ لوگ خود معترف ہیں کہ سنگدلی بُری صفت ہے۔ اگر انہی لوگوں سے کسی بیابان میں یہ اتفاق ہو جائے کہ ان کی گاڑی ٹوٹ جائے دشت میں پیاس کی شدت سے جان بلب ہو جائیں اُسی وقت ایک پانی کا ٹرک گذرے وہ فریاد کریں کہ وہ پیاسے ہیں انہیں پانی پلایا جائے مگر ڈرائیور گاڑی روک کر بجائے اس کے کہ پانی پلاتا چند گالیاں سُنائے اور چلتا بنے اور صورت حال یہ ہو کہ ڈرائیور کو پانی کی ضرورت بھی نہ ہو وہ چند لمحوں بعد کے قریب پہنچ کر پانی کو گرا دیتا ہے۔ جناب اس ڈرائیور کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ شخص قابل تعریف ہے یا قابل مذمت!

جی ہاں! سب ملکر یہ کہیں گے کہ یہ قابل مذمت سلوک تھا۔

جی تو یہی معنی رذالت (ذلالت پن) کے ہیں یہی لوگ متفق طور پر مانتے ہیں کہ کنجوسی ذلالت ہے۔ اب ان باتوں کو چھوڑ دیئے۔

یہی لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور اپنے علوم کے بارے میں بحث کرنے لگے اور اُس کے پھیلانے کے بارے میں غور کرنے لگے۔ ایک انجان تاجر آجاتا ہے جسے یہ لوگ نہیں پہچانتے ہیں اُس نے ان کے نظریہ اور علوم کو پھیلانے کے لیے دس ہزار دینار دیئے۔ اب بتلایئے اس تاجر کے عمل کو کیا کہیں گے اس شخص کی تعریف کریں گے یا مذمت؟ بے شک سب کہیں گے یہ شخص قابل ستائش ہے یہی تو فضیلت (شرافت) کے معنی ہیں۔ یہاں یہی لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ احسان کرنا

(شرافت) ہے۔ اگر یہ لوگ کسی بیابان میں راہ کھو بیٹھیں اور ہلاکت کے قریب ہوں جو بھی وہاں سے گذرے ان سے سوال کرنے پر ان کا مذاق اڑائے اور ان سے جھوٹ بولے اور انھیں راستہ نہ دکھلائے یہاں تک کہ وہ جاں بلب ہو جائیں اور اپنی زندگی سے مایوس ہو جائیں اسی دوران ایک شخص آکر ان سے سچ بات کرے اور راستہ دکھلادے۔ بتلایئے اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آیا یہ شخص قابل مدح ہے یا مذمت ہے۔ تو جناب یہی تو معنی فضیلت (شرافت) کے ہیں یہی لوگ اعتراف کرتے ہیں سچ کا فضیلت میں شمار ہے انہی لوگوں پر اگر کوئی چور حملہ کرے اور چاہے ان کو قتل کر کے مال لوٹ کرلے جائے اور وہ فریاد کریں لوگوں سے کہ مدد کرو اور لوگ جواب نہ دیں یہاں تک کہ وہ ہلاکت کے قریب ہوں اس درمیان ایک شخص تلوار نیام سے نکال کر اپنے کو خطرہ میں ڈالکر چور پر حملہ کردے اور چور اس شخص کی بہادری کی وجہ سے بھاگ جائے اور یہ لوگ نجات پالیں بتلایئے اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آیا اس شخص کو قابل تعریف سمجھیں گے یا قابل مذمت؟ یقیناً سب کہیں گے یہ شخص قابل تعریف ہے۔

بس یہی تو معنی فضیلت کے (شرافت) ہیں۔

تو جناب یہی لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ بہادری فضیلت ہے۔ بہر کیف خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آدمی کی خوبیاں جسے فضیلت کہتے ہیں قابل ستائش ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جو اس کے منکر ہیں۔

آدمی کی برائیاں جسے رذالت کہتے ہیں قابل مذمت ہیں یہاں تک کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جو اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ آیئے ہم ایک اور سوال کرتے ہیں:۔۔۔ کیوں معاشرہ کو فضیلت (خوبی) کی ضرورت ہے اور کیوں وہ رذالت (بدی) سے کراہت رکھتا ہے؟ ......

جواب :۔ خوبیوں پر زندگی استوار ہوتی ہے اور بدی سے زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنی زندگی سے محبت رکھتا ہے جو شئی اس کے زندگی کے خلاف ہو اسے وہ ناپسند کرتا ہے

یہ کیسے؟

پہلی مثال میں ایک ہزار روپے جو بطور امانت رکھا تھا واپس دے دینا زندگی کی تعمیر کرتا ہے نہ دینا زندگی کو برباد کرتا ہے

تیسری مثال میں پیاسوں کو پانی پلانا زندگی پلٹانا ہے اور اس موقعہ پر پانی نہ دینا زندگی تباہ کرتا ہے ــــ اس طرح دیگر مثالوں میں یہی بات ہے۔

تو صحیح معاشرہ وہ ہے جہاں فضیلت (خوبیوں) کا بول بالا ہو (ہر طرف شرافت ہی شرافت نظر آئے) سچائی، امانتداری، حیاء، وفا، کرم، بہادری، احسان اور مواسات ہو ــــ خراب معاشرہ وہ ہے جہاں رذالت (بدی) کی حکمرانی ہو ہر طرف ذلالت، کا دور دورہ ہو ــــ

خیانت، افترا پردازی، جھوٹ، دھوکا، بزدلی، بخیلی، چوری اور قتل وغیرہ ہو۔ معاشرہ جس قدر فضیلت سے قریب ہو جائے اتنا وہ صحت اور سلامتی سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اور جس قدر وہ فضیلت اور شرافت کو کھو بیٹھے وہ معاشرہ ذلالت میں پڑ جاتا ہے اور فساد اور دشمنی سے قریب تر ہو جاتا ہے۔

اگر ایک معاشرہ میں جھوٹ کا وجود نہ ہو اور دوسرے میں جھوٹ کا رواج ہو تیسرا گروہ ایسا ہو جو درمیانی پوزیشن پر ہو تو یقیناً پہلا تو صحیح اور دوسرا خراب معاشرہ کہلائے گا تیسرا جہاں تک سچائی ہے وہ خوبی کے قریب ہے دنیا کے تمام ممالک میں نظام حکومت کا نفاذ محض معاشرہ میں رواج فضیلت (خوبیوں) کے لیے ہے۔ ایک نظام جو چور کو قتل کی، دھوکا دینے والے کو جرمانے کی، تجاوز کرنیوالے

کو قتل کی سزا دیتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ وہ اس نظام کی خواہش ہے کہ چوری، دھوکہ دہی، قتل اور جارحیت نہ ہونے میں جو فضیلت ہے اس کا تحفظ ہو۔ میں ہر نظام کی سچائی کا قائل نہیں ہوں میرا مقصد یہاں یہ ہے کہ ہر ملک میں کوئی نظام رائج ہے اس کا مقصد فضیلت (خوبی) رواج کے سوا کیا ہے اگر وہاں کوئی جھگڑا ہے تو تعین مصداق میں ہے۔ مثلاً: مسلمان بے پردگی کو حرام سمجھتے ہیں اور دوسرے اُسے جائز جانتے ہیں یہ اس لیے نہیں کہ وہ اسے بُرا سمجھیں اور رذالت میں شمار کرے وہ کہتے ہیں یہ بُرا نہیں ہے مسلمان اُسے بُرا مانتے ہیں۔ علمی اصطلاح میں یوں کہہ سکتے ہیں نزاع صغریٰ میں ہے کبریٰ میں نہیں ہے۔

مثال یہ ہے۔ سب کا اجتماعی طور پر اعتراف ہے کہ افیون صحت کے لیے مُضر ہے (کبریٰ) اب جو سامنے شئے ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے کچھ کہتے ہیں یہ افیون نہیں ہے اس کا استعمال جائز ہے (کلیت یعنی افیون کا مضر صحت ہونے میں اختلاف نہیں ہے) بہرکیف فلاں شئ فضیلت ہے اور فلاں شئ رذالت ہے۔

اس کے لیے فلسفہ پڑھنے کی ضرورت ہے جو اس وقت ہمارے لکھنے کا مقصد نہیں ہے۔ بات تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام سے ایک ایسا ماحول وجود میں آتا ہے جسے فضائے فضیلت کہہ سکتے ہیں ایسے ماحول میں ہر شخص اطمینان، استقرار، بھائی چارہ اور محبت کی فضاء میں زندگی گذارتا ہے اور وہ مراحل حیات میں بلندیوں کی طرف گامزن رہتا ہے۔ اس کے برخلاف غیر اسلامی نظام میں زندگی کے ہر شعبہ میں رذالت (بُرائی) کا دور دورہ ہوتا ہے وہ دیکھتا نہیں وہ سنتا نہیں نہ وہ چھوتا ہے نہ وہ کچھ لیتا ہے اگر وہ کچھ کرتا ہے تو رذالت (بدی) کے تاریک ماحول میں اس کام کو انجام دیتا ہے یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی ایسی جگہ زندگی گذارے جہاں دھواں اٹھتا رہتا ہو تو یقیناً اس کا کام اور رہر حرکت و سکون راکھ کے ڈھیر کے قریب

ہوگا۔ اب دیکھتے ہیں اسلام اس ماحول کو کیسے پیش کرتا ہے :

اسلام تین ٹھوس اصولوں پر قائم ہے :

(۱) صحیح اعتقاد (۲) وہ نفس جو مستقیم ہو (۳) درمیانہ حد تک آزادی۔

فضیلت کے بنیادی اصول یہی ہیں جس سے رذالت (بدی) کو دور بھگایا جاسکتا ہے ایسے ماحول میں فضیلت، خواہش کے مطابق بہتر انداز پر نشو نما پاتی ہے اور رذالت (بدی) کوسوں دور ہو جاتی ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے ان رہنما اصولوں کے تحت کیونکر فضیلت کو پائداری مل سکتی ہے اور اسلامی معاشرہ کیوں کر ان کو حاصل کرسکتا ہے؟ اور مغربی معاشرہ اس کے برخلاف ہے ۔

سو ہم کہتے ہیں :۔ صحیح اعتقاد : اس سے ہماری مراد اسلامی اعتقاد ہے اس لیے کہ اس کی بہتری پر دلیل قائم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ اور اس میں شامل ہے :۔

اللہ پر اعتقاد کہ وہ رزق دینے، مارنے اور جلانے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شئی ہے اور اُسے ہر شئی پر قدرت حاصل ہے۔ ہر شئی کا علم رکھتا ہے اور ہر شئی کا عطا کرنے والا ہے۔ اپنے امر و نہی و تخلیق میں عادل ہے۔ خداوند عالم کی طرف سے آنے والے سفیروں اس کے جانشینوں، انبیاء علیہم السلام اور اوصیاء (ع) پر اعتقاد، خدا نے انھیں رشد و ہدایت اور اصلاح کے لیے بھیجا ہے۔

قیامت پر یقین :۔ قیامت کے دن پر یقین جس دن نیک کام کرنیوالوں کو نیکی کا صلہ ملے گا اور برائی کے ارتکاب کرنے والوں کو نیکی کا صلہ ملے گا اور برائی کے ارتکاب کرنے والوں کو سزا، دی جائے گی ۔ جب انسان کا عقیدہ

اس طرح مستحکم ہو جائے جیسا کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ کہ جھوٹ، خیانت، قتل، چوری، رشوت، حق کے خلاف حکم، اہانت، ایذا رسانی، ان امور سے نفرت و دوری جن امور کو منع فرمایا ہے جس کے نتیجہ میں روز قیامت سزا دی جائے گی جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے خبر دی ہے۔

انسان کے نزدیک دو چیزیں وافر مقدار میں موجود ہونا چاہیے :-

(۱) ایک جھوٹ کے نقصان اور سچائی کے مفید ہونے پر تصدیق۔ اس طرح انسان سچائی کو اپناتا ہے اور برائی سے پرہیز کرتا ہے۔

اللہ نے جھوٹ کو بے مقصد حرام قرار نہیں دیا بلکہ اصل وجہ اس کا نقصان ہے کم سے کم سمجھنے کے لیے ہم قیاس کریں تو ایسا ہے جیسے طبیب مریض کو بعض کھانے پینے کی اشیاء سے منع کرتا ہے ایک وہ شخص جو ضرر سے واقف ہے اُس کے منع کرنے پر انسان اپنے کو ممنوع اشیاء سے روکتا ہے جب ایک مخلوق کے منع کرنے پر انسان فائدہ اُٹھاتا ہے پھر خدائے عزوجل وہ ہر شئی کا علم رکھتا ہے اور کسی چیز سے نہیں روکتا مگر ضرور اس میں کوئی حکمت اور مصلحت موجود ہوتی ہے جس کا بالآخر تعلق انسان سے ہے وہ ذات بے نیاز ہے :

(ب) گناہوں کی پاداش میں قیامت کے دن کی سزا کا خوف اور نیک عمل کرنے پر بلند درجات کی اُمید :—— یہ بھی انسان کو عمل کرنے اور برائی سے روکنے میں بڑا کام انجام دیتی ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں انسان بہت سے خواہشات سے اپنے کو روکتا ہے جیسا کہ وہ جانتا ہے کہ اس میں نقصان نہیں ہے اس لیے کہ حکومت نے اس پر سزاء اور جُرمانہ کا تعین کر دیا ہے۔ تو پھر آخرت کی سزا کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہاں تو وہ آگ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے: "نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُ" اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ

www.kitabmart.in

ہے) "الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ[1]" (زبان سے چھوتے ہی دل تک پہنچ جائے)

آپ خود ملاحظہ کرتے ہیں حکومت اسلامی کا شیرازہ بکھرنے کے بعد بھی نصف صدی سے ابتک بہت سے ایسے مسلمانوں کا گروہ ہے جو کبھی بُرائی کا ارتکاب نہیں کرتے صرف خدا اور اس کے عذاب کے خوف سے۔

اسی طرح وہ نیکی، احسان، کارخیر، تعاون باہمی، رشتہ داروں کا حق دینا اور فقیروں پر لطف وکرم سے پیش آنا محض اس لیے کہ وہ اللہ کی رضا اور اُس کے ثواب کے اُمیدوار ہیں۔ کبھی یہ بھی کوئی کہہ سکتا ہے :۔ اس جیسے خوف کی آگ میں رات دن جلانے کے بجائے ان کو ان کے حال پر چھوڑنا کیا بہتر نہ ہوتا؟

جواب: ہرگز ایسا نہیں ہے یہ ایجاد خوف نہیں ہے بلکہ خوف کی وجہ سے اصلاح مقصود ہے۔ ہر انسان میں بشر ہونے کے اعتبار سے کچھ تقاضائے بشریت سے جذبات واحساسات وصفات ہیں۔ خوف، بزدلی، کرم، ایثار، اقدام، حملہ کرنا اور شہوت ولذت وغیرہ۔ یہ کہنا کہ ان صفات کو انسان کی گہرائی سے اُکھیڑ کر دور پھینکا جا سکتا ہے سراسر جہالت پر مبنی خیال ہے اور سینکڑوں افراد میں جو مشاہدہ ہے اس کے برخلاف ہے تو ہمیں چاہیے کہ انسان میں موجود ان جذبات واحساسات اور صفات کو اس جانب لے جائیں جس سے انسان کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچے۔ اور یقیناً اسلام دنیا کے تمام نظاموں اور دساتیر عالم میں حیات بخش ہے اس پہلو کے اعتبار سے دانا اور بہتر ہے۔

غیر اسلامی نظاموں میں انسان کی اندرونی پوشیدہ جذبات واحساسات کو بروئے کار لانے کی صلاحیت کا فقدان ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کاشتکاری کے لائق میٹھا پانی سیم وتھور زدہ علاقہ میں چھوڑ دیا جائے جس سے اور مزید نقصان اٹھانا پڑے اپنے خوف کے جذبہ کو اللہ کے خوف کی جانب مبذول

---

[1] آیت ۷ سورہ ھمزہ

کرو خوف اگر رکھو تو صرف خدا سے، اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں اپنے بڑے لیڈروں اور راستہ کے حادثات سے مطلق نہ ڈرو اس لیے کہ بت میں نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں ہے لیڈر فائدہ بخش نہیں سوائے حکم خدا کے رات دن کے پیدا کردہ آفات اوپر کے حکم پر چلتے ہیں اپنے عنایتوں کو زکواۃ ادا کرتے، اقربا سے ہمدردی کرتے محتاج اور فقیروں کی مدد کرنے اور دیگر نیک کاموں میں حصہ لینے میں صرف کرے جس سے دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ ہوگا۔ اپنی سخاوت کو شراب خانوں، کلبوں، مقامات فسق و فجور، تھرکتے جسموں کے ساتھ رقص کرنے والی عورتوں کی محفلوں میں نہ خرچ کرے اگر ایسا کیا تو یقیناً دنیا اور آخرت دونوں میں وہ شخص مبتلائے رنج ہوگا۔ انسان کو پیش قدمی کرنا چاہیے مگر پیش قدمی پرچم اسلام کو بلند کرنے کے لیے دنیا کے کمزور عوام جو استبدادی پنجوں کی گرفت میں ہیں انہیں نجات دلانے اور زمین کو سرکش، سنگدل ظالم و جابر کے وجود نجاست سے پاک کرنے میں صرف ہو تو یقیناً اس کے عمل سے دنیا و آخرت میں اس کا بھلا ہوگا۔ اپنے اقدام پسند کو اسلام سے جنگ کرتے دنیا کے کمزور عوام کو قدموں تلے روندنے تاکہ طاقتور کا فائدہ ہو دنیا کے سرکشوں کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے میں اگر صرف ہوا تو یہ اقدام پسندی تیرے اور دوسروں کے ہلاکت کا سبب ہوگا۔

ہمارے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ اور روز آخرت کا خوف دلانا اس کا مطلب خوف ایجاد کرنا نہیں ہے بلکہ خوف سے بہتر کام لینا ہے جس سے انسان حق اور بھلائی سے قریب ہو جاتا ہے۔ اگر اس جذبہ کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس مضمون سے باخبر ہونے کے بعد بعض ناواقف لوگوں کے اعتراض کا جواب مل جاتا ہے جو کہتے ہیں:۔ اللہ نے انسان میں ان کمزوریوں کو کیوں

پیدا کیا؟

جواب: یہ کمزوریاں نہیں ہیں اگر یہ حصہ انسان میں نہ ہوتا تو انسان انسان نہ کہلاتا۔ دیکھئے تو صحیح اگر انسان میں ڈر کا فقدان ہوتا، کوئی شخص احترام قانون نہ کرتا کیوں احترام کرے؟ اس لیے کہ وہ سزا، جرمانہ اور جیل سے ڈرتا ہی نہیں جب قانون کا احترام ختم ہو جائے تو بحران کا پیدا ہونا یقینی ہے جو اس خوبصورت زمین کے سارے سے انسان کے وجود کو مٹا کر رکھ دے گی۔

اسی طرح دیگر صفات کے بارے میں یہی کہیں ان لوگوں کے جواب میں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ انسان کی تخلیقی کمزوری ہے جو بے مقصد اور بے فائدہ ہے۔ ایسا نہیں ہے: جی ہاں ہر شئی کو اس کا مقام ملنا چاہیے۔ ڈر کو لیجیے بے موقعہ خرچ کی جائے تو یقیناً فضول خرچی ہے۔ حدیث میں ہے:۔" انسان میں بھول کی صفت اللہ کی نعمتوں میں ایک ہے۔" کونسی بھول؟

المناک مصائب، دشمنیاں اور عداوتیں اگر ایک شخص کا بھائی مر جائے اور وہ آخری زندگی تک بھائی کی موت کو نہ بھولے، نظامِ زندگی تہہ وبالا ہو جائے۔ اسی طرح عام حالت میں عداوتوں کا بھول جانا اگر انسان اپنے اور دشمنوں کے درمیان برپا شدہ گذشتہ لڑائی کو نہ بھولے اگرچہ وہ لڑائی صرف ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو تو زندگی ایک وبال بن کر رہ جائے گی اور مل بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔ بہرکیف اللہ اور اس کے نمایندوں پر صحیح ایمان و اعتقاد ہی ایک بہتر وسیلہ ہے خوبی پھیلانے اور بدی کو دور کرنے میں اور جب اس مقصد میں کامیابی ہو تو ہر طرف امن وسکون، سلامتی اور خوشبختی کا دور دورہ ہوگا۔

ایک ایسا معاشرہ جہاں کوئی کسی کا مال نہ چرائے کوئی کسی کو قتل نہ کرے جہاں کوئی طاقتور کمزور کو نہ دبائے اور کوئی سرمایہ دار فقیر پر ظلم نہ کرے جہاں کوئی حج

اپنے فیصلہ میں حق سے تجاوز نہ کرے جہاں کوئی غلط گواہی نہ دے جہاں کوئی انسان جھوٹ نہ بولے اور نہ تاجر ملاوٹ کرے جہاں راہ راست دکھلانے والا راہ دکھانے کی اجرت طلب نہ کرے اگر ایسا معاشرہ قائم ہو جائے تو یقیناً تمام سوسائٹیوں سے افضل اور برتر ہوگا۔

ہاں یہاں پر کچھ لوگ یہ کہتے نظر آئیں گے ایسا معاشرہ تو صرف افسانوی اور خیالی ہے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں آپ کا خیال سراسر غلط ہے اسلام کی بے پناہ ترقی اس بات پر گواہ ہے بلکہ وہ مسلمانوں کا باقی ماندہ طبقہ جو حقیقی معنوں میں عملی طور پر اسلام کے دامن سے متمسک ہیں وہ اس عظیم نعمت سے مستفید ہو رہے ہیں اگر چہ ان کا دائرہ بہت چھوٹا ہے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ صحیح عقاید جو ایک نیک معاشرہ کے قیام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں جس سے معاشرہ پھولتا اور پھلتا ہے جس کے سبب ہر طرف نیکی ہی نیکی دکھائی دیتی ہے اس کے بعد یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ صحیح اعتقاد کا دوسرا فائدہ انسان کے نفس پر پڑتا ہے۔

نفس مستقیم:۔ صحیح عقاید انسان کے نفس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جب انسان کا نفس صحیح رُخ حیات اختیار کرلے تو اس کی مثال پھوٹتے چشمے کے مانند ہے۔ خود بخود تمام اعضاء و جوارح سے شرافت کا ظہور ہوگا۔ دیکھنے کا انداز عمدہ، کان سے سننے کا انداز بہتر، بولنے کا طریقہ با فضیلت، جو بھی کام انجام دے خوبی ہی خوبی ہے۔ معاشرہ افراد ہی سے تشکیل پاتا ہے جب افراد سدھر جائیں لوگ نیک ہو جائیں تو پورا معاشرہ نیک بن جاتا ہے۔ جب ہر طرف شرافت اور نیکی کا دور دورہ ہو تو ہر شخص اس رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اور ہر طرف بدبختی کی جگہ سعادت مندی، جنگ کی جگہ امن او تنگی کے بدلے

فراخی نظر آئے گی جب دل کی گہرائیوں میں پسندیدہ اخلاق اپنی جگہ بنا لے تو انسان سچائی، امانتداری، کرم، شجاعت، عدل اور انصاف کرتے ہوئے بار محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ صفات دل کی گہرائیوں سے میٹھے پانی کے چشمہ کے مانند پھوٹتے ہیں۔

اور جو ان باتوں سے اعتراض کرے اور کترا کر گزر جائے تو انجام بالکل جدا ہے ارشاد الٰہی ہے: "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنكًا" (جو شخص ہمارے ذکر سے منہ موڑ لے اُس کے لیے تنگی معیشت ہے)

نفس غیر مستقیم:۔ وہ نفس جو راہ راست کو چھوڑ چکا ہو صرف دوسروں کی اذیت کا باعث نہیں بلکہ سب سے پہلے تو وہ خود اپنے کو تکلیف پہنچاتا ہے اس لیے کہ دنیا میں ہر کام انسان کی خواہش کے مطابق انجام نہیں پاتا ہے تو جو نفس مستقیمہ (صحیح رُخِ حیات اپنایا ہوا نفس) ایسی حالت میں پر وقار اور پر سکون نظر آتا ہے اس کے برخلاف نفس غیر مستقیمہ مانند آندھی کے خس و خاشاک کے مانند کسی حالت میں اسے قرار نہیں آتا۔ یہی تو اسلام کی خوبی ہے جب بھی لوگ اسلام کے مرتب کردہ پروگرام کے مطابق عمل کرتے جائیں تو زندگی کے ہر حصہ میں اسلام پر عمل پیرا ہونے کا ثمر پائیں گے۔

سچائی، امانتداری، صلہ رحم، ہمسایہ سے بہتر تعلقات، سخاوت اور انکساری ایسے صفات ہیں جب انسان ان پر گامزن رہے گا تو اس کا پھل ضرور چکھے گا اور خوشحالی، سلامتی اور خوشبختی کا دور دورہ اس وقت ہوگا جب لوگ اسلام کی طرف پلٹ جائیں اور اسلام کو ناقص طور پر نہیں کامل طور پر زندگی کے ہر حصہ پر تطبیق کریں۔

اس طرح اسلام تمام جوانب کے ساتھ موجود ہوگا:۔

اسلام فرد کے لیے اس کے انفرادی حیثیت کو مد نظر رکھ کر پروگرام پیش

کرتا ہے

خاندان کو اس کے حدود میں۔

ہمسایہ کو اس کے حدود میں۔

شہر کو اس کے حدود میں۔

اُمّت کو اس کے حدود میں۔

حکومت کو اس کے حدود میں وغیرہ وغیرہ ـــــ

اسلام اپنا مرتب کردہ پروگرام دیتا ہے اب اگر فرد اسلامی طریقہ کو اپنا لے اور اسلامی لباس کو زیب تن کرے اگرچہ معاشرہ کافروں کا ہو تو اس کے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہونے کے ساتھ جسمانی اعتبار سے صحت و تندرستی حاصل ہوگی ۔ اور جب ایک خاندان اسلامی طرز زندگی کو اپنا لے وہ گھر الفت اور محبت کا گہوارہ ہوگا اور وہ خوشگوار زندگی گذاریں گے یہی حال ہمسایہ اور شہر کا حال ہے ۔ یہ چیز کسی دین اور مذہب چاہے اسلام سے قبل گذر چکے ہوں یا بعد میں پیدا ہوتے ہوں نہیں پائی جاتی ہے ۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے منسوب دین میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی ہے میرا یہ کہنے کا مقصد انبیاء (ع) کا پیش کردہ دین نہیں ہے اس لیے کہ ان کا پیش کردہ پیغام تو بنیادی طور پر ایک ہے جیسا کہ قرآن نے ارشاد فرمایا ہے:

"قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ" کہہ دو تم ہم اللہ اور جو ہم پر نازل ہوئی اور جو نازل ہوئی ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاق ویعقوب اور اسباط پر اور جو

(۱) ۱۳۶ بقرہ ۲ -

موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی اور جو انبیاءؑ کو ان کے رب کی جانب سے دی گئی ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے درمیان ہم کوئی فرق قرار نہیں دیتے ہم تو اس کے پاس سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔

میرا مقصد وہ ادیان مراد ہیں جنھیں لوگوں کے ہاتھوں نے برباد کر دیا اور ان میں تحریف کر دی یہی وجہ ہے آج ہمیں موجودہ توریت میں خرافات اور جھوٹے قصے، حد سے تجاوز کردہ اخلاقیات اور کچھ حق ملتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ "وہ ہمارے کلمات کو ان کے اصلی معانی سے بدل کر دوسرے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور جن جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان میں ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے"

اور وہ ادیان جن کی کوئی اصل نہیں یا وہ خود ساختہ ہیں جن کے پاس تو کچھ زندگی کے لیے لائحہ عمل نہیں ہے۔

اس کے بعد اس دور کا ذکر ہم کرتے ہیں جسے جدید نظریات کا دور کہا جاتا ہے ڈیموکریسی، بیوروکریسی، اٹسکریسی، شیوکریسی وغیرہ ان کے نزدیک سوائے اقتصادی پہلو کے اور کچھ پایا نہیں جاتا۔

کیمونزم اور انفرادی ملکیت (سرمایہ داری) میں بھی صرف اقتصادیات پر نظر رکھتے ہیں۔ قومیت، بعث اور ان کے مانند پارٹیاں موجود ہیں مگر کوئی نظام نہیں رکھتے۔ میں نے ان پارٹیوں سے تعلق رکھنے والوں سے دریافت کیا کہ آیا آپ کے پاس دین اور اخلاق کے لحاظ سے فرد کو داخلی اور خارجی طور پر اور خاندان کے اجتماع اور افتراق کے لیے اُس کے ظاہر اور باطن کے لیے کوئی احکامات ہیں؟ — جواب ندارد صرف یہ کہتے ہیں دین اور کو ان باتوں سے کیا تعلق... آیئے ہم اپنے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں جو ہم بیان کر رہے تھے — اسلام معاشرہ میں شرافت کو پھیلاتا

ہے اس طرح اسلام لوگوں میں امن وسلامتی کو فروغ دیکر زندگی کو خوشگوار بناتا ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام ہر دین اور نظریہ سے قوی اور مضبوط ہے اسلام نے لوگوں کو شرافت کی طرف دعوت دی اگر ہم تعلیمات اسلامی کے خلاصہ کو دیکھنا چاہیں تو رسول اکرم (ص) کا قول پیش نظر رہے :۔

فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق (میں صرف لوگوں کے اخلاق کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث ہوا) ۔ آیا اس سے بڑھ کر کوئی بات ہو سکتی ہے؟ آیا کوئی کلام اس کلام سے بڑھ کر ہے؟ یہ تو قرآن کے بعد فقہ کی کتابوں میں جو ذکر ہے اس کے علاوہ ہے لوگوں کو اسلام اخلاق و شرافت کا درس دیتا ہے اور ذلالت سے دور ہٹ جانے کے بارے میں تاکید کرتا ہے۔

قابل قدر معاشرہ وہ ہے جہاں شرافت ہی شرافت نظر آئے اور وہ معاشرہ جہاں شرافت اور اقدار کا خیال نہ ہو وہاں ہر طرف فتنہ او فساد کا بازار گرم ہوتا ہے اگرچہ وہ لوگ مادی اور تمدن کے اعتبار سے ترقی یافتہ ہوں اس پر دلیل موجود ہے ۔ ہم فرض کیے لیتے ہیں اگر کوئی حاکم اپنے عوام کے لیے جملہ وسائل زندگی فراہم کرنے میں کامیاب ہو گیا جیسے اگر اس نے ہر ایک کے لیے گھر، باغ، گاڑی، بیوی، روزی کے لیے اچھی تنخواہ پر کام، بیماری اور بڑھاپے کے لیے امداد فراہم کر دی اور زمینوں کو آباد کر کے باغات میں بدل دیا۔ کیا یہ سب کچھ کرنے سے معاشرہ کو سلامتی اور سکون حاصل ہو گا۔ کیا اس طرح کے آرام و آسایش فراہم کرنے پر حاکم اور عوام دونوں کو دلی تسکین حاصل ہو گی کیا ان تمام امور کے ملنے سے عوام اور دینے سے حاکم کو قرار آئے گا؟

ہرگز نہیں یہ ایک غلطی پر مبنی خیال ہے۔ اس لیے انسان کا نفس ایک حد پر رک نہیں جاتا وہ غیر محدود ہے وہ تو ہر لمحہ بلندی اور ترقی کا خواہشمند

ہے۔ جیسے ایک گھر مل جانے کے بعد دوسرے گھر کی خواہش رکھتا ہے جس کے پاس دو گھر ہوں وہ تیسرے گھر کا خواب دیکھتا ہے تین گھر رکھنے والا چوتھے گھر کی تلاش میں نظر آتا ہے۔ آپ بتلایئے ان خواہشات کے اضافہ کو کون روک سکتا ہے؟ پھر ایک کاریگر کام کرتے کرتے (استاد) بننا چاہتا ہے اور استاد کی خواہش ہوتی ہے وہ سپروائزر بن جائے اور سپروائزر جو محدود اختیار رکھتا ہے وہ چیف سپروائزر بننے کی خواہش رکھتا ہے۔ کوئی طاقت ہے جو اس نفس کے خواہشات کے لیے رکاوٹ بن جائے؟

یہ تو ایک رخ تھا اب دوسرا رخ دیکھئے:

جو دس گھنٹے کام کرتا تھا اس کی خواہش ہے وہ آٹھ گھنٹے کام کرے اور آٹھ گھنٹے کام کرنے والا چاہتا ہے چھ گھنٹے کام کرے اور چھ گھنٹے کام کرنے والا چار گھنٹے کام کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس خواہش کو کون روک سکتا ہے؟ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔

کیا گھروں، محلات، باغات، بیوی بچے، نوکروں اور مال و دولت کی بہتات ملنے پر انسان کا نفس رک جاتا ہے نہیں ہرگز ایسا نہیں کیا وہ صاحبان سلطنت حکومت جن کو یہ تمام باتیں میسر آنے کے بعد وہ فتنہ وفساد سے باز آتے ہیں؟

جی ہاں ایک صفت ایسی ہے جو انسان کے نفس کو روک سکتی ہے اور ہر گمراہی اور تعدی کے راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ وہ صفت "شرافت" جو مذہب کا ایک جز ہے۔

قناعت: (جس کا مذہب درس دیتا ہے) ایک گھر رکھنے والے کو دوسرے گھر کی خواہش سے روک دیتی ہے۔ قناعت اپنی صحیح معنوں میں شرافت ہے ارشاد الٰہی ہے: "وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ

نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنيا،" (جو کچھ تمھیں اللہ کی جانب سے ملا ہے اُسے آخرت کی خواہش رکھو اور جو کچھ (آخر میں) دنیا سے تمھیں ملتا ہے اُسے نہ بھولو)

تواضع: فروتنی۔ صحیح معنی میں شرافت ہے۔

"تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا وَلَا فَسَادًا" (وہ آخرت کا گھر تو ہم ان کو دیں گے جو زمین پر بلندی اور فساد کا ارادہ نہ کریں)۔

کام: (اسلام کام کی دعوت دیتا ہے) یہ دعوت کام چوروں اور تساہل پسندوں کو ختم کر دیتی ہے۔ کام اپنی صحیح معنی میں شرافت ہے

"وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ" (کہدے میرے حبیب تم عمل کرو عنقریب اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ان کے عمل کو دیکھیں گے) اور جب معاشرہ سے شرافت کو نکال دیں:۔ پھر ایک گھر سے دوسرے گھر پھر تیسرے گھر کو حرام راستوں سے حاصل کرنے والے کو کون روک سکتا ہے۔ ہر اُس شخص کو جو پست ترین وسیلہ سے برسر اقتدار آنے کی ہوس رکھتا ہو کون روک سکتا ہے؟

کونسی طاقت ہے جو ایک کام چور آدمی کو جو دوسروں کے سہارے جیتا ہو اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر زندگی گذارتا ہو روک سکے۔ نہیں! ایسا نہیں ہے اگر یہ بُرائیاں پھیل جاتی ہیں تو آپ ہی بتلائیے معاشرہ کا کیا حال ہوگا کیا امن وسلامتی کا تصور کیا جا سکتا ہے؛ نہیں ہرگز نہیں!

اسلامی دور حکومت میں سکون اور غیر اسلامی حکومتوں میں اضطراب کا راز یہی امور ہیں جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ جب سے غیر اسلامی نظام نے تسلط حاصل کیا اس وقت سے آج تک دنیا کے مختلف علاقوں میں جنگ اور انقلاب کا شعلہ

(۱) ۷۷ قصص ۲۸ — (۲) ۸۳ قصص ۲۸ — (۳) ۱۰۵ توبہ ۹۔

بھڑک رہا ہے یہی وہ اسلام کی خوبیاں تھیں کہ سربراہ مملکت اور عوام دونوں پرسکون ماحول میں زندگی گذارتے تھے دونوں کے درمیان محبت و الفت کا تبادلہ ہوتا سربراہ مملکت رعایا پر رحم کرتا اور رعایا سربراہ مملکت کے ساتھ حکومت چلانے میں تعاون کرتی آج کا سربراہ مملکت (غیر اسلامی دور میں) عوام سے ڈرتا ہے اور اپنے چاروں طرف جدید بچاؤ کے وسائل کا گھیرا ڈالتا ہے۔ ٹینک، گولی سے محفوظ کار، باڈی گارڈ اور فوج کے حلقہ میں زندگی کے دن گذارتا ہے اور عوام سربراہ مملکت سے خائف ہیں، وہ جو کچھ بھی سرمایہ کے مالک ہیں اس خوف کے نذر کر دیتے ہیں باوجود اس قربانی کے جیل عوام سے بھر جاتے ہیں، عدالتوں میں عوام کا ہجوم ہے اور ان کے خون سے تختہ دار رنگین ہے۔

مادہ اور اقتدار دونوں محدود ہیں اگر ہم نے ان دونوں جانب توجہ دی تو یقیناً فتنہ وفساد پھیل جانے کا اندیشہ ہے (اس لیے کہ ہر ایک کو ان کا حصول ممکن نہیں ہے) یہ سب کچھ اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب حکومت غیر اسلامی ہو اور شرافت کا دور دور تک نام ونشان نہ ہو۔

مادہ اور روح : ان دونوں میں وسعت اور کشادگی ہے۔

مادہ بقدر ضرورت: بقیہ روح اور شرافت کے وسعت کے لیے۔

گھر بقدر ضرورت : قناعت کے ساتھ

شان کے مطابق کام : اس کے ساتھ فروتنی، انکساری

محنت بقدر طاقت : تھکاوٹ میں تسلی۔

جب شرافت دل میں جگہ کر لے آپ ایسے شخص سے انوکھی چیزوں کا مشاہدہ کریں گے یہ سب جانتے ہیں، شرافت کی صفت رکھنے والے حضرات ایسے بلند وبالا کام کر جاتے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ شرافت اور ذلالت دونوں

کا تقابل کرکے یہ دیکھیں کہ شرافت کا زندگی کو خوشگوار بنانے میں کتنا دخل ہے؟
یہ بھی دیکھیے شرافت کے سبب کس قدر الفت، محبت اور سلامتی کا اضافہ ہوتا
ہے۔ آیئے ہم ایک قصہ کو دیکھتے ہیں جو ہمارے ہی زمانہ میں پیش آیا:۔

ایک شخص نے اپنے مکان کو ایک ایسے شخص کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان
رکھتا تھا کرایہ پر دیا یہ شخص نہایت نیک اور شریف تھا۔ کرایہ کی مدت ختم ہوتے
پر اس مرد مومن نے اپنا پورا گھر کا سامان سڑک پر جمع کردیا تاکہ دوسرا مکان تلاش
کرے اور وہاں منتقل ہو جائے۔ کسی نے اُس سے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟
اُس نے جواب دیا مالک مکان سے طے شدہ مدت ختم ہو گئی اب اُس کی رضا کے
بغیر اس مکان میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے چنانچہ کچھ لوگ مالک مکان کے پاس گئے
اور اُسے بتلایا کہ یہ مرد شریف مکان خالی کرکے فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے مالک مکان
آیا اور اُس کرایہ دار سے کہا آپ کو مزید رہنے کی اجازت ہے جب کوئی مکان مل جائے
تب خالی کریں۔ یہ کرایہ دار اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا تھا اور صفت
شرافت سے متصف ہونے پر اُس نے خوف خدا سے ایسا کیا ــــ اب دوسرے
شخص کی طرف دیکھئے جو اس کے برعکس ہے ایسے لوگوں کی ہمارے معاشرہ
میں کثرت ہے:ــ مالک مکان نے کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کے لیے
کہا کرایہ دار نے اس کی بات کی جانب توجہ نہ دی اور جب جھگڑا بڑھ گیا تو
کرایہ دار کورٹ میں چلا گیا اور وہاں کرایہ جمع کرا دیا اور صاف کہہ دیا کرایہ
چاہیے تو کورٹ سے لے لے اور اگر کرایہ نہیں چاہتے تو ہم مکان خالی نہیں
کرتے ہیں جو جی میں آئے کرے۔

جی ہاں اگر لوگوں کو اعمال کی سزا کا یقین ہوتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا

يره[۱] (تو جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اُسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی ہے تو اُسے دیکھ لے گا)

اگر لوگوں کو کیے کی سزاء کا یقین ہو جائے تو وہ اپنے فرائض کا خیال ضرور رکھیں گے۔

"يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ" (اے بیٹا اس میں شک نہیں کہ وہ عمل (اچھا ہو یا برا ہو) اگر رائی کے دانہ برابر بھی ہو اور وہ پھر کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں (چھپا ہوا) ہو تو بھی خدا اُسے (قیامت کے دن) حاضر کرے گا بے شک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے)

عوام میں جو خیانت کار اور مفسد عناصر ہیں ان کو شرافت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ آیا کوئی شریف اور نیک انسان زنا، خیانت، مے نوشی وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ آیا کوئی شریف النفس انسان اپنے وطن کو اجنبیوں کے ہاتھ فروخت کر کے استعمار کو اپنے ملک پر مسلط کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شریف انسان چوری کرنا، قتل کرنا اور کسی کو اذیت دینے پر راضی ہو گا؟

جب کبھی انسان جیل جائے تو زیادہ تر قیدی وہ لوگ ہیں جنھیں دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور جب ہم ہسپتال میں داخل مریضوں کا جائزہ لیں اور ان مریضوں کو دیکھیں جو جنسی اعضاء کے بیماری میں مبتلا ہیں جیسے سوزاک اور آتشک کے مریض تو ان میں غالباً وہ لوگ ہیں جو نیک طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس بحث سے ہم نے ایک نتیجہ اخذ کیا۔ وہ صفت نیکی و شرافت جو انسان کے

---

۱ الزلزال آیت ۷، ۸ ۔ ۲ لقمان آیت ۱۶ سورہ

نفس میں جاگزیں ہو اس کا نتیجہ بہت عمدہ ہے یہی وہ صفت ہے جس سے معاشرہ قائم ہوتا ہے اس کے بغیر معاشرہ کو نہ قرار ہے نہ سکون ۔ اس لیے اسلام نے استقامت نفس کی تاکید کی اور نفس کو شرافت سے متصف کرنے کے لیے راستے اور دستور مرتب کرکے دیا۔

فضیلت کی جانب تیسرا قدم: معتدل آزادی :۔

اعتدال پر مبنی آزادی معاشرہ میں فضیلت کو پھیلاتی ہے اور انسان نیک اور خوشبخت ہوجاتا ہے۔

اعتدال کے معنی :۔ نہ افراط ہو نہ تفریط بلکہ اسلام کا مقرر کردہ راستہ ہو۔ جو معاشرہ کو ذلت کی پستی سے بھی بچاتا ہے اور حد سے تجاوز کرنے سے بھی روکتا ہے اسی میں عام و خاص سب کی مصلحت موجود ہے۔

مثال: تجارت کی مطلق چھوٹ دولت حاصل کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے اور لوگ ذخیرہ اندوزی، سود، مہنگائی بڑھاکر اور تنگدستوں کا خون چوس کر دولت جمع کریں یہ عمل معاشرہ کو برباد کردیتا ہے اسی طرح جائز تجارت پر پرمٹ ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی اور دیگر شرائط لگانا بھی انسانی سوسائٹی کو نیست و نابود کرنا ہے اور ہم اس افراط اور تفریط کے کھیل کو مسلمانوں کے ملکوں بلکہ دوسرے ممالک میں دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ میں فتنہ و فساد پایا جاتا ہے۔

یہ مغربی تمدن کی امتیازی خصوصیت میں شامل ہے وہ زندگی سے متعلق ہر شعبہ سے یہی سلوک کرتا ہے۔ ایک طرف سے تو وہ پستی کی طرف لے جاتا ہے دوسری طرف حد سے تجاوز کرجاتا ہے۔ مثلاً: صحافت کو ایک جانب سے کھلی چھٹی دیتا ہے کہ وہ دشنام دینے الزام تراشی کرتے اور پوشیدہ برائیوں کو طشت از بام کریں دوسری جانب حقائق پر مبنی واقعات جن کی خبر

عوام تک پہنچنا ضروری ہے پابندی لگا دیتا ہے۔ ہم نے کتنی بار دیکھا کہ صحافت مجرموں کی مدح و ثنا کرتی ہے یا ان کے جرائم پر خاموش ہو جاتی ہے اور دوسری جانب بے قصور اور بے گناہ افراد پر الزام تراشی کی جاتی ہے۔ تجارت کے سلسلہ میں شراب کی درآمد کرنے کے لیے پرمٹ دیا جاتا ہے تھیٹر یا دعوت گناہ کے مقامات کھولنے کی اجازت مل جاتی ہے پھر دوسری طرف تجارت سے روک دیا جاتا ہے اگر امپورٹ اور اکسپورٹ کے شرائط پورے نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

یہی وہ افراط اور تفریط ہے جو معاشرہ کو اعتدال پسندی سے نکال لے جاتی ہے ذلالت کو فروغ دیتی ہے اور شرافت کو کم سے کم کرتی چلی جاتی ہے۔ مثال:۔ تجارت کی بربادی سے دیگر کام کھٹائی میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی ذلالت ہے۔ اور تجارت کا حد سے گذر جانے کی اجازت ملنے پر شراب خانے کھل جاتے ہیں، ذخیرہ اندوزی کھلے عام ہو جاتی ہے یہی تو ذلالت ہے۔ آج معاشرہ میں موجودہ برائیاں، دھوکا دہی، چوری، قتل، جنسی امراض، غلط فیصلے، رشوت، جھوٹی گواہیاں، استبداد، ذخیرہ اندوزی، سود اور مہنگائی میں اضافہ وغیرہ یہ اس منحرف آزادی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

قرآن مجید اور سنت نبوی میں اس افراط و تفریط کو ختم کرنے کے لیے ہدایات موجود ہیں۔ پھر جب معاشرہ میں شرافت کا عروج ہو اور لوگ نیکی کی طرف رُخ کرتے ہوں تو ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ لوگوں میں اعتماد بحال ہو جاتا ہے ہر ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے لگتا ہے جو ماحول اس قدر بدل جائے اور لوگوں میں اعتماد کامل طور پر بحال ہو جانے سے دنیا کے تمام کام فطری طور پر انجام پاتے ہیں اور کسی کام کے ہونے کے لیے خوف، احتیاطی تدابیر کی ضرورت باقی نہیں

رہتی ہے۔ اس زندگی کے تمام معاملات میں نیکی کا رواج ہو جاتا ہے اب قرض پر رقم دینے کے لیے کسی گواہ یا اسٹامپ پیپر کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب وقت پورا ہو جاتا تو قرض دار مذکورہ رقم کو بغیر کسی تنازعہ اور جھگڑے کے رقم مالک کو واپس کر دیتا ہے مگر آج ہمارے معاشرہ میں بھروسہ ختم ہو گیا ہے عدالتوں کے دروازہ پر جائے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کتنے جعلی نوشتہ بنائے جاتے ہیں کتنے حقائق کو جان بوجھ کر جھٹلایا جاتا ہے اگر کسی نے بطور امانت کسی کے پاس کچھ رقم رکھوادی اب اس کے حصول کے لیے ہزار جتن کرنے پڑتے ہیں کتنی گھاٹیوں سے گذر کے دور منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ ذرا یہ قصہ تو سُنیئے:

صحن مقدس حضرت امام حسین علیہ السلام میں ایک تاجر بیٹھا ہوا تھا اور اسکے ارد گرد لوگ بیٹھے تھے ایک شخص آیا اور اُس نے خبر دی کہ فلاں تاجر کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی فوراً آہ کہنے لگا حاضرین گواہ رہنا اس وفات پانے والے تاجر کو مجھے اتنی ... رقم دینی ہے کسی نے کہا کیوں جناب اس اعتراف کی کیا ضرورت تھی؟

تاجر: متوفی کے پاس میرا کوئی نوشتہ نہیں ہے جو مطالبہ کے لیے سند بنے میں اس بات سے ڈرا کہیں شیطان مجھے بہکانہ دے اور اس کے ورثار کو مال واپس نہ کروں اس لیے کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے میں نے تمھیں گواہ بنایا تاکہ شیطان مجھے بہکانہ دے۔ ... دوسرا قصہ بھی سُن لیجیے:

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ شیطان کے ہاتھ میں رنگ برنگی رسیاں ہیں اور ایک لوہے کی زنجیر ہے جو جگہ جگہ سے کٹی ہوئی ہے اُس شخص نے پوچھا: یہ رسیاں کیا ہیں؟

شیطان: ان رسیوں سے فرزندان آدم کو جہنم کی طرف کھینچ لے جاتا

ہوں۔ یہ رنگ اُن کے ذوق اور مزاج کی نشان دہی کرتا ہے کچھ تو مال کے ذریعہ کچھ شہوت کے ذریعہ اور کچھ ریاست کے ذریعہ وغیرہ وغیرہ۔

خواب دیکھنے والے نے پوچھا: یہ ٹوٹی ہوئی لوہے کی زنجیر کیا ہے؟

شیطان: یہ تو شیخ مرتضیٰ انصاری کے لیے تھی میں نے جس قدر چاہا ان کو باندھوں وہ اس کو توڑ دیتے تھے میں ان کو باندھ نہ سکا۔

خواب دیکھنے والا کہتا ہے: میں صبح ہوتے ہی شیخ انصاری کے پاس گیا اور بطور خوشخبری یہ خواب سُنایا۔

شیخ انصاری نے فرمایا: کل شب میری بیوی کو درد زہ لاحق ہوا، میرے پاس کچھ نہ تھا جو اُس کے لیے اس وقت کے لحاظ سے ضروری غذا وغیرہ فراہم کرتا میرے پاس ایک شخص کی امانت کچھ رقم رکھی ہوئی تھی میں نے سوچا اُس سے کچھ لے کر اپنی ضرورت پوری کروں اور جب اللہ فراخی دے تو واپس رکھ دوں گا یہ سوچ کر اس رقم کی جانب بڑھا پھر اُلٹے پیر واپس لوٹا اچانک یہ خیال آیا کہ مجھے دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے اس طرح سات دفعہ آگے بڑھا پھر واپس پلٹا آخر میں فیصلہ کرلیا چاہے کچھ بھی ہو غیر کے مال میں تصرف نہ کروں گا۔ خدا نے بچہ کی ولادت آسان کردی اور متوقع خرچ بھی نہیں ہوا شاید تمھارے خواب کی تفسیر یہ ہو۔

آیا ایسی حالت ایمان اور شرافت کے بغیر کسی کے دل میں جاگزیں ہوسکتی ہے؟ ہرگز ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس زمانہ میں ایسا ماحول قایم ہوگیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کیا کرتے تھے۔ خریدار اور فروخت کنندہ رہن رکھنے والا اور دینے والا، کرایہ پر دینے والا اور لینے والا، زمیندار اور کسان، صنعتکار اور کاریگر، قرض دینے والا اور قرضخواہ، میاں اور بیوی

ان میں سے ہر ایک ماضی میں صرف عام کاغذ پر چند سطریں باہمی معاملہ کے بارے میں لکھوالینا کافی سمجھتے تھے اور اس پر ایک عالم اور دو گواہ کے دستخط ثبت ہوتے تھے لوگوں کے بیٹے نواسے اس عام کاغذ پر لکھے ہوئے نوشتہ پر اپنے باپ دادا سے دار ثبت حاصل کرتے اور کوئی جھگڑا بھی نہ ہوتا تھا۔

لوگوں کے جان ومال، عزت وآبرو ہر قسم کے دھوکا دہی تعدی اور دست درازی سے محفوظ رہنے کی وجہ یہی تھی۔

آیئے ہم آپ سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ جب لوگوں میں شرافت اور ایمان کا غلبہ ہو تو کیا معاشرہ ہوتا ہے۔

ایران کے ایک بادشاہ کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا بادشاہ کی بیٹی کو ایک رات گھر واپس لوٹنے میں تاخیر ہوگئی اور ہر سو اندھیرا چھا گیا، لڑکی گھبراگئی خوف کے عالم میں اس کو پناہ گاہ کی تلاش تھی راستہ میں دینی درس گاہ پڑتی تھی لڑکی اسے محفوظ مقام سمجھ کر مدرسہ میں داخل ہوگئی اور ایک کمرہ کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر گئی اور طالب علم جو ایک سید زادہ تھا اس سے اجازت چاہی کہ مجھے صبح تک اپنے حجرہ میں رہنے کی اجازت دو اُس نے اجازت دی اور اسٹور میں اُسے بٹھا دیا۔

عنفوان شباب کا زمانہ ہے تنہائی میں ایک خوبصورت لڑکی کا خود آجانے سے دل میں طرح طرح کے خیال آنے شروع ہوئے۔ شیطان وسوسہ ڈال رہا تھا یہ لڑکی خود آگئی ہے انقطاعی طور پر حلال ہوسکتی ہے۔ اُس نوجوان نے شمع پر اپنی ایک انگلی جلادی اور یہ کہتا جاتا تھا اے شخص اس آگ کا مزہ چکھ تو آخرت کے آگ میں نہ ڈالا جائے۔ اس طرح رات بھر یہ شریف زادہ ایما ندار طالب علم اپنی انگلیاں شمع پر جلاتا رہا یہاں تک کہ جب دس انگلیاں جل گئیں ادھر صبح ہوگئی طالب علم کی مہمان شہزادی گھر کی طرف رخصت ہوگئی۔ بادشاہ کو پتہ چلا وہ بہت غضبناک

ہوا اور لڑکی کے بارے میں جو بھی گمان بد کرسکتا تھا کیا۔ بادشاہ نے لڑکی کو سامنے لانے کا حکم دیا۔ جب لڑکی سامنے حاضر ہوئی نہایت غصہ سے پیش آیا لڑکی نے کہا حضور والا آپ مجھ پر کوئی شک نہ کریں میں راستہ بھول گئی اور تاریکی میں کچھ سجھائی نہیں دیا اور میں ایک دینی طالب علم کے حجرہ میں بطور مہمان رہی۔ بادشاہ نے قابلہ (دائی) کے کام کرنے والی عورتوں کو طلب کیا تاکہ وہ لڑکی کے جسم کا جائزہ لے کر اس کی عصمت پر گواہی دیں۔ چنانچہ ان عورتوں نے گواہی دی کہ لڑکی کی آبرو ریزی نہیں ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اس مدرسہ سے اس طالب علم کو دربار میں طلب کیا اور اس سے گذشتہ رات کے بارے میں دریافت کیا۔

طالب علم: نے رات کو جو واقعہ پیش آیا ذکر کیا۔

بادشاہ: اس پہ کیا گواہ کہ تم نے کوئی دست درازی اور خیانت نہیں کی؟

سید طالب علم: نے جواب دیا اس پر میری دس انگلیاں گواہ ہیں یہ کہہ کر دونوں ہاتھوں کو سامنے کیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ انگلیاں جلی ہوئی تھی۔ جب بھی شیطان نے وسوسہ ڈالا میں نے ایک انگلی جلادی۔

لڑکی: نے کہا ابا حضور! میں رات بھر گوشت جلنے کی بد بو سونگھتی رہی

بادشاہ یہ قصہ سن کر اور جلے ہوئے ہاتھ دیکھ کر اس طالب علم کی ایمانداری اور شرافت پر حیران رہ گیا۔ بادشاہ نے اس طالب علم کا بڑا احترام کیا اور اس واقعہ سے متاثر ہو کر اعلان کیا" ہم نے اپنی بیٹی کی اس ایماندار طالب علم سے شادی کردیتے ہیں، چنانچہ تاریخ میں یہ طالب علم **"میر داماد"** کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس قصہ سے مشابہ" ابن سیرین" کا قصہ ہے:

ابن سیرین کپڑے کے ایک تاجر کے پاس بطور شاگرد کام کرتا تھا وہ نہایت خوبصورت نوجوان تھا۔ ایک دن ایک عورت دکان پہ کپڑا خریدنے آئی۔ ابن سیرین

سے کہا کہ وہ اس کپڑے کو اُٹھا کر اس کے ساتھ چلے تاکہ اس کی قیمت گھر سے دیدیں
چنانچہ ابن سیرین اس عورت کے ہمراہ چلا گیا تو گھر میں داخل ہوتے ہی اُس نے
دروازہ بند کر دیا اور بُرے کام کی طرف دعوت دی۔ ابن سیرین نے جب دیکھا کہ
اس عورت سے خلاصی ممکن نہیں ہے تو اس عورت سے کہا میں فی الحال بیت الخلاء
رفع حاجت کے لیے جانا چاہتا ہوں عورت نے بیت الخلاء جانے دیا ابن سیرین
نے بیت الخلاء جاکر اپنے جسم پر گندگی اور غلاظت مل دی اور اس بُری حالت میں
وہاں سے نکلا کہ عورت نے جب اس کو اس حال میں دیکھا نہایت متغیّر ہوئی اور
فوراً دروازہ کھولکر باہر نکال دیا چنانچہ ابن سیرین نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے
گناہ سے بچنے کا راستہ بتلایا۔

تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جو اس طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں
اور بتلاتے ہیں کہ اُس زمانہ میں لوگ کس قدر ایماندار اور شریف تھے اور معاشرہ
ان افراد کی نیکی کے سبب فلاح اور بہبودی سے ہمکنار تھا اور یہ حقیقت ہے کہ
صالح معاشرہ قایم ہوا تھا وہ مثالی معاشرہ تھا جس کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور
نہ بعد میں۔

ایسے مثالی سوسائیٹی (اجتماع) کے قیام کے لیے جو نبی اکرم اور ائمہؑ نے
جو زندگی کے خطوط معین فرمائے ہیں وہ ان کی عظیم شخصیت کی نشان دہی کرتے ہیں
اُنھوں نے نوع بشر کے لیے پُرسعادت زندگی گذارنے کے لیۓ اصول مرتب کیے،
انھوں نے انسان کو خوشبختی اور سلامتی کے راہ سے آشکار کرایا یہ وہ ہدایات
ہیں کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی نے نہیں دیے۔ ان کی بتلائی ہوئی تعلیم
اور سیرت پر چلنے سے انسان خوشبخت ہوتا ہے اگرچہ وہ جھونپڑی میں بغیر
جدید تعیش کے سامان کے زندگی گذار رہا ہو۔ اس طرح ان کے راہوں سے

ہٹ کر دوسرے راہ پر چلنے والے بدبخت ہیں اگرچہ وہ محلات میں تمام جدید تعیش کے سامان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یہی سبب تھا کہ آغاز اسلام میں باوجود ان جدید آلات کے نہ ہونے کے بھی مسلمان کامیاب حکمرانی چلاتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نام حکومت نکل جانے کے بعد باوجود جدید آلات سے خدمت لیتے ہوئے بھی دنیا بدبختی کے کھڈ میں گرگئی اس لیے کہ آلات تو ایک اضافی شئی ہیں ان سے خوشبختی اور بدبختی سے بہت تھوڑا ہی واسطہ ہے اصل سرچشمہ سعادت اور شقاوت تو وہ نظریہ حیات ہے جس پر چل کر انسان یا سعادتمند ہوتا ہے یا بدبخت۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا[1]

"جو میرے ذکر سے منہ موڑ لے بے شک اس کے لیے ایک تنگی معیشت ہے"

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[2]

"اور اگر بستی میں رہنے والے ایمان لے آئیں اور تقویٰ کو شعار بنالیں تو ہم آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیں لکن انھوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جھٹلایا سو ہم نے ان کے کرتوت پر انھیں گرفت میں لے لیا۔"

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ "جو اللہ پر ایمان لائے وہ اس کے قلب کی ہدایت کرتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ "آگاہ ہو جاؤ ذکر الٰہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ "اے لوگو! تمھاری سرکشی تمھارے ہی نفسوں کے لیے ہے۔"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً "اے اہل ایمان تم سب کے سب

(۱) ۲۰ طٰہٰ ۱۲۴۔

سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔"

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ "اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو"(۱)

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا "اور جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا عنقریب اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے۔"(۲)

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

"ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا یہ تو خود اپنے پر ظلم کرتے تھے۔"(۳)

ہم تعلیمی شعبہ کے بارے میں اس مطلب کے آغاز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہم نے یہ بتلایا اس ادارہ کے اندر اسکول، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما سب شامل ہیں اسکول کے بارے میں ہم نے کچھ بیان کیا اور بحث رفتہ رفتہ آگے بڑھی، تونگری اور تنگدستی صحت اور بیماری اور شرافت جیسے موضوعات بھی زیر بحث آئے یہاں کچھ باتیں بیان کرنے سے رہ گئی ہیں جس کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہمارے انسٹیٹیوٹ (معہد) زیادہ تر اسلام سے منحرف ہیں اور سامراج کے زیر اثر پروان چڑھنے کا نتیجہ ہے یہ استعماری سرپرستی جو شر محض ہے اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے زہر ملا ہوا شہد یا نرم ملائم سانپ (جس کا چھونا نرم اور جس کا زہر قاتل)

یہاں مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ انسٹیٹیوٹ (علمی ادارے) بند کر دیے جائیں بلکہ اسلام کے نزدیک واجب یہ ہے کہ ان اداروں کو استعماری مواد سے جو اسلام سے منافی ہے پاک کیا جائے تاکہ استعمار کے بجائے اسلام کی بالادستی قائم ہو۔ ہم مثال کے لیے چند علمی اداروں کو پیش کرتے ہیں۔

میڈیکل کالج : اس ادارہ کا مقصد انسانی جسم کا علاج ہے مگر وہاں

(۱) بقرہ ۲۰۸ - (۲) الزمر ۵۱ - (۳) نحل ۱۱۸

تعلیم کے ساتھ ذلالت کی تربیت دی جاتی ہے وہاں دونوں صنف لڑکے اور لڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اکثر ان میں غیر شادی شدہ لوگ ہیں۔

تبلایئے نتیجہ کیا ہوگا؟

علم کا مقصد کیا ذلالت سیکھنا ہے؟

پھر وہاں مرنے والے افراد کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے قبروں کو کھودا جاتا ہے تاکہ ہڈیوں پر تحقیق کی جائے اور تجربات مکمل کریں آیا علم طب میں پوسٹ مارٹم اور قبروں کو کھودنا ضروری ہے؟ (انتہائی ضرورت کے وقت ہوسکتا ہے) ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان اداروں سے برآمد ہونے والے اطباء کو اخلاق اور فضیلت کا درس دیا جاتا تاکہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہیں اور علاج سے مستفید ہوں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اسلامی اصولوں کو تو چھوڑیئے آیا بقراط کے تبلائے ہوئے وصیت اور قسم کو سکھلایا جاتا ہے؟

دیکھیں بقراط کی وصیت اور قسم کیا تھی؟

"کتاب طبقات اطبا" میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب طبیب درس سے فارغ ہو جاتا ہے اور ڈگری حاصل کرنے سے قبل یہ حلف دیا جاتا تھا جسے بقراط حکیم کا حلف کہا جاتا تھا: وہ قسم اس طرح ہے:

"میں اللہ کے نام سے قسم کھاتا ہوں کہ وہ زندگی اور موت کا رب ہے اور صحت دینے والا ہے اور شفاء اور ہر قسم کے علاج کا خالق ہے میں مرد اور عورتوں میں سے جو اللہ کے ولی ہیں ان کی قسم کھاتا ہوں ان سب کو گواہ رکھتا ہوں میں اسی قسم اور اس شرط کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں جسقدر طاقت مجھ میں ہے مریضوں کی بھلائی پر صرف کردوں گا۔ وہ اشیاء جو نقصان دہ ہیں یا ان پر ظلم کرنے کا سبب ہیں دور رکھوں گا اپنی رائے سے اگر مجھ سے

ہلاک کرنے والا زہر طلب کیا جائے میں ہرگز نہیں دوں گا اور نہ ایسی مہلک اشیاء کا مشورہ دوں گا اور نہ ہی عورتوں کو ایسی دوا جس سے بچہ گر جائے دوں گا اور میں اپنے پیشہ اور تدبیریں پاکیزگی اور طہارت کا خاص خیال رکھوں گا۔ کسی گھر میں جانے اور قدم رکھنے کا میرا مقصد صرف بیمار کا فائدہ مقصود ہوگا اور میں ہر قسم کے ظلم، جور اور فساد سے دور رہوں گا۔ اور علاج کے دوران جو کچھ جھیلنا ہو یا باتیں سُنا پڑے یا علاج کے بعد لوگ وہ کام کریں جو باہر کے لوگ بول نہیں پاتے ہیں ان سے اپنے کو دور رکھونگا"

جی ہاں اگر ہمارے میڈیکل کالجوں میں بقراط کی اس وصیت کو پڑھایا اور اہمیت دی جاتی تو یہ فساد اور بحران یا ہنگامہ، لوٹ مار وجود میں نہیں آتا۔

لار کالج: (کلیۃ الحقوق)

بتائیے کس کے حقوق؟

مغربی اور مشرقی لوگوں کے قانونی حقوق اسلامی ممالک میں ذرا غور تو کیجیے ضخیم جلدوں میں مرتب اسلامی فقہ سے مغرب اور مشرق دونوں نے فائدہ اُٹھایا اور تجربہ اور حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لیے بہترین قانون فقہ اسلامی ہے اس کے باوجود مسلمان فقیر کے مانند کاسہ گدائی لیے ہے۔ کچھ قانون فرانس سے کچھ اٹلی سے کچھ انگلستان سے کچھ امریکہ سے اور کچھ روس سے اور کچھ جرمنی سے بھیک مانگتا پھرے

سوال تو یہ ہے کہ یہ قوانین کس لیے؟

آیا مسلمانوں پر ان قوانین کو تطبیق کرنا ہے؟

مسلمان کبھی اسلامی قوانین کے سوا تسلیم نہیں کرتا وہ صرف اس قانو

کو اپنے پر نافذ سمجھتے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ فلاح و بہبودی، نیکی، عدل اور خوشبختی صرف اسلام کے سایہ تلے میسر ہے۔

بتلایئے کونسی رکاوٹ درپیش ہے اور کیوں نہ ان جملہ قوانین کو نظر انداز کر کے ان علمی اداروں میں اسلامی قوانین پڑھایا جائے یہ قانون جملہ رائج قوانین سے افضل ہے اس پر علم اور منطق گواہ ہے مزید برآں تیرہ صدیوں کا تجربہ بھی شامل ہے۔

پھر لا کالج میں بھی میڈیکل کالج کی طرح لڑکیوں اور لڑکوں کی مخلوط تعلیم ان دونوں صنف کے اجتماع کی صورت میں کیا حال ہوتا ہوگا۔ اسلام قاضی میں پہلی شرط عدالت قرار دیتا ہے تاکہ وہ خواہشات کی بنا پر رشوت لینے کی جانب مایل نہ ہو آیا لا کالج میں عدالت کے بارے میں کچھ بیان ہوتا ہے؟ قاضی میں شرط مرد ہوتا ہے تاکہ وہ جنسی کمزوری کی بناء پر غلط فیصلہ نہ دے۔ کیا لا کالج میں یہ بتلایا جاتا ہے؟

کامرس اور اکنامکس کالج:

آیا اس علمی ادارے میں اسلامی اکنامکس پڑھایا جاتا ہے؟

آیا طلبہ اسلامی اقتصادی نظام سے واقف ہیں؟

اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا؟

کیپٹلزم کے فردی ملکیت اور اسلامی فردی ملکیت میں کیا فرق ہے؟

مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور مشرقی کمیونزم کے اقتصادی نظام اور اسلامی اقتصادی نظام میں کیا فرق ہے؟

اس قصہ کو سنیے! ـــ اسی کالج کے ایک طالب علم سے میری ملاقات ہوئی میں نے دریافت کیا۔ آپ کے کالج کے طالب علموں کا رجحان کس طرف

کس طرف ہے؟ اُس نے کہا ...٪ فیصد کمینیزم کی طرف اور اسی طرح ...٪ فیصد مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی طرف۔ میں نے کہا آپ کے کالج میں اسلامی اقتصاد ہے۔ میں نے پوچھا! پڑھایا کیا جاتا ہے؟

طالب: ہمارے کورس میں سرمایہ داری نظام، سوشلیزم اور کمینیزم پڑھایا جاتا ہے۔

میں نے کہا: تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اسلام کا ایک خاص اقتصادی نظام ہے جو تمام نظاموں سے بہتر ہے یہی معاشرہ سے فقر دور کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

طالب علم: جناب یہ پہلی بار آپ سے سن رہا ہوں

میں نے کہا: تمھارا اس میں کچھ قصور نہیں ہے درحقیقت نصاب تعلیم مرتب کرنے والے استعمار کا قصور ہے وہ چاہتے یہی ہیں کہ اسلامی آخری اصول پر ضرب لگائیں۔

جی ہاں۔ اگر آپ نصابی کتابوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا۔ ان کتابوں میں یہ تو ضرور لکھا ہے فلاں پروفیسر نے یہ کہا فلاں ڈاکٹر نے یہ کہا فلاں اقتصادی دانشور کا یہ قول ہے کیا آپ نے یہ بھی کہیں لکھا دیکھا کہ اللہ کا یہ فرمان ہے رسول اکرمؐ کا یہ قول ہے یا امیر المومنین (علیہ السلام) کا یہ قول ہے۔ نہیں! ہزار دفعہ نہیں اس لیے کہ یہ نصاب تو بنایا ہی اس لیے تاکہ اسلام کی بیخ کنی کی جائے پھر ہم کیوں سوچیں کہ اسلامی زعماد کا نام کیوں نہیں ہے؟

(۴) ایگریکلچر کالج (کالج برائے زراعت)

اس کالج میں پڑھنے والے طالب علم اسلامی زراعت کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ —— نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے ہمارے

اس قول (اسلامی زراعت) کو سن کر تعجب سے ڈر کر پیچھے ہٹ کر یہ سوال کرے آیا اسلام میں زراعت کے بارے میں احکام موجود ہیں۔

جی ہاں اسلام میں زراعت کے بارے میں خاص ہدایات ہیں اسلام نے زراعت کے لیے خاص پروگرام دیا ہے۔ اسلام نے آباد زمینوں اور دیگر اراضی اور قطعات کے بارے میں اپنا پروگرام دیا ہے اور ساتھ ہی مالک اور مزارع کے حقوق بیان کیے ہیں اور زراعی ٹیکس مالک اور کسان کے بارے میں حکومت کو خاص ہدایات بھی دیے ہیں۔ دیکھئے: کتاب المزارعہ۔ کتاب المساقات کتاب احیاء الموات۔ کتاب الزکاۃ۔ کتاب احکام زمین وغیرہ وغیرہ۔

کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے عراق مکمل طور پر مشرق سے مغرب تک اس کے چپہ چپہ پر کاشت کیوں ہوتی ہے اس کے شمال سے جنوب تک زمین آباد کیوں ہوئی ایسے زمانے میں جبکہ اگریکلچرل کالج کا وجود نہ تھا آیا یہ سب کچھ بغیر کسی پروگرام کے ہوا تھا ہم صرف عراق کی بات کر رہے ہیں، مصر، ایران، سوریا، لبنان اور دوسرے اسلامی ملکوں کا تذکرہ ہم چھوڑ دیتے ہیں

جی ہاں۔ اگریکلچرل کالج نظام اصلاح زراعت اور مغرب کا پیش کردہ فرسودہ نظام نے اسلامی ملکوں میں زراعت کو تباہ کر دیا اسی نظام کا قصور ہے کہ دجلہ و فرات کا پانی زرعی زمینوں کو سیراب کرنے کے بجائے سمندر میں گرتا ہے

(۵) ٹریننگ کالج

اس کالج میں کیا پڑھایا جاتا ہے؟ آیا اس میں اسلامی تربیت سکھائی جاتی ہے؟

ان کا تو خیال یہ ہے تربیت تو صرف مغربی نظام میں ہے اسلام تو صرف

نماز، روزہ مسجد اور عماموں سے متعلق ہے اسلام اور تربیت کا تعلق کیا ہے؟

جی ہاں یہی اس تربیت کا لج کا خیال ہے بالکل یہ تصور اس نظام کا بھی ہے جو سمندر پار سے درآمد شدہ اور استعماری تجاوز گروں کی منطق ہے۔ پھر سوال یہ ہے آخر ہم نے اس مغربی نظام سے کیا تربیت حاصل کی۔ یہی کہ ہمارے جیل چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور جرائم پیشہ لوگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

اس مغربی تربیت سے ہم نے یہ فائدہ اٹھایا ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں فساد نے جڑ پکڑ لیا ہے اور وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ہیں ہمیں اس نظام سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سوائے اس کے کہ کچھ ایسے رہنما ملے جو کرسی کی لالچ میں وطن، اور منصب کی ہوس میں قوم کو اور نوجوانوں کو ادھام کے بدلے فروخت کر دیتے ہیں۔ مغربی تربیت سے اس سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ چند کالجوں پر ایک طایرانہ نظر ہے جو پیش کی گئی اسی سے دوسرے کالجوں کے حال کا قیاس کریں۔

اب رہ جاتا ہے مشینری اسکول، مسیحی کالج اور مغربی جامعات مانند جامعہ امریکہ، لبنان میں ردیر کالج، ترکیہ میں غوردن کالج خرطوم وغیرہ وغیرہ ان کے بارے میں تفصیل جاننا چاہتے ہوں تو جناب مصطفیٰ خالدی اور عمر فروخ کی تالیف کردہ کتاب (التبشیر والاستعمار) پڑھیے۔

اب نوبت صحافت، سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن یہ سب کے سب آپ دیکھیے بے پردگی، بدکاری، مے نوشی اور پستی کو پھیلاتے ہیں فحش پر مبنی گانے، بے حیائی اور بے عقلی پر مبنی فلمیں ذرا ٹیلی ویژن اور سینما میں پیش کردہ تصویروں کو دیکھئے۔ گلے ملنا۔ بوسہ و کنار، غزل اور رومانیت سے بھری ہوئی ہیں ـــــ یہ چار وسائل ابلاغ جو بہترین نیکی کا وسیلہ ہیں

آج ہماری کرتوتوں سے تمام برائیاں جو نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں پھیلی ہیں یہ ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہیں۔ نوجوان نسل بدکاری گناہ، فحاشی اور ذلالت کی تعلیم ان ہی ذرائع ابلاغ سے حاصل کر رہی ہے۔

اور اگر پروگرام میں کچھ وقت باقی رہ جائے تو وہ امریکہ کی صنعتی ترقی اور روس کے عالمی سلامتی کے لیے جو کچھ سعی کر رہا ہے اس کے بارے میں معلومات فراہم کر کے ٹائم گذر جاتا ہے۔ یا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں ملک میں انقلاب برپا ہوا فلاں حکومت نے اپنے ملک میں فلاں سختیاں عمل میں لائی ہیں۔ آپ جانتے ہیں اس میں کس طرح دوسری قوموں کو بڑھایا چڑھایا جاتا ہے۔ یہ امریکہ، روس اور بھائی وہ تو ہیں ہم کیا ہیں؟ اسلام نے سختی سے جہاد سے حاصل شدہ مال غنیمت ایسی جگہ صرف کرنے سے روکا ہے جہاں مسلمانوں کی ذلت کی جاتی ہو۔ اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہے دشمنوں کی قوت کے قصیدے پڑھے جائیں اور اپنی کمزوری بیان ہو۔ دشمن کی ترقی کا ذکر اپنی پسماندگی کا بیان۔

ان پروگرام کے مرتب کرنے والے پروڈیوسروں کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ یہ لوگ ہمیشہ ایک ہی انداز پر چلتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے پروڈیوسر حضرات کو ان کے علاوہ دنیا میں کچھ نظر نہیں آتا۔

کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ ٹیلی ویژن، پروگرام میں سینما کے فلموں میں اور اخبار کے صفحات میں روزآنہ عوامی شعبہ سے متعلق کوئی خاص مضمون اور فلم دکھائی جاتی۔ کبھی مالک کبھی کاشتکار کبھی صنعتکار اور کبھی مزدور کبھی ڈاکٹر کبھی انجینئر کبھی کسی سائنسدان کے بارے میں پروگرام پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی حکمران کبھی رعایا کبھی مردوں کے بارے میں کبھی عورتوں کے بارے میں کبھی بڑوں کے بارے میں کبھی بچوں کے بارے میں خاص مفید پروگرام یا مضمون پیش کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ بیہودہ گانوں اور شرمناک

فلموں اور دشمنان اسلام کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے بجائے ملکی درآمدات اور برآمدات اور قدرتی وسائل جو اللہ نے عنایت کیے ہیں ان نعمتوں اور خیرات کے بارے میں پروگرام پیش کیا جاتا اور ایسے تمام پروگرام پیش کیے جاتے جن سے شرافت، کمال، قوت، اخلاص، حق اور انصاف کو فروغ ملتا اس طرح وسائل ابلاغ عامہ ایسی راہ پر گامزن ہوتا جسے اسلام پسند کرتا۔ اس طرح ہم اپنے ملک کے مستقبل کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیتے جو صحیح معنوں میں شرافت، انسانیت اور زندگی کے اصولوں سے واقف ہوں اسطرح ہم ملک کے مستقبل کو محفوظ کر سکتے۔ اگر ہم ملک میں لوگوں سے ملاقات کر کے ایک جائزہ لیں اور لوگوں سے دریافت کریں اپنے ذرائع ابلاغ عامہ سے کیا فائدہ اُٹھایا وہ جواب میں یہی کہیں گے ہم نے سوائے بے کاری، فساد، جمودیت پسماندگی، بغض و عناد، مار دھاڑ کے علاوہ کچھ بھی نہیں سیکھا۔

انجنیر صاحب سے: آپ نے اپنے انجنیرنگ کے میدان میں ان وسائل ابلاغ عامہ سے کیا فائدہ اُٹھایا۔

ڈاکٹر صاحب: آپ نے طب کے میدان میں ان ذرائع سے کیا استفادہ کیا

قاضی صاحب: آپ کو قضاوت کرنے میں ذرائع ابلاغ عامہ سے کیا فائدہ پہنچا۔

حاکم صاحب: آپ کو ٹی۔وی، ریڈیو اور اخبارات سے حکمرانی کرنے کے سلسلہ میں کیا فائدہ ملا۔

اس طرح کاریگر صاحب، کسان، مالک، موجد، سائنسدان، ڈرائیور پائلٹ، مرد، عورت، طالب علم، فوجی نوجوان اور دیگر عوام نے ان وسائل ابلاغ عامہ سے کیا استفادہ کیا ذرا دریافت تو کیجیے ان لوگوں سے ان کے

نزدیک جو نہایت ضروری امور تھے ان کے بارے میں کیا فائدہ اٹھایا سب کا ایک جواب ہوگا۔ ہم نے ضروریات اور مہمات کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

جی ہاں اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں آتے ہی ایسا نہیں ہوگا بلکہ ان وسائل ابلاغ کے ذریعہ سے عوام کے لیے وہ کچھ بیان ہوگا جو ان کے زندگی سے متعلق ہو۔

جی ہاں اسلامی حکمرانی قائم ہوتے ہی ایک بالشت زمین بھی بغیر کاشت کے خالی نہ ہوگی اور نہ ایک قطرہ پانی ضایع کیا جائے گا۔ انسانی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو نیکی، فلاح و بہبودی پر صرف کیا جائے گا۔ اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔

اس مقام پر آپ کی توجہ اس جانب مبذول کرنا چاہتا ہوں استعمار نے اپنی حکومت کو پائداری دینے کے لیے اور اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کے درمیان دو قسم کے پروپیگنڈے پھیلا دیے

۱) دین اور سیاست دو چیزیں ہیں۔ دین علماء کا ہے اور سیاست سیاستدانوں کا ہے

۲) دین اور علماء علم، تمدن اور ترقی کے مخالف ہیں ان دو باتوں سے انھوں نے کوشش کی کہ اسلام کو معاشرہ سے الگ کر دیں۔ تبلایے اسلام کی نمایندگی علماء کے علاوہ کون کرتے چلے آئے ہیں جب علماء کو سیاست سے۔ تہذیب یافتہ لوگوں سے یا تمدن پسند لوگوں سے جدا کرنے کے بعد کون ہے جو انھیں اسلام کی دعوت دے۔ کون ہے جو انھیں استعمار کے مکر و فریب سے آگاہ کرے۔ جب کوئی نہیں ہے میدان خالی ہو تو سامراج کو اپنے عزائم پورا کرنے کا خوب موقعہ مل جاتا ہے۔ عرب میں مثالاً کہا جاتا ہے: "اے چنڈول (پرندہ) عمارت پر گھونسلہ بنا جبکہ یہاں فضا خالی ہے کوئی نہیں ہے اپنی مرضی سے انڈے دے اور بچے نکال جہاں چاہے جیسے چاہے چونچ مار۔" کب دین الگ اور سیاست

الگ رہی۔ کیا رسول اکرمؐ اسلام پیش کرنے والے نبی دینی رہبر کے ساتھ ایک سیاسی رہنما نہ تھے؟

پیغمبر اکرمؐ نے پیش کیا:

۱۔ عقیدہ ۲۔ امت ۳۔ نظام ۴۔ حکومت۔

ان کے بعد خلفا دین اور حکومت دونوں کے سربراہ تھے جبکہ اُن میں کچھ حق پر تھے اور کچھ باطل پر۔ پھر سوال یہ ہے کہ یہ بات (دین اور سیاست اور) سامراجیوں کی آمد سے پہلے یعنی نصف صدی قبل کسی نے سُنا ہے؟

یہاں ہم بات کو پھیلانا نہیں چاہتے ہم تو صرف دوسری شق کی جانب (یعنی اسلام: علم اور دین: تمدن کے خلاف ہے) اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس پر کیا دلیل ہے؟ کس طرح کہتے ہیں دین مخالف تمدن ہے؟

جی ہاں دراصل یہ دیندار لوگوں کے سامراج کی پیش کردہ تمدن کے خلاف ہونے کے وجوہات ہیں۔

۱۔ اس کے سبب نوآبادیاتی نظام ملکوں پر تسلط حاصل کر لیتا ہے

۲۔ معاشرہ بگڑ جاتا ہے ذلالت بیماری اور فقر کا دور دورہ ہوتا ہے۔ پہلے سبب کے بارے میں تو علماء نے پکار کر کہا ہے جب انگریز عراق میں داخل ہوئے تھے انہوں نے فتویٰ دیا فاسد حکومت کی نوکری غیر شرعی ہے چونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ آنے والا اجنبی بظاہر تو اسلام اور عربیت کا نام لے رہا ہے مگر درپردہ سامراجی نظام کے قدم مضبوط کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے ہر قسم کی نوکری کو ناجائز اور باعث فساد اور استعمار کی پشت پناہی قرار دیا یہ بھی تبلایا نوکری سے مقصد تمہیں نجات نہیں راہ راست سے گمراہ کرنا ہے۔

چنانچہ زمانہ گذرا حالات بدلے پھر ان علماء کے اقوال کی سچائی سامنے

دوسرے شق کے بارے میں انھوں نے ہر باعث فساد شئی کو حرام قرار دیا۔ ریڈیو، ٹی۔وی، سینما، تھیٹر اور بازار حسن وغیرہ۔۔۔

اسلام ہر تقدم اور تمدن کو نہایت کھلے دل سے خوش آمدید کہتا ہے لیکن وہ ہر درجہ فساد کو چاہے وہ تمدن کا نقاب لگائے ہو سختی سے روکتا ہے۔ آیا آپنے کبھی سنا کسی عالم نے ٹیلیفون، گاڑی، ہوائی جہاز، بجلی، پانی کے نل، کارخانے، ریل گاڑی وغیرہ کو حرام کیا ہو! کب وہ وقت آئے گا کہ یہ وسائل ابلاغ عامہ، ریڈیو، ٹی وی، سینما وغیرہ باعث فساد پروگرام سے پاک اور صاف ہوں۔ جس دن ایسا ہو جائے تو یہ وسائل بھی ٹیلیفون اور ہوائی جہاز کے مانند قابل استعمال ہوں گے۔

خلاصہ کہتا یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک صرف ایک چیز وہ اصلاح اور فساد جیسا کہ آیت میں اشارہ ہے:

یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث

"(اللہ) ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور بری چیزیں حرام قرار دیتا ہے"

یا حدیث میں ہے: لا ضرر ولا ضرار (اسلام میں نہ ضرر اٹھانا ہے نہ ضرر پہنچانا ہے)

اسلام کے قبضہ میں جب حکومت آجائے تو یقیناً تمدن اس دور کے تمدن سے کئی گنا آگے بڑھ چکا ہوگا۔ اس پر گواہ وہ دور ہے جب یہ نئی ایجادات کا نام ونشان نہ تھا مگر مسلم ممالک میں تہذیب وتمدن اسلامی کا دور دورہ تھا۔ اسلام صحیح معنوں میں جو صحافت ہے اُس کی آزادی کو واجب قرار دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ مغربی دنیا سے حاصل کردہ شروط وقیود ضرورت پرمٹ وغیرہ کو دور کرتا ہے ہر انسان کو جس طرح اظہار بیان میں بھی آزاد ہے

سوائے اس کے کہ اسلام گالی گلوچ، بدتمیزی، جھوٹ، تہمت وغیرہ کو حرام قرار دیتا ہے۔

دوسرے سرکاری ادارے

ہم نے صرف ان اداروں کا ذکر کیا جن کے ہم زیادہ ضرورت مند ہیں ایسے تو اور ادارے ہیں جن کی ہمیں آج کل ضرورت ہے، پوسٹ آفس، ٹیلگراف آفس اور ٹیلفون آفس اور دیگر ذرائع مواصلات جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان اداروں میں بہت سے ادارے اسلامی دور میں نہ تھے۔ جیسے محکمہ سراغرسانی، دفتر اقامہ اور سفر، محکمہ کسٹم، ٹیکس کا دفتر وغیرہ۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان بہت سے اداروں کو ایک ادارہ میں ضم کیا جا سکتا ہے جیسے وقف، یتیموں کے مال، لینر، حکام کے مسائل اور جیل وغیرہ سب محکمہ قضا میں ضم ہو سکتے ہیں۔ بہت سی تفصیلات اور بھی ہیں ہم ان کے بیان سے اعراض کرتے ہیں ہو سکتا ہے کسی اور مفصل کتاب میں ان کا ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ ہم نے اس کتاب میں کوئی انوکھی بات پیش نہیں کی ہے یہ تو وہ کچھ ہے جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہے ہم نے صرف موجودہ زمانہ پر انطباق کی کوشش کی ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے جو کچھ اس کتاب میں ہے یہ صرف نظریہ اور افکار کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ۱۳ صدیوں میں سوائے چند محدود زمانہ کے اسلامی حکومتوں کے وقت اپنایا گیا ہے اور وہ ترقی کے بام عروج پر پہنچ گئے۔ اسلامی نظام کا نفاذ اور تطبیق اس دور میں بھی ترقی و تمدن کو دوبارہ پلٹانے کا ضامن ہے اس انسان کے لیے جس نے خوش بختی کے جوہر کو کھو دیا اگر وہ اسلامی نظام

پھر سے اپنائے اور اُسے زندگی پر انطباق کرے تو یقیناً اس کی سعادتمندی پھر سے پلٹ آئے گی اور اسلام ہی اس کی ضمانت دیتا ہے اس پر ہزار گواہ موجود ہیں اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ میں اس بات کا اعتراف کروں جو کچھ میں نے اسلامی نظام کے بارے میں استفادہ کیا اور اس کتاب کے صفحات کے حوالہ کر دیا غلطی سے بری ہو۔ جیساکہ عالمی شہرت رکھنے والے ایک رہبر نے کہا اگر مجھے پتہ چل جائے میرے پیش کردہ افکار میں پچاس فیصد درست ہو تو یقیناً میں خوش نصیب ہوں ۔ اور جو حضرات میری خطا اور غلطی کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں تو مجھے اطلاع دیں یقیناً حق سے پردہ اٹھانے کے بارے میں ایک تعاون ہوگا آخر میں یہ بات واضح کردوں اس کتاب کے لکھتے وقت کوئی فرد مسلم حاکم ہو یا عوام سے، یا سرکاری ملازم کو خاص طور پر نشانہ بنانا مقصد نہیں تھا اور یہ میں کیسے کر سکتا ہوں جبکہ اسلام مسلمانوں کی محبت کو واجب قرار دیتا ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے : "محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجرا عظیما ۱ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو ان کو دیکھیے گا کہ (خدا کے سامنے) جھکے سر بسجود ہیں خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے خواستگار ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں میں گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔ یہی اوصاف انکے توریت میں بھی ہیں

۱۔ الفتح

اور یہی حالات انجیل میں (بھی مذکور) ہیں۔ وہ گویا ایک کھیتی ہیں جسنے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی اور پھر (اجزاء زمین کو غذا بنا کر) اسی سوئی کو مضبوط کیا تو وہ موٹی ہوئی پھر اپنی جڑ پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور اپنی تازگی سے کسانوں کو خوش کرنے لگی (اور اتنی جلدی ترقی اسلیے دی) تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے (اچھے) کام کرتے رہے خدا نے انسے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)

میرا تو صرف مقصد یہ تھا کہ وہ سامراجی نظام جو اسلامی مملکتوں پر مسلط ہو چکا ہے جس کے ہم سب بھینٹ چڑھ چکے ہیں اس کی حقیقت کو بیان کردوں اور یہ بتلاؤں کہ موجودہ تمام برائیوں کی اصل یہ نظام ہے اس کی وجہ سے ہم سے خیر و برکت چھن چکی ہے اللہ ارادوں سے واقف ہے۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین
والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد
وآلہ الطیبین الطاہرین ○

محمد (کربلا المقدسہ)
۱۳۸۲/۱ع/۲۴

کتاب ملنے کا پتہ

محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ کراچی • رحمت بک ایجنسی کھارادر کراچی

• مدرسہ نجفیہ گلی نمبر ۱۹، اے محمود آباد نمبر ۵ کراچی